برصغیر پاک و ہند کے ابتدائی اسلامی عہد کا اسلامی تاریخی ناول

غلام بادشاہ

قمر تسکین

اِسلامی تاریخی ناول

غلام بادشاہ

قمر تسکین

برِصغیر پاک و ہند کے اِبتدائی اِسلامی عہد کا اِسلامی تاریخی ناول

غُلام بادشاہ

قمر تسکین

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

ناشر ——— نوید اے شیخ

ادارہ ——— رابعہ بُک ہاؤس لاہور

تعداد ——— ایک ہزار

طابع ——— ندیم یونس پرنٹرز، لاہور

رابعہ بُک ہاؤس الکریم مارکیٹ اُردو بازار لاہور

فہرست

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ نمبر
باب ۱	فاتح سلطان محمد غوری	۱۱
۲	عالی ہمت غلام قطب الدین ایبک	۱۵
۳	میرٹھ پر حملہ	۲۱
۴	راجکماری رتن بائی کی گرفتاری	۳۰
۵	عقیدۂ توحید، اسلام کی روح	۴۱
۶	مشورے	۵۷
۷	سردار کمال الدین سمرقندی کی بہادری	۶۲
۸	راجکماری کی تلاش	۶۶
۹	اظہارِ محبت	۸۳
۱۰	مندر میں سازش	۱۰۱
۱۱	والیٔ قنوج کی شکست	۱۴۵
۱۲	ایک عجیب و غریب انسان	۱۴۹
۱۳	راجکماری کی بے قراری اور فرار	۱۵۶
۱۴	قطب الدین ایبک کی فتوحات	۱۹۲
۱۵	پُراسرار بوڑھا	۲۰۱

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ نمبر
باب ۱۶	راجکماری کا قبولِ اسلام	۲۲۴
۱۷	خفیہ دروازہ	۲۴۸
۱۸	سلطان محمد غوری کی شہادت قطب الدین ایبک کی تخت نشینی	۲۵۹
۱۹	کہیں یہ خواب تو نہیں ؟	۲۷۱

اِنتساب

اپنے بیٹے نسیم تسکین اور اپنی بہو مبارکہ شہناز

کے نام

جو مجھے دُنیا میں سب سے زیادہ عزیز ہیں!

قمر تسکین

اِستفادہ کی کُتب

تاج المآثر ——— مؤلف : صدرالدین محمد بن حسن نظامی نیشاپوری

طبقاتِ ناصری ——— مؤلف : منہاج الدین جوزجانی

فتوح السلاطین (منظوم) ——— مصنف : خواجہ عبدالملک عصامی

تاریخ مبارک شاہی ——— تالیف : یحییٰ بن احمد سرہندی

طبقاتِ اکبری ——— مؤلف : نظام الدین ہروی

منتخب التواریخ ——— مؤلف : ملا عبدالقادر بدایونی

تاریخِ حقی ——— مؤلف : عبدالحق محدث دہلوی

زبدۃ التواریخ ——— مؤلف : نورالحق مشرقی

تاریخِ فرشتہ ——— مؤلف : محمد قاسم فرشتہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

یہ ناول

محمد بن قاسم وہ پہلا مسلمان فاتح ہے جس نے سب سے پہلے پاک و ہند پر لشکر کشی کی تھی، لیکن دربارِ خلافت کی سازشوں کے تحت اپنی قبل از وقت موت کے سبب اسے پاک و ہند میں ایک اسلامی سلطنت کے قیام کا موقع نہ مل سکا تھا۔

سلطان محمود غزنوی کی ہندوستانی فتوحات وسیع تر تھیں لیکن اسے بھی پاک و ہند میں اسلامی سلطنت کے قیام کا موقع صرف اس قدر ملا تھا کہ وہ پنجاب کو دولتِ غزنویہ کے ساتھ ملحق کر سکا تھا۔

یہ اعزاز سلطان محمد غوری کو حاصل ہوا کہ وہ پاک و ہند میں مستحکم بنیادوں پر ایک اسلامی سلطنت کی بنیاد رکھے۔ ترائن کی دوسری جنگ میں شاندار فتح حاصل کر کے سلطان محمد غوری اپنے ہندوستانی مقبوضات کو قطب الدین ایبک کی علمداری میں چھوڑ کر غزنی لوٹ گیا تو مختصر سے عرصہ میں ایبک نے میرٹھ، دہلی اور کئی دوسرے علاقوں کو فتح کر لیا اور دہلی کو دارالحکومت قرار دیا۔

سلطان محمد غوری کی وفات کے بعد اس کے جانشین سلطان غیاث الدین محمود نے قطب الدین ایبک کو نہ صرف آزاد ہی کر دیا تھا بلکہ خطابِ سلطانی سے بھی سرفراز فرمایا تھا۔ لاہور کے شہریوں کی دعوت پر قطب الدین ایبک نے لاہور پہنچ کر عنانِ حکومت اپنے

ہاتھوں میں لے لی تھی۔ وہ ۱۸ ذیقعد منگلوار سنہ ۶۰۲ھ کو لاہور میں تخت نشین ہوا تھا، اور لاہور ہی میں سنہ ۶۰۷ھ میں چوگان کھیلتے ہوئے اچانک گھوڑے سے گر کر وفات پا گیا تھا۔ اس کو لاہور ہی میں دفن کیا گیا تھا اور سلطان شمس الدین التمش نے (جو اس کا غلام اور داماد بھی تھا) اس کے مدفن پر ایک شاندار مقبرہ تعمیر کروایا تھا۔

سلطان قطب الدین ایبک نے سنہ ۶۰۲ھ میں برصغیر پاک و ہند میں ایک خود مختار اسلامی سلطنت کی بنیاد رکھی تھی اور اسی سال اس کے ایما پر صدر الدین محمد بن حسن النظامی نیشاپوری نے "تاج المآثر" کے نام سے فارسی زبان میں ایک تاریخ لکھنے کا آغاز کیا تھا۔ یہ تاریخ بلاشبہ برصغیر کی اوّلین تاریخ ہے۔ اس میں شہاب الدین محمد غوری، قطب الدین ایبک اور شمس الدین التمش کے حالات درج ہیں، لیکن مقامِ افسوس ہے کہ اردو زبان میں اسلامی ہند کے پہلے خود مختار بادشاہ قطب الدین ایبک کے حالات پر ایسی کوئی کتاب موجود نہیں ہے جس میں اس کے مفصل سوانح درج ہوں۔

زیرِ نظر ناول کو اردو زبان میں پہلی کوشش قرار دیا جا سکتا ہے۔ قمر تسکین صاحب کا ساتواں اسلامی تاریخی ناول ہے جو یقیناً ان کے پہلے ناولوں کی طرح پسند کیا جائے گا۔

اختر بیگم

باب ۱

فاتح

سلطان محمد غوری

Pakistanipoint
Waqar

کوہِ ہمالیہ کے دامن میں ایک وادی "تراوڑی" میں واقع موضع ترائین" دو لشکروں کی چھاؤنی ہے۔ ایک طرف لشکرِ اسلام ہے جس میں ایک لاکھ بیس ہزار نفوس شامل ہیں۔ اس میں بادشاہ سلطان شہاب الدین محمد غوری بہ نفسِ نفیس خود بھی شامل ہے۔ دوسری طرف لشکرِ کفار ہے جو تین لاکھ سواروں، تین ہزار سے زیادہ جنگی ہاتھیوں اور لاتعداد و بے قیاس پا پیادہ لشکریوں پر مشتمل ہے۔ کفار کا راجہ پرتھوی راج چوہان بھی بذاتِ خود اپنے لشکر کے ساتھ ہے اور اسے لگ بھگ دو سو دوسرے ہندو راجاؤں اور رئیسوں کی تائید و حمایت بھی حاصل ہے۔

لشکرِ اسلام میں اسّی ہزار پیادہ اور چالیس ہزار سوار ہیں اور یہ تعداد لشکرِ کفار کے مقابلہ میں بہت کم ہے۔ اس کے برعکس لشکرِ کفّار مسلمانوں کے مقابلہ میں کئی گنا زائد بھی ہے۔ پھر وہ مسلمانوں کے طریقِ جنگ کا مشاہدہ بھی کر چکا ہے اور اس میں ترک سپاہی بھی ملازم کی حیثیت سے موجود ہیں۔ علاوہ ازیں چونکہ لشکرِ کفار کو ترائن کی پہلی جنگ میں اس سے پہلے لشکرِ اسلام پر فتح حاصل ہو چکی تھی۔ اس لیے آج ان کے حوصلے بھی بلند ہیں۔

ابھی تک دونوں لشکروں میں بالکل سکون کی حالت تھی اور دونوں لشکروں کے طلایہ کے سواروں کے سوا جو اپنے اپنے پڑاؤ کے گرد و پیش چوکنے ہو کر اپنے فرائض سرانجام

دے رہے تھے۔ دونوں لشکروں میں کوئی حرکت محسوس نہ ہوتی تھی۔

مگر یکایک ایک نوجوان جس کا لباس بتا رہا تھا کہ کوئی معزز افسر ہے۔ لشکرِ اسلام میں سلطان محمد غوری کے خیمے سے برآمد ہوا اسے دیکھ کر سلطان کے خیمہ سے دائیں جانب کھڑے دس سوار اپنے گھوڑے بڑھا کر اس کے قریب پہنچے۔ معزز افسر نے جس کا نام قطب الدین ایبک تھا۔ مختصر سے الفاظ میں ان سواروں سے کچھ کہا جسے سُن کر فوراً سوار اس جگہ سے منتشر ہو کر تیزی سے اِدھر اُدھر چھپٹے۔ ان سواروں کو منتشر ہوئے ابھی دس پندرہ منٹ ہی ہوئے تھے کہ سارے لشکر میں ایک غیر معمولی حرکت پیدا ہوئی۔ ہر سُو ہتھیاروں کی جھنکار بلند ہونے لگی۔ پرچموں کو جنبش ہوئی اور دیکھتے دیکھتے سوار سلطان کے خیمہ کے گرد جمع ہو گئے۔

سلطان شہاب الدین غوری چالیس ہزار بہادر سواروں کے ساتھ پرتھوی راج کے لشکر کی طرف بڑھا۔ قبل ازیں سلطان نے اپنے لشکر اور اپنی لشکر گاہ کو اس طرح ترتیب دیا کہ سارے پیادوں، سواروں، خیموں، شامیانوں اور پرچموں کو میدانِ جنگ سے تین کوس پیچھے چھوڑ کر خود چالیس ہزار سواروں کے ساتھ آگے آ گیا۔ اب سلطان نے اپنے چالیس ہزار سواروں کو چار حصّوں میں تقسیم کر کے حکم دیا کہ دس دس ہزار سوار چار اطراف سے حملہ کریں اور لشکرِ کفار میں ہر سمت سے داخل ہو کر قتل و غارت گری کریں۔ جب لشکر کے لوگ دیکھیں کہ کفار ہاتھیوں اور سواروں کے ساتھ ایک طرف حملہ آور ہوا ہے تو دوسری تین اطراف سے لشکرِ اسلام کے متعینہ دستے کفار پر ایک ساتھ تیروں کی بوچھاڑ کر دیں۔

گھمسان کا رَن پڑا ——— پرتھوی راج کی کمان میں تقریباً دو سو شہزادے اور رئیس بھی مصروفِ پیکار تھے۔ ابتدا میں کفار گھوڑ سوار محمد غوری کے لشکر کی پیش قدمی کو روکنے میں کامیاب رہے۔ طلوعِ آفتاب سے لے کر غروبِ آفتاب تک جنگ جاری رہی۔ سردار قطب الدین کے دستے نے خوب دادِ شجاعت دی۔ محمد غوری کا میدانِ جنگ سے تین کوس پیچھے

چھوڑا ہوا سارا لشکر بھی جنگ میں شریک ہو گیا ——— طرفین کے لشکری گاجر مولی کی طرح کٹ کٹ کر گرتے رہے، لیکن کسی بھی لشکر نے شکست تسلیم کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ آخر میں پرتھوی راج بمشکل لشکرِ اسلام کے قلب کے قریب پہنچ گیا تو محمد غوری نے بارہ ہزار گھوڑ سواروں کی مدد سے لشکرِ کفار پر سان پر کھیل کر یلغار کر دی اور اب لشکرِ کفار میں موت اور تباہی کے بگولے ناچنے لگے۔ سامنے سے قطب الدین ایبک کا دستہ بھی کفار پر ٹوٹ پڑا۔ راجپوتوں میں کھلبلی مچ گئی اور وہ محمد غوری کے اس حملے کی تاب نہ لا سکے۔ ان کی صفیں درہم برہم ہو کر رہ گئیں اور انہیں شکست فاش ہو گئی۔

اس جنگ میں گوبند رائے بھی مارا گیا۔ ترائن کی پہلی جنگ میں محمد غوری نے جب کفار کا پلّہ بھاری دیکھا تھا اور مسلمان فوج کو شکست ہوتی نظر آنے لگی تھی تو اس ہاتھی کی طرف جس پر پرتھوی راج کا بھائی اور دہلی کا حاکم گوبند رائے سوار تھا اور جو میدانِ جنگ میں برابر آگے بڑھتا چلا جا رہا تھا ایڑ لگا کر گھوڑا دوڑایا اور گوبند رائے کے منہ پر ایسا تاک کر نیزہ مارا کہ اس کے وار سے اس ملعون کے دانت ٹوٹ گئے۔ گوبند رائے نے بھی سلطان غوری پر نیزے سے جوابی وار کیا۔ جس کے نتیجہ میں اسکے بازو پر ایک کاری زخم لگا۔ قریب تھا کہ سلطان گھوڑے سے نیچے گر جاتے کہ اتنے میں قریب کھڑا ایک بہادر خلجی پیادہ سپاہی اچک کر اس کے پیچھے گھوڑے پر جا بیٹھا اور اسے آغوش میں لئے گھوڑے کو کفار کے نرغے سے باہر نکال لے جانے میں کامیاب ہو گیا تھا۔ اس واقعہ کے بعد لشکرِ اسلام کو شکست ہو گئی تھی اور سلطان محمد غوری ایک سال بعد دوبارہ پرتھوی راج کے مقابل ہوا تھا۔

ترائن کی اس دوسری جنگ میں پرتھوی راج جنگ کی ابتدا میں ہاتھی پر سوار تھا۔ شکست کے آثار دیکھتے ہی گھوڑے پر سوار ہو کر بھاگ نکلا، لیکن خطۂ سرستی کے قریب لشکرِ اسلام کے سپاہیوں کے ہاتھوں گرفتار ہوا، جنہوں نے اسے موت کے گھاٹ اتار

دیارِ سلطان محمد غوری کی پرتھوی راج چوہان پر فتح ایک عہد آفرین واقعہ کی حیثیت رکھتی ہے۔ یہ فتح ۵۸۸ ہجری بمطابق ۱۱۹۲ء میں حاصل ہوئی تھی۔ اس جنگ میں پرتھوی راج کا بھائی کھانڈے رائے سپہ سالار تھا جو شکست کو غنیمت جان کر بڑی مشکل سے اپنی جان کو ہلاکت سے بچالے جانے میں کامیاب ہوا تھا۔ اور وہ بھی اس خوف و ہراس کی حالت میں بھاگا تھا کہ اس کے گلے میں ڈالا ہوا جنیو بھی ٹوٹ گیا تھا۔ [1]

ترائن کی دوسری جنگ میں عظیم الشان کامیابی حاصل کرنے کے بعد سلطان محمد غوری نے قلعۂ سرستی اور ہانسی کو فتح کیا۔ پرتھوی راج کی راجدھانی اجمیر کو تاخت و تاراج کیا۔ دیارِ شواک کے کفار کو گرفتار کر کے قرار واقعی سزائیں دیں اور اپنے غلام ملک قطب الدین ایبک کو اپنی افواج قاہرہ کے ساتھ قلعہ کہرام میں متعین کر کے خود اپنے دارالحکومت غزنین (غزنی) کی راہ لی۔

---

[1] یہ واقعہ سبحان رائے بٹالوی نے اپنی کتاب "خلاصۃ التواریخ" میں لکھا ہے۔

"خلاصۃ التواریخ"

سبحان رائے بٹالوی

باب ۲

عالی ہمت غلام

قطب الدّین ایبک

قطب الدین ایبک کی ولادت ترکستان میں ترک والدین کے ہاں ہوئی تھی۔ لڑکپن میں اسے ایک سوداگر نیشاپور لے گیا تھا۔ جہاں قاضی القضاۃ امام فخر الدین عبدالعزیز کوفی نے (جو امام اعظم ابوحنیفہ کوفی کی اولاد میں سے تھے) اسے بطورِ غلام کے خرید لیا۔ قاضی نے اپنے بیٹوں کے ساتھ قطب الدین کی مذہبی اور عسکری تعلیم و تربیت کی۔ قطب الدین نے قرآنِ پاک پڑھا اور فنِ تیراندازی سیکھا اور قرآن خوانی اور تیراندازی میں طاق ہو گیا۔ جب قاضی کا انتقال ہو گیا تو اس کے فرزندوں نے اسے ایک سوداگر کے ہاتھ فروخت کر دیا جو اسے غزنی لے گیا جہاں سلطان محمد غوری نے اسے خرید لیا۔

قطب الدین ایبک کو اللہ تعالیٰ نے قابلِ ستائش لیاقت اور لائقِ تعریف شخصیت ارزانی فرمائی تھی۔ اگرچہ وہ حسنِ ظاہری سے محروم تھا۔ اس کی چھوٹی انگلی ٹوٹی ہوئی تھی۔ اس لئے اس کو "ایبک شل" کہتے تھے۔ مگر شجاعت، مردانگی اور سخاوت یہ وہ تین اوصاف تھے۔ جن کی بدولت اس نے اپنے نئے آقا کو اپنا گرویدہ بنا لیا اور اس کے مقام و مرتبہ میں روز افزوں اضافہ ہوتا گیا۔ اس نے خود کو اپنے آقا کا اس قدر وفادار ثابت کیا کہ سلطان محمد غوری نے اپنی فوج کے ایک دستے کی کمان اس کے حوالے کر دی۔ اسے امیر آخور یا گھوڑوں کے اصطبلوں کا نگران بھی مقرر کیا گیا۔ ہندوستانی مہمات کے دوران اُس

نے اپنے آقا کی خاطر اس درجہ قیمتی خدمات سرانجام دیں کہ ۱۱۹۲ء میں ترائن کی دوسری لڑائی میں فتحیاب ہونے کے بعد سلطان محمد غوری نے اسے اپنے ہندوستانی مقبوضات کا والی مقرر کر دیا۔ اس طرح وہ نئے مقبوضات کے نظم ونسق کے معاملہ میں نہ صرف یہ کہ وہ کسی طرح پابند نہ تھا بلکہ انہیں وسعت دینے کا اختیار بھی اُسے حاصل تھا۔

اپنی حیثیت کو مستحکم کرنے کے لئے ایبک نے بعض اہم شخصیتوں کے ساتھ رشتہ داری بھی قائم کر رکھی تھی۔ اس نے تاج الدین یلدوز کی بیٹی سے شادی کی اور اپنی بہن کو ناصر الدین قباچہ کی زوجیت میں دے دیا۔ شمس الدین التمش کو اس نے اپنی فرزندی میں قبول کر لیا اور اپنی بیٹی کی اس سے شادی کر دی۔

سلطان محمد غوری نے ترائن[1] کی دوسری جنگ میں کامیابی کے بعد قطب الدین ایبک کو کہرام کی جاگیر عطا کی تھی۔ لیکن ایبک کی اولوالعزمی نے اسی پر اکتفا نہ کی۔ اس کی جوانمردی اور عالی ہمتی کا یہ عالم تھا کہ اس کی نظر تاج وتخت کے سوا کسی چیز پر نہ جمتی تھی۔

قطب الدین ایبک نے ۵۸۸ھ ہجری میں قلعہ ہرت (میرٹھ) پر حملہ کرنے کا ارادہ کیا تو اسے پتہ چلا کہ اس کے ساتھ سلطان محمد غوری کی وہ افواج بھی ہو گئی جسے وہ اس کے ساتھ قلعہ کہرام میں متعین کر کے خود غزنین لوٹ گیا تھا۔ یہ فوج چونکہ تعداد میں خاصی کم تھی۔ اس لئے قطب الدین ایبک نے اپنی فوج میں اضافہ کے لئے سلطان محمد غوری کی روانگی کے فوراً بعد سپاہیوں کی بھرتی شروع کر دی تھی اور اس سلسلے میں اپنے بچپن کے دوست کمال الدین کو بھرتی کا افسر مقرر کیا۔ چنانچہ کمال نے ایک ماہ کے قلیل عرصہ میں پانچ ہزار سپاہیوں کو بھرتی کر لیا۔ کمال کا طریق بھرتی اس طرح تھا کہ ایک روز وہ بھرتی کے لئے قریبی علاقہ میں گیا تو اس کے ہمراہ کئی فوجی افسر، نقارہ اور نقارچی بھی تھے۔ نقارے پر چوٹ پڑی اور نقارچی نے

---

[1] اسے بعض مؤرخ ترائین، بعض تراوڑی اور بعض تراولی لکھتے ہیں۔

بآواز بلند پکار کر کہا۔

حمد وثناء خدائے بلند وبرتر اور مالک دوجہان وحدہٗ لاشریک کی، ملک ہندوستان بادشاہ سلطان محمد غوری کا حکم بادشاہ کے سپہ سالار اعظم ہندوستان ملک قطب الدین ایبک کا، جسے سُنا رہے ہیں، ان کے سردار کمال الدین سمرقندی ۔۔۔۔۔۔ آؤ ۔۔۔۔۔۔ آؤ ۔۔۔۔۔۔ سُنو اور انعامات واعزازات حاصل کرو۔

اس کے بعد سردار کمال الدین نے ایک قدرے بلند جگہ کھڑے ہو کر کہا: "سلطان محمد غوری نہایت خداترس، عادل اور فیاض بادشاہ ہیں۔ غلاموں پر اس عادل بادشاہ کی شفقت ضرب المثل ہے" ——— سلطان کے یہ الفاظ ہیں کہ بادشاہوں کے چند بیٹے ہوا کرتے ہیں مگر خدا نے مجھے بیسیوں بیٹے دیئے ہیں۔ یہی میرے بعد سلطنت کے وارث ہوں گے اور میرا نام روشن کریں گے۔ عادل بادشاہ نے یہ الفاظ اپنے غلاموں کے لئے کہے ہیں۔ ان غلاموں کے بارے میں جن میں ملک قطب الدین ایبک اور شمس الدین التمش اور دوسرے شامل ہیں، بادشاہ نے اپنے غلام بیٹوں میں سے ایک بیٹے قطب الدین کو اپنے ہندوستانی مقبوضات کا والی مقرر کر رکھا ہے ——— اسی والی کی فوج میں بھرتی ہو کر اپنی ترقی کی منازل طے کیجئے ——— آئیے ۔۔۔۔۔۔ آئیے ۔۔۔۔۔۔ نئی بھرتی جاری ہے ۔۔۔۔۔۔ بھرتی ہونے میں دوسروں پر سبقت حاصل کریں اور انعامات واعزازات حاصل کرنے میں بھی دوسروں سے آگے رہیں۔

کمال الدین کہرام کے مواضعات میں ایک قصبہ میں اپنی تقاریر سے لوگوں کو فوج میں بھرتی کرنے میں مصروف تھا، تو بھرتی کے شائق مجمع سے چند قدم دُور دو ہندو آپس میں گفتگو کر رہے تھے:۔

"اس حقیقت کے پیش نظر کہ ہم راجپوت تلوار کے دھنی ہیں" ——— ایک ہندو نے دوسرے سے کہا ——— "یہ بات ذرا عجیب سی معلوم ہوتی ہے کہ ہم مسلمانوں

کے ہاتھوں پٹ گئے ہیں"۔

"مسلمانوں کی فتح اور ہم ہندوؤں کی شکست کی بڑی وجہ ہمارے ملک میں کسی سیاسی وحدت کی عدم موجودگی ہے"۔ ــــــ دوسرے ہندو نے جواب دیا ــــــ "ہمارے ملک میں اس وقت کوئی ایسی برتر سیاسی قوت موجود نہیں ہے جو مسلمانوں سے نبرد آزما ہو سکے۔ ہمارا ملک مختلف چھوٹی چھوٹی ریاستوں سے عبارت ہے۔ ملک کے مختلف حصّوں پر مختلف راجے حکومت کرتے ہیں اور ان راجپوت راجاؤں کے مابین حسد اور باہمی رقابت کی دیواریں کھڑی ہیں۔ گو ہم اچھے فوجی ہیں۔ لیکن ہمارے ہاں خاندانی تعصب کچھ زیادہ ہی کارفرما ہے۔ ہمارے راجپوت لشکری بس اپنے علاقائی سردار کے مطیع ہوتے ہیں اور دوسرے راجپوت سپاہیوں سے جو کسی دوسرے راجپوت سردار کی کمان میں ہوں لڑنے پر آمادہ ہو جاتے ہیں اور اس طرح وہ اپنی توانائیوں کا ناس مارتے رہتے ہیں۔ ہم لوگ کسی قومی شعور سے بہرہ ور نہیں ہوتے۔ ہمارے راجپوت حکمران اور شہزادے اس قابلیت بلکہ صلاحیت سے محروم ہیں کہ پورے ملک کو سامنے رکھ کر سوچ سکیں اور ملک کے بالاتر مفاد کو سامنے رکھ کر اپنے اختلافات کو ختم کریں اور مسلمان حملہ آوروں کے سامنے ایک متحدہ محاذ بنا کر آئیں۔ نتیجہ میں ہمیں یکے بعد دیگرے شکست ہوتی چلی جا رہی ہے اور ہماری ساری بہادری دھرے کی دھری رہ جاتی ہے"۔

"تم نے تقریر تو بڑی لمبی کی ہے" ــــــ پہلے ہندو نے کہا "لیکن مجھے تمہاری ساری باتوں سے اختلاف ہے۔ مجھے تمہاری سیاسی وحدت سے محرومی کی دلیل ماننے میں اس لئے تامل ہے کہ آج ہم راجپوت ہندوستان کے ایک وسیع علاقہ پر حکمران ہیں۔ ہماری اکثریت ابتدا سے جے پال، انند پال اور جے پال ثانی کی قیادت میں متحد ہو کر پہلے سلطان محمود غزنوی اور اب پرتھوی راج چوہان کی قیادت میں متحد ہو کر سلطان محمد غوری کے خلاف صف آرا ہوئی ہے اور پہلے کی طرح اس بار بھی ہم نے منہ کی کھائی ہے"۔

"مسلمان سرد ممالک سے آتے ہیں اور گوشت خور ہوتے ہیں" ــــــ دوسرے ہندو نے کہا ــــــ "اس لئے ہمارے سبزی خور سپاہیوں کے مقابلہ میں بہتر سپاہی ہوتے ہیں۔ پھر ہماری عسکری تنظیم ناقص ہے۔ ہمارے سپاہی اچھی تنظیم اور اچھے اسلحہ سے محروم ہوتے ہیں۔ ہم ہاتھیوں پر بھی ضرورت سے زیادہ ہی اعتماد کرتے ہیں اور یہ "کوہ نما ہاتھی" مسلمانوں کے متحرک گھوڑوں کے سامنے نہیں ٹھہر سکتے۔ ہم میدانِ جنگ کو کھیل کا میدان سمجھتے ہیں اور قاعدۂ قانون کی پابندی کرتے ہیں جبکہ مسلمان ایسا نہیں کرتے ــــــ مسلمانوں کی فتوحات کا ایک اور سبب ان کا غلاموں کا نظام ہے۔ یہ غلام جنگوں میں اپنے آقاؤں کی پوری خدمت کرتے ہیں۔ پھر ہم راجپوت ایک ہی لڑائی میں سب کچھ داؤ پر لگا دیتے ہیں اور چھوٹی اور بڑی جنگ میں تمیز نہیں کرتے۔ ہندو راجاؤں کی فاش غلطیوں کی بدولت بھی مسلمانوں کو فتوحات نصیب ہوئیں۔ ہندو راجاؤں کو زندہ جل مرنے کے بجائے دشمنوں کا مقابلہ کرنا چاہیئے تھا اور انہیں شکست دینی چاہیئے تھی۔ پھر راجاؤں کو ایک معمولی لشکری کی طرح جا کر لڑائی نہیں لڑنی چاہیئے تھی۔ ایک جرنیل کی طرح میدانِ جنگ کے نقشہ کو پیشِ نظر رکھ کر ہدایات دینا چاہیئے تھیں اور دشمن کی فوج کا نشانہ نہیں بننا چاہیئے تھا۔ راجہ دشمن کا نشانہ بننے کے سبب جنگ ہار جاتے ہیں"۔

"ہماری عسکری تنظیم کے ناقص ہونے کی دلیل درست نہیں ہے" ــــــ پہلے ہندو نے جواب میں کہا ــــــ "کیونکہ کئی ہندو راجاؤں نے اپنی فوج میں ترک سپاہی ملازم رکھے ہوئے ہیں۔ اگر ہم مسلمانوں کو ملازم تک رکھ سکتے ہیں تو ہم نے طریقِ جنگ کو بھی مزید ترقی دی ہے۔ یہ دلیل بھی غلط ہے کہ ہم لڑائی کو کھیل کا میدان سمجھ کر قاعدۂ قانون کے پابند ہوتے ہیں مگر مسلمان نہیں ہوتے۔ ہم اپنے قاعدۂ قانون کی پابندی کی ایک بھی مثال نہیں دے سکتے۔ کیونکہ ہم نے ہمیشہ خلافِ قاعدہ و قانون کارروائیاں کی ہیں۔ چھوٹی بڑی جنگوں میں تمیز روا نہ رکھنے والی دلیل بھی غلط ہے جبکہ حقیقت اس کے برعکس ہے ہم نے مسلمانوں

کے خلاف آج تک جتنی لڑائیاں لڑی ہیں، انہیں معمولی کہنا حقائق کا منہ چڑانے کے مترادف ہے۔ یہ بڑی جنگیں تھیں اور ان میں شکست کھانے کے بعد ہم ہندو پوری قوت سے اٹھے تھے اور زیادہ لشکر اور ساز و سامان کے ساتھ جنگ کرتے تھے۔ چتا میں جل مرنے سے راجاؤں کو قومی شہید کا درجہ حاصل ہو جاتا ہے اور انتقامی جنگ کا جو شعلہ وہ فروزاں کرتے ہیں اسے روشن رکھنے کے لیے پورا ہندوستان ان کی تائید میں کمربستہ ہو جاتا ہے۔ اگر ہندو راجہ فوج کے درمیان سپاہی کی طرح لڑتے ہیں تو مسلمان سلاطین بھی لشکر کی کمان اپنے ہاتھ میں رکھتے ہیں۔ سلطان محمد غوری ترائن کی پہلی لڑائی میں موت کے منہ سے ہو کر بچا تھا اور پھر یہ بھی ہمارے زمانے کا دستور رہے کہ سپہ سالار مغلوب ہوتا ہے تو فوج بھی بھاگ نکلتی ہے اور یہ دستور ہندوؤں کے ہاں بھی ہے اور مسلمانوں کے ہاں بھی۔"

یہ سُن کر دوسرا ہندو نوجوان لاجواب ہو گیا اور خاموشی سے کمال کا اعلان سُننے لگا۔

سردار کمال الدین سمرقندی کی کوششوں سے جلد ہی ملک قطب الدین ایبک کی فوج میں ہزاروں لوگ بھرتی ہو گئے۔

باب ۲

میرٹھ پر حملہ

سلطان معزالدین محمد بن سام غوری المعروف سلطان محمد غوری نے ہندوستان فتح کر لیا اور ترائین کی دوسری جنگ میں پرتھوی راج چوہان کو قتل کر کے راجپوتوں کی طاقت کو ملیامیٹ کر دیا تو اپنے غلام ملک قطب الدین ایبک المعزی کو کہرام کی جاگیر عطا کی۔ کہرام دہلی سے تقریباً ایک سو پچیس میل کے فاصلے پر ریاست پٹیالہ میں واقع ہے۔ قطب الدین ایبک نے دوسرے علاقوں کو فتح کرنے کا عزم کیا۔ اس مقصد کے لئے اس نے مزید نئے لشکری بھی بھرتی کئے اور اپنی فوج میں پانچ ہزار نفری کا اضافہ کر لیا۔ ان پانچ ہزار سپاہیوں میں زیادہ تعداد افغانستان اور دوسرے اسلامی ملکوں سے آمدہ مسلمانوں کی تھی جو محض اسلامی فوج میں بھرتی کے ارادہ سے ہندوستان آئے تھے۔

سلطان محمد غوری کی خواہش تھی کہ ہندوستان میں قطب الدین ایبک حکومت کرے۔ اسی وجہ سے سلطان نے ہندوستان میں رسمی طور پر قطب الدین کو اپنا وائسرائے مقرر کیا تھا اور اسے ملک کا خطاب بھی دیا تھا۔ اب قطب الدین ایبک نے سلطان کی اس خواہش کو پورا کرنے کے لئے جو اقدامات کئے ان میں سرفہرست ان علاقوں کے باغیوں کی سرکوبی تھی جو پرتھوی راج اور اس کے بھائی گوبند رائے کے اعزہ و اقارب کے قبضہ میں تھے۔ یہ علاقے میرٹھ اور دہلی تھے۔

قطب الدین ایبک کی فوج نے قلعہ میرٹھ کے سامنے اپنے مورچے قائم کر رکھے تھے۔ قلعہ میں ایک عجیب ہلچل مچی ہوئی تھی۔ قلعہ میں چالیس ہزار سے زائد فوج میں سے ایک بھی ہندو سپاہی ایسا نہ تھا جو سخت تشویش میں مبتلا نہ ہو، انکر کفار مسلح ہو کر قلعہ کی حفاظت پر تُلا ہوا تھا۔ قلعہ کے دروازے بند کر دیئے گئے تھے۔ فصیلوں اور برجوں پر کمان داروں کی صفیں ترتیب سے ایستادہ تھیں۔ گوبند رائے کا بیٹا ہرچند رائے اور اس کے بھائی آخر دم تک قلعہ کی حفاظت کا عزم کئے ہوئے تھے اور مسلمانوں سے اپنی سابقہ شکستوں کا انتقام لینے پر آمادہ تھے۔ ہرچند رائے نے اپنی فوج کے افسروں کو قلعے کی حفاظت اور اطراف سے سامان رسد جمع کرنے کی ہدایت کی تھی اور سب کو کام تقسیم کر دیئے تھے۔ اس لئے لشکرِ کفار کا ہر افسر بڑی سرگرمی سے اپنے فرائض سرانجام دینے میں مصروف تھا۔

قطب الدین ایبک کو قلعہ میرٹھ کے سامنے مورچے قائم کئے دو روز گزر چکے تھے اور تیسرے دن کا سورج ابھی طلوع نہیں ہوا تھا کہ سالارِ لشکر قطب الدین ایبک کے حکم سے اس کے سردار کمال الدین سمرقندی نے اپنی فوج کے سارے دستوں کے سرداروں کو حملہ کرنے کے احکامات پہنچا دیئے۔ قلعہ میرٹھ کے سامنے کا سارا میدان قطب الدین ایبک کی فوج کے سواروں اور پیادوں سے بھر گیا۔

۵۸۸ ہجری کے ایک روشن دن قطب الدین ایبک پوری طرح مسلح ہو کر اپنے خیمہ سے برآمد ہوا اور نصر من اللہ و فتح قریب کہہ کر گھوڑے پر سوار ہوا اور بڑے جاہ و جلال سے میدان کے ایک سرے سے دوسرے سرے کا چکر لگا کر میدان کے وسط میں جا رُکا۔ اس وقت ایک ہزار ایسے چیدہ اور منتخب سواران فوج بھی ایبک کی رکاب میں تھے۔ جن میں سے ہر ایک ذاتی شجاعت اور فنِ جنگ میں یکتا شمار کیا جاتا تھا۔ ایبک سے دو قدم پیچھے اس کا بہادر سردار کمال الدین سمرقندی کھڑا تھا۔

ایبک نے باآواز بلند اپنے لشکر سے مخاطب ہو کر کہا:۔

"مجھے اپنی جسمانی، فوجی اور مالی قوت پر اعتماد نہیں ہے بلکہ میں اُس نصرتِ الٰہی پر پورا بھروسہ رکھتا ہوں جو ہمیشہ اہلِ اسلام کے ساتھ رہی ہے۔ مجھے اچھی طرح علم ہے کہ حق کبھی مغلوب نہیں ہوتا اس لئے میرا دل قوی ہے۔ بے شک میں اپنے ارادے میں کامیاب ہوں گا اور ناپاک مشرکوں سے ان مقتول مسلمانوں کے خون کا کما حقہٗ انتقام لوں گا۔ الحمد للہ کہ ملک و مال کی طمع نے مجھے برانگیختہ نہیں کیا بلکہ میری خالص نیت یہ ہے کہ ستم رسیدہ مسلمانوں کی حمایت کروں اور ان کافروں کو قرار واقعی سزا دوں جو ترائن (تراوڑی) کی دوسری جنگ میں شکستِ فاش کھانے کے بعد اپنی مقبوضہ میں آباد پُرامن مسلمان شہریوں کو بلا دریغ موت کے گھاٹ اتارنے میں مصروف ہیں اور اپنے علاقہ میں آنے والے مسلمان سوداگروں کو بلا وجہ گرفتار کر کے جیل میں ڈال دیتے ہیں اور ان کے مال و اسباب پر قابض ہو جاتے ہیں۔"

"خداوند کریم کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اس وقت میں ہزاروں مسلمانوں کو اپنے بھائیوں کی مدد کے لئے آمادہ اور دلی جوش و خروش کے ساتھ مستعد دیکھ رہا ہوں۔ ہم سب کے دل یکساں اخوتِ اسلامی کے جوش سے بھرے ہوئے ہیں اور سب کا ایک ہی مدعا اور مقصد ہے، یعنی مجبور و بے کس مسلمانوں کا انتقام لینا۔ میں خلوصِ دل سے یہ کہہ رہا ہوں کہ اگر خدانخواستہ اس وقت میرا لشکر بھی میرے ہمراہ نہ ہوتا تو بھی میرے ارادوں میں خلل واقع نہ ہوتا اور میرا دلی جوش مجھے تنہا کفار کی صفوں کے سامنے لے جا کر کھڑا کر دیتا، اور گو اس کا انجام اور نتیجہ کچھ ہی ہوتا مگر یہ ضرور ثابت ہو جاتا کہ ایک مسلمان اسلام اور اہلِ اسلام کے لئے اپنی جان تک کی بازی لگانے سے بھی دریغ نہیں کرتا۔"

"جس روز سے میں نے میرٹھ اور دہلی کے مسلمانوں کی تباہی کا حال سُنا ہے۔ میں یہ بتانے سے قاصر ہوں کہ اس دن سے میری حالت کیا ہے۔ مجھ پر ایک ایک

گھڑی ایک ایک برس کی طویل مدّت کی صورت میں گراں گزر رہی ہے۔ میری خواہش ہے کہ جس قدر جلد ممکن ہو اپنے مسلمان بھائیوں کو کفار کی غلامی سے نجات دلاؤں۔"

"خدا کے فضل و کرم سے اس وقت نو ہزار سرفروش اس میدان میں جمع ہیں۔" سردار کمال الدین سمرقندی نے کہا ——— "ہنوز ہر طرف سے مسلسل تھوڑے تھوڑے لشکری آ رہے ہیں۔ تمام ضروری سامانِ جنگ بھی فراہم ہو چکا ہے۔ آپ نے جس روز سے حکم دیا تھا ہم غائر زادوں نے اس وقت سے دن کو دن اور رات کو رات نہیں سمجھا اور جس قدر سامانِ جنگ اور فوج اس تھوڑے سے عرصہ میں مسلسل کوششوں سے جمع ہو سکتی تھی، اکٹھی کر لی گئی ہے۔ اب ہم کسی کے منتظر نہیں ہیں۔ بس اب آپ کا حکم ہو تو فوج آگے بڑھے۔"

"الحمد للہ کہ میرے وفادار اور بہادر سردارانِ لشکر نے مجھے میری امید سے زیادہ خوش و خرم کیا ہے۔" قطب الدین ایبک نے کہا۔ "مجھے قطعاً یقین نہ تھا کہ اس قدر عجلت سے اس قدر فوج اور اس قدر کافی سامانِ جنگ فراہم ہو سکے گا۔ کیوں کمال الدین تم کیا مشورہ دیتے ہو۔ اب ہم اپنی فوج کو کس ترتیب سے اور کس سمت سے بڑھائیں کہ جلد سے جلد قلعہ فتح کر سکیں۔ مناسب ہے کہ اس وقت ہم سب آپس میں مشورہ کر کے کوئی فیصلہ کر لیں۔"

"محترم سپہ سالار کی خدمت میں عرض ہے۔" سردار کمال نے کہا۔ "کہ آج علی الصبح ہم سب خادموں نے باتفاق یہ رائے قائم کی ہے کہ اگر آپ منظور فرمائیں تو کل فوج کو تین مساوی حصّوں میں تقسیم کیا جائے اور تینوں حصّے ایک ساتھ قلعہ کی تین اطراف سے قلعہ پر حملہ بول دیں۔ انشاء اللہ العزیز فتح و نصرت آپ کے ہمرکاب ہو گی اور دشمن کفار سورج غروب ہونے سے پہلے ذلیل و خوار ہو کر رہ جائے گا۔"

"مجھے اپنے سرداروں کی رائے سے اتفاق ہے۔" ایبک نے کہا۔ "اسی کے مطابق

عمل کیا جائے گا۔ لیکن میں مناسب سمجھتا ہوں کہ حملہ کرنے سے قبل حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک سنتِ مبارکہ پر عمل کیا جائے اور مصالحت کی کوئی ایک آخری کوشش کر لی جائے۔ اس مقصد کے لئے مجھے ایک بہادر اور عقلمند پیامبر کو قلعہ میں بھیجنا ہو گا اور میں سمجھتا ہوں کہ اس خدمت کے لئے سردار کمال الدین سمرقندی سے مناسب جوان پوری فوج میں موجود نہیں ہے۔"

"حضور نے اس غلام کی جو عزت افزائی کی ہے، اس کا شکریہ۔" سردار کمال نے کہا ——— "میں ابھی لشکرِ کفّار میں چلا جاتا ہوں۔ غلام کو پیغام سپہ نواز جائے۔"

"قلعہ میں لشکرِ کفار کے سپہ سالار سے ملو۔" ایبک نے کہا ——— "اور اس کے سامنے تین شرطیں رکھو:۔

۱۔ وہ اسلام قبول کر کے ہمارا بھائی بن جائے۔ اسے وہ سب حق حقوق حاصل ہوں گے جو ایک مسلمان کو حاصل ہوتے ہیں اور اُسے قلعہ کے والی کی حیثیت سے بھی برقرار رکھا جائے۔

۲۔ اگر اُسے یہ شرط قبول نہ ہو تو وہ ہمارے ایک ماتحت کی حیثیت سے قلعہ پر اپنا قبضہ بحال رکھے اور ہمیں ہر سال مقررہ خراج ادا کرتا رہے۔

۳۔ اگر اُسے یہ شرط بھی قبول نہ ہو تو تیسری صورت یہی باقی رہ جاتی ہے کہ ہماری ملاقات میدانِ جنگ میں ہو گی اور اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم اور نصرت و حمایت سے ہم اُس پر اپنی حاکمیت کا حق ثابت کر دیں گے۔"

یہ کہہ کر قطب الدین ایبک نے سردار کمال الدین سمرقندی کو روانگی کی اجازت دے دی تو کمال الدین اپنے گھوڑے پر سوار اُسے سرپٹ دوڑاتا ہوا قلعہ کے آہنی دروازے پر پہنچ گیا۔ لشکرِ کفار نے اسے تنہا آتے دیکھ کر خیال کیا کہ پیامبر ہے اور

کوئی پیغام لایا ہے۔ اس لئے کسی نے اس پر حملے کرنے کا قصد نہیں کیا۔ کمال الدین نے بآواز بلند کہا کہ وہ لشکرِ اسلام کے سپہ سالار کا قاصد ہے اور لشکرِ کفّار کے سپہ سالار کے لئے ایک پیغام لایا ہے۔ تھوڑی دیر کے بعد قلعہ کے دروازہ کی ایک کھڑکی کھلی اور کمال الدین اُس کے اندر داخل ہوگیا۔ اگلے لمحہ دس سواروں نے اُسے اپنے سپہ سالار کے سامنے پیش کر دیا۔ کمال الدین نے لشکرِ کفار کے سپہ سالار کے سامنے پہلی شرط پیش کی جو مسترد کر دی گئی، دوسری شرط کو بھی منظور نہ کیا گیا۔ اسی طرح کفار نے صلح کی پیشکش ٹھکرا دی۔ کمال الدین کفار کا یہ صاف جواب سُن کر رخصت ہوا اور قلعے سے باہر نکل کر اپنی لشکرگاہ کی طرف روانہ ہوا ——— یکایک قلعہ کے اوپر سے کمال الدین پر تیروں کی بوچھاڑ ہوئی اور کئی تیر کمال الدین کے شانوں میں پیوست ہوگئے ———

کمال الدین نے اپنے گھوڑے کو نہایت تیز دوڑاتے ہوئے خود کو اپنی لشکرگاہ میں پہنچا دیا۔ اس نے پہلے تو قطب الدین ایبک کو سارا واقعہ سنایا، پھر اپنے شانوں سے تیروں کو کھینچ کھینچ کر پھینک دیا ——— فوراً ہی ایبک کے خاص حکیم کو طلب کیا گیا۔ جس نے کمال الدین کے زخموں کی مرہم پٹی کر دی۔

اس کے ذرا بعد قطب الدین ایبک نے اپنے لشکریوں کو چھبیس چھبیس سو نفری کی صورت میں تین مساوی حصّوں میں تقسیم کیا۔ ایک حصّے کا سردار کمال الدین سمرقندی مقرر ہوا اور دوسرے دو حصوں کی کمان ایبک نے اپنے دو وفادار ساتھیوں محمد غوث اور ظہیر الدین کے سپرد کی ——— پھر یکبارگی تینوں سرداروں نے قلعہ کی تین اطراف سے حملہ کر دیا ——— ایبک نے اپنی فوج کے بارہ سو چیدہ چیدہ بہادر سپاہی الگ کر کے اپنے ساتھ رکھ لئے تھے۔ اس طرح قطب الدین ایبک کے پاس بارہ سو سپاہیوں کی محفوظ فوج تھی جو قطب الدین ایبک کے ساتھ اپنے مورچوں ہی میں ڈٹی ہوئی تھی۔

کمال الدین سمرقندی کی زیرِ کمان حصہ فوج نے قلعہ کی ایک طرف ایک بلند مقام پر

منجنیقیں لگا کر پتھر کے گولے قلعہ میں پھینکنے شروع کر دیئے۔ محمد غوث کے حصّہ فوج نے جگہ جگہ سُرنگیں لگانی شروع کر دیں تاکہ ان میں بارود بھر کر قلعہ کی دیواروں کو اڑایا جا سکے۔ ظہیر الدین کی کمان کے لشکریوں کے پاس لمبی لمبی سیڑھیاں تھیں جو بیس بیس لشکریوں کو اٹھا کر قلعہ کی دیواروں تک پہنچاتی تھیں۔

قلعہ میرٹھ کا والی ہرچند رائے اپنے وزرا و امراء کے ساتھ قلعہ کے ایک بلند مقام پر کھڑا لشکرِ اسلام کو قلعہ کی تین اطراف سے قلعہ کی سمت بڑھتا دیکھ رہا تھا۔ اس کے حکم سے راجپوت تیراندازوں نے تینوں اطراف میں بڑھتے ہوئے لشکرِ اسلام پر تیروں کی بوچھاڑ شروع کر دی۔ ہزاروں تیر ایک ساتھ کمانوں سے نکلتے تھے اور کہیں کہیں مسلمان لشکری ان کا نشانہ بھی بن جاتے تھے۔ لیکن لشکرِ اسلام کے بڑھتے ہوئے قدم کہیں نہ رُکتے تھے۔ تیروں کا نشانہ بن بن کر گرنے کے باوجود مسلمان مجاہد قلعہ کی دیواروں کے قریب پہنچ گئے۔ سُرنگیں لگانے والوں نے بھی اپنا کام مکمل کر کے ان میں بارود بھر دیا ——— پھر بارود کو آگ دکھائی گئی تو قلعہ کے ایک حصّہ کی دیواریں اڑ گئیں۔ اس دوران سردار ظہیر الدین کے لشکریوں نے لمبی لمبی سیڑھیاں قلعہ کی دیواروں سے لگا کر ان پر چڑھنا شروع کر دیا تھا اور سینکڑوں لشکری قلعہ پر پہنچ کر راجپوتوں سے جنگ کرنے میں مصروف ہو گئے تھے۔ قلعہ کے ایک حصہ کی دیواریں اڑ گئیں تو سردار کمال الدین سمرقندی کی فوج ان ٹوٹی پھوٹی دیواروں سے گزر کر قلعہ میں پہنچ گئی اور بعض بہادر لشکریوں نے قلعہ کے دروازے کے محافظوں کو اپنی تلواروں پر رکھ لیا اور جلد ہی محافظوں کو جہنّم رسید کر کے قلعہ کا دروازہ بھی کھول دیا۔

قلعہ میں لشکرِ اسلام سے چار گنا زائد راجپوت فوج تھی، جو بڑی بے جگری سے مسلمانوں کا مقابلہ کر رہی تھی۔ لیکن قطب الدین ایبک کے لشکری اس ہمّت اور جوانمردی سے لڑے کہ دوپہر تک غنیم کے قدم اکھڑنے لگے۔ قطب الدین ایبک نے

اپنے مورچوں سے اس صورتِ احوال کا جائزہ لیا اور پھر وہ خود اپنے بارہ سو محفوظ لشکریوں کو لے کر بجلی کی طرح راجپوتوں پر گرا اور ان کے جم کر لڑتے ہوئے مختلف گروہوں کو تتّر بتّر کرنے میں کامیاب ہو گیا ــــــــ اَن گنت راجپوت موت کے گھاٹ اتار دیئے گئے۔

شہر میرٹھ میں ایک ہلچل مچی ہوئی تھی۔ بعض بوڑھے آدمی لوگوں کو پکار پکار کر کہہ رہے تھے ــــــــ "مسلمانوں نے قلعہ فتح کر لیا ہے۔ اب مال و اسباب ساتھ لینے کا موقع نہیں ہے، جس سے ہو سکے اپنی جان کی خیر منائے اور بھاگ جائے" ــــــــ یہ پکار سنتے ہی ایک ہلچل مچ گئی جو جس طرح بیٹھا تھا اُٹھ کھڑا ہوا۔ مائیں بچّوں کے ہاتھ پکڑ کر گھروں سے نکل پڑیں۔ ہر شخص گھر بار چھوڑ کر چل نکلا۔ چونکہ فتح مسلمانوں کی غارت گری اور خون ریزی کی اَن گنت جھوٹی داستانیں زبان زدِ خاص و عام تھیں۔ اس لئے باشندگانِ میرٹھ سے جس قدر جلد ہو سکا۔ وہ اپنے آباد گھروں کو ویرانی کے حوالے کر کے نکل کھڑے ہوئے اور سب دہلی کی جانب بھاگے۔

شکست کے بعد راجپوت سپاہی بھی مختلف ٹولیوں اور گروپوں کی شکل میں دہلی کی طرف بھاگ رہے تھے اور قطب الدین ایبک کا لشکر ان کا تعاقب کر رہا تھا اور بھاگتے ہوئے راجپوتوں کو قتل کرتا جا رہا تھا۔ قطب الدین ایبک بھی مفروروں کے تعاقب میں تھا اور سردار کمال الدین سمرقندی بھی اپنے دستہ کے ہمراہ مفرورین کے تعاقب میں مصروف تھا کہ اس نے ایک مختصر جماعت کو دیکھا جو یک لخت رک کر اپنے تعاقب کنندگان سے برسرِ پیکار ہو گئی۔ اس مختصر جماعت میں سے ایک سوار کے سوا جو اپنی جگہ پر قائم رہا، سب کے سب راجپوت سپاہی دیوانوں کی طرح برچھے تانے ہوئے مسلمانوں پر لپکے۔

کمال الدین نے یہ دیکھ کر بڑے شجاعانہ لہجے سے اپنے ساتھیوں کو للکارا اور

کہا ــــــــ "کوشش کرو کہ ان کافروں میں سے بعض کو زندہ گرفتار کر لیا جائے" ــــــــ یہ سنتے ہی مسلمانوں کے ہاتھوں میں کمانیں کڑکیں اور تیروں کی بوچھاڑ ہونے لگی۔ راجپوتوں کو ابھی حملہ کرنے کا موقع نہ ملا تھا کہ خارہ شگاف تیروں نے ان کے دل و جگر میں گھر کر لیا۔ سواروں کے ہاتھ سے نیزے اور گھوڑوں کی پشت سے سوار گرنا شروع ہوئے اور جلد ہی یہ لڑائی اپنے اختتام تک پہنچ گئی۔

ــــــــ ☆ ــــــــ

باب ۴

راجکماری رتن بائی کی گرفتاری

اس وقت سردار کمال الدین سمرقندی نے بڑی پھرتی سے آگے بڑھ کر ایک گھوڑے کی باگ پکڑ لی اور اس کے اشارے سے باقیماندہ گھوڑوں کو بھی مسلمانوں نے اپنے قبضے میں کر لیا۔ اس کارروائی میں سب کے بعد جو سوار چکرا کر گھوڑے سے گرا اس کے منہ سے جو درد انگیز الفاظ نکلے وہ یہ تھے :۔

"آہ ، آہ ! راجکماری رتن بائی ، اب بھگوان ہی تیری مدد کرے گا۔ کاش ! تو بھی اپنی فطری بہادری اور جرأت کے ساتھ ہمارے ساتھ آگے بڑھ کر ان دشمنوں سے مقابلہ کرتی اور اپنی معصوم روح ان جگر دوز تیروں کی نذر کر کے خود کو اور اپنی برتر و اعلیٰ قوم کو غلامی کی ذلت سے بچا لیتی افسوس ! تیری قسمت میں ملیچھ مسلمانوں کی کنیز بن کر خواری لکھی ہوئی تھی اور قسمت کے لکھے کو کون مٹا سکتا ہے"

یہ الفاظ قطب الدین ایبک نے بھی سنے اور جب سردار کمال الدین سمرقندی نے بھی اپنے قریب سے ان واضح الفاظ کو اچھی طرح سنا تو وہ یکبارگی چونک کر چاروں طرف دیکھنے لگا۔ اس نے دیکھا کہ مغربی سمت ایک سوار برق رفتاری سے باگ اٹھائے اپنے گھوڑے کو بھگاتا چلا جا رہا ہے ——— یہ دیکھ کر کمال الدین فوراً ہی

رکاب پر پاؤں رکھ کر گھوڑے کی پشت پر چھلانگ لگا کر سوار ہوا اور ننگی شمشیر ہاتھ میں لئے بے تحاشا اس سوار کے تعاقب میں چلا۔ اگلے چند منٹ بعد کمال الدین نے اس سوار کو جا لیا۔ اس نے دیکھا کہ اس سوار کے شانوں پر سیاہ ریشمین گیسو بکھرے ہوئے ہیں اور وہ یہ دیکھ کر عجب شش و پنج میں پڑ گیا۔ اس کے ذہن میں کئی سوال ابھرے ، یہ مرد ہے یا عورت ؟ اگر وہ حیرت کے عالم میں کھو نہ جاتا تو اس سوار کی خیر نہ تھی ، کمال الدین کے ہاتھ میں ننگی شمشیر بلند ہو چکی تھی اور اس نے سوار کے برابر پہنچ کر اس کے ہاتھ سے باگ کھینچ کر کہا :۔

"راجکماری رتن بائی اب بس رک جاؤ"

اس موقع پر کمال الدین نے اپنی فہم و فراست سے کام لیا تھا۔ کیونکہ اس مجروح سوار نے جس کی خیر و عافیت کے بارے میں اظہار تشویش کیا تھا۔ وہ یہی لڑکی تھی اور اسی کا نام راجکماری رتن بائی تھا۔ باگ کھینچنے کے ساتھ ہی گھوڑا رک گیا تھا اور اس انتہائی حسین و جمیل لڑکی نے ٹھنڈی آہ بھر کر حسرت و یاس بھری نظروں سے ایک بار آسمان کی طرف دیکھا اور اپنی شرمگین آنکھیں جھکا لیں۔ اس کے گلابی رخساروں پر جو پھول کی مانند شاداب تھے ، یک لخت زردی چھا گئی۔ اس کی سرمہ آلود آنکھوں سے مسلسل آنسو بہہ رہے تھے۔ کمال الدین نے ایک بار غور سے اس کے چہرے کو دیکھا اور خدا جانے کس خیال نے اسے اس پر مجبور کیا کہ وہ اس لڑکی کی تسلی و تشفی کے لیے چند الفاظ کہے۔ وہ بولا :۔

"سنو راجکماری رتن بائی تمہیں اس قدر پریشان اور بدحواس ہونے کی ضرورت نہیں۔ سردست یہ مصلحت کے خلاف ہے کہ تمہیں تمہارے حال پر چھوڑ دیا جائے اور ہم تمہاری راہ نہ روکیں ، لیکن میں خلوص دل سے تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ تم ہماری نگرانی میں خاطر خواہ آزادانہ زندگی

بسر کرو گی اور ہر قسم کے ظلم و ستم سے محفوظ رہو گی۔ تم مسلمانوں کے متعلق ظلم و ستم کی ان گنت جھوٹی کہانیاں سُنتی رہی ہو اور تمہیں شاید اپنے بارے میں بھی اُسی قسم کے ظلم و ستم میں گرفتار ہونے کا احتمال ہو گا۔ مگر تم نے مسلمانوں کے بارے میں جو کچھ سُنا ہے سو فیصد غلط ہے مسلمان اپنے فوجی قیدیوں کے ساتھ ہرگز بُرا برتاؤ نہیں کرتے۔ آؤ۔ میں اپنے سپہ سالار سے بھی اگرچہ اس کی ضرورت نہیں ہے، محض تمہارے اطمینان کے لئے تمہاری سفارش کر دیتا ہوں۔"

ابھی سردار کمال الدین سمرقندی نے اپنی بات مکمل نہ کی تھی کہ قطب الدین ایبک مع اپنے ہمراہیوں کے وہاں پہنچ گیا۔ کمال الدین نے راجکماری رتن بائی کے گھوڑے کی باگ چھوڑ دی اور ایبک سے رتن بائی کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ یہی راجکماری رتن بائی ہے۔

"تمہیں اس کا نام کس طرح معلوم ہوا ہے" ——— ایبک نے پوچھا۔

کمال الدین (راجکماری رتن بائی سے مخاطب ہو کر بولا) ——— "کیوں لڑکی کیا تمہارا ہی نام راجکماری رتن بائی ہے؟"

راجکماری نہ زبان سے کچھ بولی اور نہ ہی اشارے سے کچھ بتا سکی اور جب دیر تک اس سوال کا جواب نہ دے سکی تو قطب الدین ایبک اور کمال الدین دونوں نے محسوس کیا کہ وہ خوف اور دہشت سے کانپ رہی ہے اور اس کے نازک نازک لبوں میں ایک غیر محسوس حرکت پیدا ہو کر ناتمام رہ جاتی ہے۔ ایبک کے درد آشنا دل پر لڑکی کی اس کیفیت نے عجب معجز نما اثر مرتب کیا۔ وہ لڑکی کے قریب ہو کر بولا: ———

اے ہندو لڑکی تجھے جلد ہی پتہ چل جائے گا کہ اس وقت تیرے دل میں جو دہشت خیز خیالات پیدا ہوئے ہیں اور جن کے باعث تیری حالت بد سے بدتر ہوتی جا رہی ہے وہ خلافِ

حقیقت ہیں۔ ایک مسلمان قیدی کو تو ہندوؤں کی اسیری میں تیری طرح بے قرار ہونا ہی چاہیے، لیکن ہندو قیدی جو مسلمانوں کے قبضہ میں آجاتا ہے۔ وہ اپنی تقدیر کے تحت اپنی قوم سے تو بلاشک و شبہ جُدا رہتا ہے، لیکن اُسے مسلمانوں کی طرف سے کسی ظلم و ستم اور دل آزاری کا قطعاً کوئی اندیشہ نہیں کرنا چاہیئے۔"

یہ سُن کر راجکماری رتن بائی نے لرزتی ہوئی آواز سے کہا ——— "جناب! یہ مصیبت کیا کم ہے کہ اپنا گھر بار شہر و دیار ہمیشہ کے لئے چھوٹ جائیں اور اپنی سخت جانی کی بدولت ساری عمر بحیثیت ایک کنیز بسر ہو، آہ مجھے اپنی اس بدنصیبی کا کبھی گمان تک نہ گزرا تھا۔"

"دراصل تم اس سے واقف نہیں ہو" ——— ایبک نے کہا: "کہ جب تک دل میں کسی شئے کی محبت قائم رہتی ہے اُس وقت تک اس چیز کی مفارقت اور جدائی ناگوار گزرتی ہے۔ تم یہ نہیں کہہ سکتیں کہ آج کی طرح ہمیشہ سرزمین میرٹھ کی محبت تمہارے دل میں برقرار رہے گی۔ اگر یہ محبت قائم و دائم رہی تو پھر تمہیں یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ یہ محبت ہمیشہ تمہاری زندگی کو تلخ بنائے رکھے گی۔ باقی رہا کنیز ہونے کا معاملہ، تو یہ ضروری نہیں ہے کہ کنیز بننے کا اثر ہر انسان پر یکساں ہو۔"

"افسوس کہ اب مجھے ہمیشہ ایک غریب الوطن قیدی کی حیثیت سے زندگی گزارنی پڑے گی" ——— راجکماری نے کہا۔

"لیکن تم مسلمان قیدیوں سے زیادہ بدنصیب نہیں ہو" ——— ایبک نے کہا: "جن پر ہندوؤں کے ہاتھوں قید ہو کر وہ مصیبت پڑتی ہے جس کا برداشت کرنا قوتِ انسانی سے باہر ہے اور جسے تم بھی دیکھو تو شاید تمہارا متعصب دل بھی درد و غم سے لبریز ہو جائے تو کچھ عجب نہیں۔"

"ہائے تو کیا مجھ سے ان مسلمان قیدیوں کا انتقام لیا جائے گا ———"

راجکماری نے کہا۔

"ہم تم سے تو ان کا بدلہ نہیں لیں گے" ——— ایبک نے کہا "لیکن انشاء اللہ العزیز جے چند والئ قنوج اور دوسرے راجاؤں سے ایک دن مسلمانوں پر مظالم کا ضرور انتقام لیا جائے گا"۔

"آپ مجھے کیوں معاف رکھ رہے ہیں" ——— راجکماری نے کہا۔

"اس لئے کہ تم ایک عورت ہو" ——— ایبک نے کہا "میں تمہیں سردار کمال الدین سمرقندی کی تحویل میں دے رہا ہوں اور امید رکھتا ہوں کہ تمہیں کوئی تکلیف نہ ہوگی۔ سردار کمال الدین ہر طرح تمہاری دلجوئی کرے گا"۔

"اس لئے کہ تم ایک عورت ہو" اس فقرے نے راجکماری رتن بائی کے خوفزدہ اور نادان دل پر جو اثرات مرتب کئے اور جن خیال کو اس کے ذہن میں پیدا کیا۔ اگرچہ ان خیالات کا اس جملے کے اصلی مفہوم سے کوئی تعلق نہ تھا۔ لیکن یہ ضرور ہوا کہ وہ اس جملے کا مفہوم اپنے لئے بہت اچھا سمجھی۔ اس کی آنکھوں سے جو آنسو بہہ رہے تھے یکدم تھم گئے اور اُس کے دل میں خوف و ہراس کی جگہ خود بخود ایک خوش آئند کیفیت پیدا ہو گئی۔ اُس نے اپنے آنسوؤں کے خشک ہو جانے پر ایک غلط انداز نگاہ سے اپنے صیاد سردار کمال الدین کے حسین چہرے کو دیکھا اور اس پر ان ہونی یہ ہوئی کہ راجکماری کے دل نے کمال الدین کو پسند کر لیا۔ چشم زدن میں صورتِ حال میں زبردست تبدیلی واقع ہو گئی، اسیر کی اپنے صیاد سے ناپسندیدگی پسندیدگی میں بدل گئی اور کمال الدین کو راجکماری کے اس باطنی تغیر کی کوئی خبر نہ ہوئی۔

اچانک سردار کمال الدین نے راجکماری سے مخاطب ہو کر کہا ——— "کیا تم اپنے بارے میں سچے حالات اس سے قبل کہ کسی دوسرے ذریعے سے معلوم ہوں، خود اپنی زبانی بتا سکتی ہو"؟

"میں اپنے سچے حالات بتاؤں"؟ ——— راجکماری نے چونک کر کہا۔

کمال الدین نے کہا ——— "ہاں، میں نے تم سے ابھی صرف تمہارے ہی حالات پوچھے ہیں"۔

"ہاں! میں اپنے حالات ضرور بتاؤں گی" ——— راجکماری نے کہا۔

کمال الدین نے پوچھا ——— "کیا اب ہم تمہیں راجکماری رتن بائی کے نام سے پکار سکتے ہیں"؟

راجکماری نے جواب دیا ——— "آپ مجھے اسی نام سے پکار سکتے ہیں۔ میں اسے اپنا ہی نام سمجھوں گی"۔

"بات اس طرح نہ بنے گی" ——— کمال الدین نے کہا "تم یہ بتاؤ کہ کیا یہ تمہارا ہی نام ہے یا نہیں؟ حالانکہ مجھے بخوبی علم ہے کہ یہ تمہارا ہی نام ہے"۔

"آپ کو جلد ہی میرا اصل نام معلوم ہو جائے گا" ——— راجکماری نے کہا "آپ ذرا صبر سے کام لیں"۔

"اچھا یہ بتاؤ" ——— کمال الدین نے کہا "اس وقت تم کہاں کے ارادہ سے جا رہی تھیں"؟

"میرا ارادہ دہلی جانے کا تھا" ——— راجکماری نے کہا "لیکن اب پتہ نہیں کہ قسمت کہاں لے جاتی ہے۔ کاش! میں چند روز قبل میرٹھ سے نکل جاتی تو مجھے یہ روز بد دیکھنا نصیب نہ ہوتا، لیکن افسوس میری قسمت میں یہ اسیری لکھی تھی"۔

قطب الدین ایبک واپس میرٹھ کی طرف روانہ ہوا تو کمال الدین کے ایک ساتھی نے کہا ——— "اب یہاں زیادہ رکنا مناسب نہیں ہے، ہم شاہراہ عام پر کھڑے ہیں، مبادا کوئی ایسی ہی بلا پھر نازل ہو جائے، اس لئے آئیے ہم بھی میرٹھ کی طرف لوٹ جائیں"۔

اپنے ہمراہی کے یہ الفاظ سُن کر بے ساختہ کمال الدین کے منہ سے نکلا ــــــــ
"خدا کرے کوئی ایسی بلا اور بھی نازل ہو"۔

راجکماری نے کمال الدین کا یہ فقرہ سُنا تو بے ساختہ ہنس پڑی اور کمال الدین کے اس ہمراہی کی طرف دیکھ کر بولی ــــــــ "اب آپ مطمئن رہیں، اب ایسی کوئی بلا نازل نہ ہوگی جو ہونا تھا ہو چکا، اب فکر کی ضرورت نہیں"۔

کمال الدین کے اس ہمراہی نے کہا ــــــــ "آپ درست کہہ رہی ہیں، تاہم احتیاط ضروری ہے"۔

یہ سُن کر کمال الدین بولا ــــــــ "اگر اب مزید کسی بلا کے نازل ہونے کا کوئی امکان نہیں ہے، تاہم اب ہمیں یہاں سے روانہ ہو جانا چاہیئے، آفتاب بھی غروب ہونے کو ہے، ہم بھی میرٹھ چلتے ہیں"۔

اس کے بعد کمال الدین اور اس کے ہمراہی بھی قطب الدین ایبک کے پیچھے چلتے ہوئے میرٹھ شہر کی طرف روانہ ہو گئے۔

راہ میں چلتے ہوئے راجکماری رتن بائی نے سردار کمال الدین سمرقندی سے مخاطب ہو کر کہا ــــــــ "کیا آپ دہلی پر بھی حملہ کریں گے"؟

"پرتھوی راج چوہان کی شکست فاش کے بعد ہم اس کے علاقوں کے جائز طور پر مالک و مختار قرار پاتے ہیں"۔ ــــــــ سردار کمال الدین نے کہا "اس کے عزیز و اقارب خراج کی ادائیگی پر اپنے علاقوں کی حاکمیت پر برقرار رکھے گئے تھے۔ لیکن اب ان لوگوں نے جے چند والئ قنوج کی شہ پر بغاوت کے ارادے باندھے ہیں اور وہ باغی ہو گئے ہیں۔ اس کے ساتھ ہی انہوں نے اپنے علاقوں میں آباد مسلمانوں پر ظلم و ستم شروع کر دیا ہے اور سینکڑوں مسلمانوں کو قید و بند کی مصیبتوں میں مبتلا کر رکھا ہے۔ ظاہر ہے ہم اس صورت احوال پر خاموش نہیں رہ سکتے۔ اب ہمارا غیظ و

غضب شیر زخم خوردہ کی مانند کفّار کو تہہ و بالا کر دے گا۔ آج ہمیں شاندار فتح حاصل ہوئی ہے جس کا ایک زندہ ثبوت تم موجود ہو، اب انشاء اللہ العزیز اسی طرح فتح و نصرت الٰہی ہماری رفیق حال رہے گی اور ہم جلد ہی دہلی کے باغیوں کو بھی قرار واقعی سزا دیں گے اور اُن کا قلع قمع کر کے رکھ دیں گے"۔

"آپ درست کہہ رہے ہیں"۔ ــــــــ راجکماری نے کہا "یہ حقیقت ہے کہ جے چند والئ قنوج ہندوستان کے سارے راجوں کو متحد کر کے مسلمانوں کو ہندوستان سے باہر نکال دینا چاہتے ہیں۔ دہلی اور میرٹھ کے راجاؤں نے اسی کے ایماء پر مسلمانوں کے خلاف اقدامات شروع کئے ہیں"۔

"ہندوؤں کی اس جبلّی عادت میں کبھی فرق نہیں پڑا" ــــــــ کمال الدین نے کہا "کہ یہ ناعاقبت اندیش ہمیشہ مسلمانوں کے خلاف سازشوں میں مصروف رہتے ہیں یا پھر مغلوب ہو کر بڑی عاجزی کے ساتھ خوشامد کرنے لگتے ہیں اور ہمیشہ کے لئے امن و امان کے عہد و پیمان کر لیتے ہیں، لیکن جملہ ہی عہد و پیمان کو فراموش کر کے پھر فتنہ و فساد برپا کرنے میں مصروف ہو جاتے ہیں"۔

راجکماری عجب امید و بیم کی حالت میں تھی۔ کبھی وہ اپنے دل میں کہتی تھی کہ میں جو خیال کرتی تھی اور جیسا میں نے قیدی مسلمانوں کے ساتھ اپنی قوم کے برتاؤ کو دیکھا تھا، میرے ساتھ دل آزاری اور درشت خوئی کی کوئی کارروائی نہیں کی گئی بلکہ مجھے تو بڑی تسلّی و تشفّی دی گئی ہے اور مجھے یقین دلایا گیا ہے کہ میرے ساتھ کوئی بدسلوکی نہ ہوگی اور نہ مجھ پر کوئی سختی ہوگی۔ میرے ساتھ واضح الفاظ میں یہ وعدہ کیا گیا ہے کہ اس کے سوا کہ میں اپنی قوم اور اپنے وطن سے دُور رہوں گی، میری اس اسیری کا اور کوئی ناگوار اثر مجھ پر مرتب نہیں ہوگا۔ اسی کے ساتھ یہ بھی ہوا ہے کہ نہ جانے میرے دل میں خود بخود ایسی تبدیلی کیوں واقع ہوئی اور ایسے خیالات کیوں پیدا ہو گئے ہیں کہ جن کو مجھ سے جہاں تک ممکن ہوگا

میں چھپانے کی کوشش کروں گی۔ اگرچہ میرا خیال ہے کہ مجھے اپنی اس کوشش میں خاطر خواہ کامیابی حاصل نہ ہو سکے گی۔ کیونکہ میں دیکھتی ہوں کہ ہندوؤں کی بدعہدی اور پُرامن مسلمان رعایا پر مظالم دیکھ کر مسلمانوں کے دلوں میں اُن کے خلاف نفرت کی آگ بھڑک اٹھی ہے اور ہر مسلمان کی یہ دلی آرزو معلوم ہوتی ہے کہ اگر اُسے قدرت حاصل ہو جائے تو وہ ہندوستان سے ہندوؤں کا نام و نشان تک مٹا ڈالے۔ اس صورت میں جن لوگوں کے دلوں میں ہندوؤں کی طرف سے اس قدر کدورت اور کینہ ہو۔ وہ ایک ہندو قیدی کے ساتھ کیا خاک رعایت کریں گے۔ کیا وہ میری حالت پر رحم کریں گے۔ یہ بات ہرگز قرینِ قیاس نہیں ہے۔ میرا خیال ہے کہ مجھے قتل کر کے میری نعش کو اس جنگل میں پھینک دینا ان کی تسکینِ خاطر کے لئے کافی نہ تھا۔ غالباً وہ مجھے طرح طرح کی اذیتیں پہنچا کر اپنا دل ٹھنڈا کریں گے یا پھر وہ اپنی قوم کو میری دردناک حالت کا مشاہدہ کرا کر خوش کرنا چاہتے ہوں گے۔ اس لئے مجھے تسلّی و تشفّی دے کر اپنے ہمراہ لئے جا رہے ہیں۔ آہ راجکماری رتن بائی تجھ سے زیادہ بدقسمت لڑکی سرزمینِ ہند میں آج تک نہ تو پیدا ہوئی ہے اور نہ ہو گی۔ آہ! میری ناتجربہ کاری اور معصومیت نے مجھ پر یہ ستم ڈھایا ہے کہ میری بعض حرکات و سکنات، اندازِ نگاہ اور طرزِ گفتگو، یکایک حالت خوفزدگی کے دُور ہو جانے اور آنسو بہانے، تبسم زیرلبی کے ساتھ باتیں شروع کر دینے سے میری شوخ چشمی اور میری قوم کی بے وقاری اُن پر عیاں ہو گئی ہو گی۔ یہ صدمہ مرتے مرتے بھی میرے دل سے دُور نہ ہو گا۔

سردار کمال الدین ایک خوب رو خوبصورت نوجوان ہے، اس کا دل موہ لینے والا چہرہ، روشن اور بلند پیشانی، شجاعانہ عزم اور متانت آگیں حرکات سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ ایک عقلمند انسان ہے، وہ یقیناً میری از خود رفتگی کو تاڑ گیا ہو گا اور میری دلی کیفیت سے واقف ہو چکا ہو گا۔ جب میری شرگیں نگاہیں چپکے چپکے اس کے آفتاب سے زیادہ روشن چہرے پر پڑتی تھیں تو صاف ظاہر ہو جاتا تھا کہ وہ جان بوجھ کر اپنے ہمراہیوں کی طرف

دیکھنے لگتا ہے اور خواہ مخواہ دوسری طرف متوجہ ہو جاتا ہے۔ یہ اس کی اعلیٰ نسبی، شریفانہ تربیت اور بلند خیالی کا اثر ہے۔ اس میں کوئی شک و شبہ نہیں کہ یہ شخص اپنی شرافت اور پاکیزہ خیالی کے باعث دل میں جگہ پانے کے قابل ہے۔ کاش! اس کا دل میرے پہلو میں اور میرا دل اُس کے پہلو میں ہوتا۔ وہ آخری حد تک ذہین بھی ہے۔ مجھے اپنا نام بتانے کی ضرورت ہی نہیں پڑی، کیونکہ وہ پہلے ہی سے جان گئے تھے کہ راجکماری رتن بائی میں ہوں۔ اس کے باوجود کہ قطب الدین ایبک ہندوؤں کو موت کے گھاٹ اتار رہے تھے اور ان کے خون کے پیاسے بنے ہوئے تھے مگر کمال الدین نے مجھے پہلے ہی سے بتا دیا تھا کہ مجھے معاف کر دیا جائے گا۔ قطب الدین ایبک نے میرے بارے میں جن خیالات کا اظہار کیا تھا وہ کمال نے پہلے ہی مجھے کہہ دیئے تھے۔ اپنی سوچ بچار کے اس مرحلہ پر راجکماری کے خیالات کا رُخ ایک بار پھر بدل گیا اور وہ اس سوچ میں محو ہو گئی کہ آخر کمال الدین کو میرے متعلق یہ کس طرح پتہ چل گیا کہ قطب الدین ایبک مجھ کو معاف کر دیں گے اور کسی قسم کی تکلیف نہ پہنچائیں گے۔

آخر قطب الدین ایبک نے میرے ساتھ وہی سلوک کیوں روا رکھا۔ جس کا اظہار سردار کمال الدین نے پہلے سے کر دیا تھا۔ اگرچہ اس لطیف سوال کا جواب خود راجکماری رتن بائی کا بے چین دل تفصیل کے ساتھ نہ دے سکا تھا تاہم اشارتاً اور کنایتاً اس کے دل کی طرف سے اُسے جو جواب ملا تھا غالباً یہ اسی کا نتیجہ تھا کہ راجکماری نے خود بخود شرم سے دوہری ہو ہو کر کئی بار اپنی عرق آلود پیشانی پر دامن رکھ رکھ کر اٹھایا۔ وہ حسرت و یاس کے جو تیرہ و تاریک مناظر دیکھ چکی تھی۔ اب اُسے اُس میں امید کی روشنی کی جھلک دکھائی دینے لگی تھی اور وہ خیال ہی خیال میں اپنے غارت گر صبر و قرار کمال کی دید کے نظارے میں محو ہو گئی تھی اور بڑے غور سے اپنے

ہر ہر عضو کو اس نظر سے دیکھ رہی تھی کہ وہ واقعی اس قدر حسین و جمیل ہے کہ کوئی اُس کی محبت میں مبتلا ہو سکے۔ غرضیکہ راجکماری رتن بائی کا بے قرار دل طلسم محبت کے عجائبات میں یوں ہی محو تماشا رہا اور اس کا قافلہ میرٹھ شہر میں داخل ہو گیا۔

———— ☆ ————

باب ۵

عقیدۂ توحید

اسلام کی روح

ان کا قافلہ قلعہ میرٹھ کے دروازے پر پہنچا تو دیکھا کہ مسلمان لشکری قلعہ کی حفاظت پر مامور ہیں۔ فصیلوں اور برجوں پر بھی باقاعدہ پہرہ ہے۔ قلعہ کے سب دروازے بند کر دیئے گئے تھے۔ صرف ایک طرف کا ایک دروازہ اس غرض سے کھلا ہوا تھا کہ دشمن کے تعاقب میں جانے والے لشکری لوٹ کر قلعہ میں داخل ہو سکیں۔

سردار کمال الدین مع اپنے ساتھیوں کے اس نیم باز دروازے کے قریب پہنچا تو ایک دستہ سواروں کا جو قلعہ کے باہر بطورِ طلایہ موجود تھا، اسی دروازے سے گزر کر سپہ سالار قطب الدین ایبک کچھ دیر قبل قلعے میں داخل ہوئے تھے، اس لئے طلایہ کا دستہ پوری طرح چاق و چوبند تھا۔ کمال الدین کے ایک ہمراہی نظام نے دور ہی سے بآوازِ بلند ایک خاص عسکری اصطلاح میں ان سواروں کو سردار کمال الدین کے پہنچنے کی اطلاع دی۔ طلایہ دستہ کے نوجوانوں نے خوشی کے نعرے بلند کئے۔ اس وقت جو افسر حفاظتی فرائض سرانجام دے رہے تھے۔ انہوں نے قلعے سے باہر نکل کر سردار کمال الدین کا استقبال کیا۔ سردار کمال نے ان کی مستعدی اور قلعہ داری کے انتظامات پر اظہارِ مسرت کیا اور اپنے ساتھیوں کے ساتھ قلعے میں داخل ہو گیا۔ سردار کمال افسروں سے باتیں کرتا ہوا آہستہ آہستہ اپنی اُس قیام گاہ پر پہنچا جو ذمہ دار افسروں نے اس کے قیام کے لئے منتخب

کر رکھی تھی۔ یہ ایک خوش وضع سنگین قصر تھا جو قلعہ میرٹھ کے جنوبی گوشہ میں واقع تھا۔ اس قصر کے شاندار کمروں سے ظاہر ہوتا تھا کہ یہ اعلیٰ عہدوں پر مامور بڑے سرداروں کی سکونت کا مقام ہے۔ سردار کمال نے گھوڑے سے اترتے ہی جھک کر نظام سے شاید راجکماری رتن بائی کے بارے میں کچھ کہا، کیونکہ اس کے فوراً بعد نظام، راجکماری کو مع اپنے بعض ساتھیوں کے لے کر اس قصر کی ایک طرف بڑھ گیا۔ نظام نے اچھی طرح دیکھ بھال کے بعد راجکماری کو ایک کمرے میں آرام کرنے کے لئے کہا۔ پھر کچھ سوچ کر دوبارہ بولا: "میں ابھی آپ کا دل بہلنے کی تدبیر کئے دیتا ہوں"۔

اور یہ کہہ کر وہ کمرے سے باہر چلا گیا اور کچھ دیر بعد ایک مقامی عورت کو اپنے ہمراہ لے آیا اور راجکماری سے مخاطب ہو کر بولا ——— "آپ جب تک پسند کریں گی آپ کی یہ ہموطن عورت آپ کی خدمت میں حاضر رہے گی"۔

یہ کہہ کر سردار نظام رخصت ہوا اور وہ عورت راجکماری کے قریب آ کر مؤدب بیٹھ گئی۔ راجکماری عورت سے مخاطب ہو کر بولی ——— "کیا تم بھی میری طرح قید و بند کی مصیبتوں کا شکار رہی ہو؟"

"ہاں! میں اپنی خوش قسمتی کے سبب ترائن کی دوسری جنگ کے موقع پر قید ہو کر یہاں لائی گئی تھی" ——— عورت نے کہا۔ "اور اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ مجھے اس قید و بند کی بدولت ان گنت مصیبتوں اور روز روز کی خواری سے نجات مل گئی ہے"۔

راجکماری نے سخت متعجب ہو کر کہا: "کیا تم کو قید میں کنیزوں کی طرح زندگی بسر کرنا، اپنے وطن میں عزت و احترام کے ساتھ آزاد رہنے سے زیادہ پسند ہے۔ میں سخت حیران ہوں کہ تم اس وقت اپنی زبان سے کیسے الفاظ ادا کر رہی ہو"۔

"قابلِ احترام راجکماری! میں جو کچھ کہہ رہی ہوں سو فیصد درست ہے" ———

عورت نے کہا "اور میرے دل کی آواز ہے۔ میں بھی جب تمہاری طرح پہلے پہل قید قید ہوئی تھی تو تمہاری بہ نسبت کہیں زیادہ غمگین و پریشان تھی اور ہمیشہ یہ دعا کرتی رہتی تھی کہ مجھے جلد سے جلد موت آ جائے تاکہ میں مر کر مسلمانوں کی قید سے آزاد ہو جاؤں، لیکن لگاتار چند روز بعد میرے رنج و غم اور پریشانی سبھی کا خاتمہ ہو گیا اور مجھ پر یہ حقیقت روزِ روشن کی طرح عیاں ہو گئی کہ میں نے قبل ازیں ان ملیچھ مسلمانوں کے بارے میں جو کچھ سنا تھا اس میں حقیقت کا شائبہ تک نہ تھا۔ مجھ پر یہ حقیقت پوری طرح واضح ہو گئی کہ مسلمان قوم انتہائی نیک طینت، راست باز اور پاکیزہ اطوار ہے، یوں تو اچھے برے لوگ سبھی قوموں اور ملکوں میں ہوتے ہیں، مگر اس مسلمان قوم میں جو لوگ بہت برے گردانے جاتے ہیں، وہ ہماری ہندو قوم کے بہت اچھے لوگوں سے بھی بدرجہا بہتر اور اچھے لوگ ہیں، فاتح مسلمان فوجی لوگ ان مسلمان قیدیوں کی تکلیفوں اور مصیبتوں سے بخوبی آگاہ ہیں جو ہندو راجاؤں کے پاس قیدی ہیں، لیکن اس کے باوجود مسلمانوں کا صبر و تحمل قابلِ داد ہے کہ یہ لوگ اپنے اسیر بھائیوں کا انتقام میدانِ جنگ میں تو اپنے دشمنوں سے ضرور لیتے ہیں لیکن جو بچے، عورتیں اور بوڑھے جنگ کے دوران گرفتار ہو کر ان کے بس میں آ جاتے ہیں، یہ لوگ انہیں ذرا سی بھی اذیت اور تکلیف نہیں دیتے۔ میں اپنی قسمت پر نازاں ہوں کہ دینِ حق قبول کر کے مسلمان قوم میں شامل ہو گئی ہوں مگر میری ہم وطن بعض بے وقوف اور کم عقل عورتیں جو اسلام کے متعلق کچھ نہیں جانتیں، محض اپنی جہالت کے سبب اس دینِ مبین کو ناپسند کرتی ہیں، لیکن میں محسوس کرتی ہوں کہ آرام و سکون اور راحتِ قلبی کے لحاظ سے مجھ میں اور ان عورتوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے، مجھے جو اطمینان حاصل ہے وہ اس کا تصور تک نہیں کر سکتیں"۔

راجکماری اپنا سر پیٹ کر بولی ——— "ہائے ہائے تم نے یہ کیا غضب کیا کہ اپنا پوتر (پاک) مذہب چھوڑ کر مسلمان ہو گئیں، افسوس صد افسوس"۔

اس عورت نے جواب دیا ــــــــ "میں اپنے مذہب کی تبدیلی کے سلسلے میں ابھی آپ سے کچھ نہ کہوں گی، کیونکہ میں جانتی ہوں کہ آپ کے دل میں اسلام کے خلاف وہ بغض و عناد بھرا ہوا ہے جو اسلام کے بارے میں جھوٹی باتیں کر کے برہمن لوگ اور بڑے بڑے پنڈت، منہت وغیرہ ہر ہندو کے دل میں بھر دیتے ہیں اور اُسے مسلمانوں سے نفرت کرنے پر مجبور کیا کرتے ہیں، اس وقت آپ بھی اپنی ناسمجھی اور لاعلمی کے تحت اُن بہتانوں اور بے سر و پا جھوٹے قصّوں کو صحیح سمجھ رہی ہیں۔"

یہ سُن کر راجکماری کے جسم پر کپکپی طاری ہو گئی اور وہ ڈر سے سہمی ہوئی بولی ــــــــ "تمہیں بھگوان کے عذاب سے ڈرنا چاہیئے، تم پنڈتوں اور دوسرے مقدس راہنماؤں کی شان میں گستاخی کی مرتکب ہو رہی ہو۔ تم بے دین ہو چکی ہو، تم کسی مذہب کی پابند نہیں رہیں۔"

"خدائے واحد کے جاہ و جلال کی قسم، میں بے دین نہیں ہوں" ــــــــ عورت نے کہا۔ "بلکہ میں ایک دیندار عورت ہوں اور اب مذہب کو جس قدر میں سمجھتی ہوں، شاید ہی دوسرا کوئی سمجھتا ہو، میں جب اپنے گلے میں جنیو لٹکائے پھرتی تھی تو مذہب سے بالکل کوری تھی۔ باقی رہا پنڈتوں اور منہتوں کی توہین اور تقدّس کا معاملہ، تو انشاءاللہ العزیز جلد ہی تم بھی ان نام نہاد مذہبی رہنماؤں کے نام نہاد تقدّس کے راز سے واقف ہو جاؤ گی۔"

"مذہب اسلام اور ہمارے مذہب میں جو فرق ہے" ــــــــ راجکماری نے کہا۔ "اور ہمارے مذہب میں جو خوبیاں ہیں، تم نے انہیں فراموش کر دیا ہے۔ اگر ان دونوں مذاہب کا مقابلہ کیا جائے تو یقیناً ہمارا مذہب اچھا اور مکمل ثابت ہوگا۔"

"کیا آپ اسلام کے اعلیٰ و ارفع اصولوں سے واقف ہیں؟" ــــــــ عورت نے استفسار کیا۔

"نہیں، اب تم بتا دو تو پتہ چلے" ــــــــ راجکماری نے کہا۔

"تو سُنیئے، توحید کا عقیدہ اسلام کی روح ہے" ــــــــ عورت نے کہا۔ "مسلمان ایک خدا کو مانتے ہیں، وہی خدائے واحد جس نے زمین و آسمان بنائے ہیں اور ہر جاندار کو پیدا کیا ہے۔ جسے زندگی اور موت پر قدرت حاصل ہے۔ پھر اسلام کی تعلیم بہت سادہ ہے۔ اس میں اونچ نیچ کی کوئی تمیز نہیں ہے۔ سب انسانوں کو برابر سمجھا جاتا ہے اور انسان کی برتری کا معیار یہ نہیں ہے کہ وہ کس رنگ کا ہے؟ کس خاندان میں پیدا ہوا ہے؟ یا کتنا دولت مند ہے؟۔ صرف پاکیزہ اخلاق اور نیک اعمال کو بڑائی کی بنیاد مانا جاتا ہے۔ باہمی محبت، رواداری اور بے تعصبی پر خاص زور دیا جاتا ہے۔"

راجکماری چونکہ ایک سمجھدار لڑکی تھی، اس لئے اسلام کے اچھے اصولوں کی تو مخالفت نہ کر سکی، لیکن اپنے مذہب کو بُرا تسلیم کرنے پر تیار نہ ہوئی اور بولی ــــــــ "ہمارا مذہب بھی تو اچھے اچھے اصولوں پر مشتمل ہے۔"

"ہندو مذہب کیا ہے۔ یہی نا کہ اس میں مُورتی پوجا عام ہے" ــــــــ عورت نے کہا۔ "منتوں وغیرہ نے اپنے طور پر جو رسمیں جاری کر دی ہیں، ان کی پابندی پر بہت زور دیا جاتا ہے اور مذہب کی رُوح کے مطابق اپنی زندگی سنوارنے کا کسی کو خیال تک نہیں ہے۔ ذات پات کے بندھنوں نے ہندو مذہب ماننے والے انسانوں کو سینکڑوں گروہوں میں بانٹ رکھا ہے۔ اچھے اعمال اور اچھے اخلاق پر کسی کی نظر نہیں ہے۔ بڑائی چھٹائی کسی خاص خاندان یا برادری میں پیدا ہونے پر موقوف ہے۔ چھوت چھات کی وبا ہر طرف پھیلی ہوئی ہے۔ بعض مقامات پر تو

یہ کیفیت ہے کہ جن لوگوں کو اچھوت سمجھا جاتا ہے، وہ ساٹھ ساٹھ گز تک برہمنوں سے دُور رہنے پر مجبور ہیں۔ علاوہ ازیں ہندوؤں نے سینکڑوں خدا بنا رکھے ہیں اور ان کی پتھر کی مورتیاں بنا کر ان کی پوجا پاٹ میں مصروف ہیں۔ اب تم ہی انصاف سے کہو کہ اسلام سچّا اور اعلیٰ مذہب ہے یا ہندوؤں کا خود ساختہ مذہب"۔

راجکماری اپنی ہموطن عورت کی معقول باتیں سُن کر خاموش ہو رہی اور قدرے سکوت کے بعد اس نے بحث کو پھر ایک جدید صورت میں پیش کیا اور بولی ——

"میری پیاری ہموطن بہن! ناراض نہ ہو جانا، میری رائے میں تم نے بڑی غلطی کی ہے کہ اپنا قومی مذہب چھوڑ کر یہ نیا مذہب اختیار کر کے غیر قوم میں شامل ہو گئی ہو"۔

"راجکماری صاحبہ! میری رائے میں سچّا دین الٰہی جس قوم میں بھی ہو" —— عورت نے کہا "اسے قبول کر لینا چاہیئے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جب اپنی قوم کو بُت پرستی میں غرق دیکھا تو اپنی قوم کو چھوڑ کر الگ ہو گئے۔ اسی طرح حضرت مسیح علیہ السّلام نے بھی بنی اسرائیل کی بُرائیوں کے تحت ان سے کنارہ کر لیا اور ان کے حواری بھی ان کا سچّا دین قبول کر کے اپنی ساری قوم سے الگ ہو گئے تھے۔ میری رائے میں انسان کو بلا خوف و خطر اور کسی قسم کی ہچکچاہٹ کے بغیر سچّا دین قبول کر لینا چاہیئے محض اپنی قوم کی رفاقت کے خیال سے ابدی نجات کو چھوڑنا اور جھوٹے تعصب کے تحت ساری عمر گمراہی کے گڑھے میں گرے رہنا نادانی اور بے وقوفی ہے"۔

"مجھے یہ جان کر مسرّت ہوئی تھی" —— راجکماری نے کہا "کہ تم میری ہموطن اور ہم مذہب ہو، میری مصیبت میں میری غمگساری کرو گی۔ لیکن اب پتہ چلا کہ بدقسمتی نے میرا ساتھ نہیں چھوڑا۔ تم تو میرے زخموں پر نمک چھڑک رہی ہو"۔

"میں خلوصِ دل سے آپ کی خدمت اور رفاقت کے لئے ہر لحظہ مستعد رہوں گی" —— عورت نے کہا "اور مجھے یقین ہے کہ بہت جلد آپ مجھے

اپنی ایک ہمدرد اور جاں نثار خدمت گزار سمجھنے لگیں گی، اور وہ اسلام جو آج آپ کے نزدیک بدترین مذہب ہے کل آپ کے نزدیک انسانی ہمدردی کا سبق دینے والا اور بداخلاقی و دوسری برائیوں کا قلع قمع کرنے والا بہترین مذہب ہو گا۔ پھر میرا خیال تھا کہ آپ مذہب اسلام سے واقفیت حاصل کرنا چاہتی ہیں۔ اس لئے میں نے اس کا مفصل ذکر کیا ہے۔ اگر میں سمجھتی کہ آپ کو اسلام سے ذرا سی بھی دلچسپی نہیں ہے تو میں آپ کے سامنے کبھی اسلام کا ذکر تک نہ کرتی"۔

"میں واقعی اسلام کے بارے میں معلومات حاصل کرنی چاہتی ہوں" —— راجکماری نے کہا "یہی وجہ ہے کہ مجھ پر تمہاری باتیں ناگوار نہیں گزریں۔ میں نے تو خود بات میں بات پیدا کی ہے" —— پھر راجکماری نے شرارت سے ہنستے ہوئے کہا —— "مگر بہن! مجھ کو تمہاری تبدیلیٔ مذہب پر افسوس ضرور ہے"۔

"خیر اب مناسب یہی ہے کہ ہم دونوں ان باتوں کو بھول جائیں" —— عورت نے کہا "اب آپ آرام سے سو جائیں تاکہ جب بیدار ہوں تو طبیعت ہشاش بشاش ہو"۔

"اب مجھے کیا نیند آئے گی" —— راجکماری نے کہا "شاید سپہ سالار قطب الدین ایبک اور اُن کے سردار کمال الدین سو گئے ہوں گے"۔

"ہاں دونوں سو تو ضرور رہے ہوں گے" —— عورت نے کہا "لیکن دونوں تھوڑی دیر ہی سوئیں گے، کیونکہ فوج کے سارے افسر عالی وقار جناب قطب الدین ایبک کے بیدار ہونے کے منتظر ہیں۔ ظاہر ہے جب سپہ سالار بیدار ہو کر افسرانِ فوج سے صلاح مشورہ کریں گے، تو سردار کمال الدین کی موجودگی بھی ضروری ہو گی"۔

"کیا سردار کمال الدین کا شاہی خاندان سے تعلق ہے"؟ —— راجکماری

نے پوچھا۔

"ان کا شاہی خاندان سے تو کوئی تعلق نہیں" ——— عورت نے کہا "مگر وہ ایک بڑے معزز اور بہادر عرب خاندان کے چشم و چراغ ہیں۔"

"لشکر میں ان کا درجہ کیا ہے"؟ ——— رابکماری نے کہا "انہوں نے مجھ سے ایسا عمدہ سلوک کیا ہے کہ میں ان کی مہربانیوں سے بڑی متاثر ہوئی ہوں اور انہیں دل و جان سے پسند کرنے لگی ہوں" عورت نے کہا۔ پھر قدرے خاموش رہی۔

"والیٔ کہرام قطب الدین ایبک کے بعد فوج میں کسی کو ہر دلعزیزی حاصل ہے تو وہ سردار کمال الدین ہیں" ——— عورت نے پھر کہا "یوں بھی وہ ایک شریف النسب، انصاف دوست، نیک نہاد انسان ہیں۔ وہ مظلوم کے روبرو انتہائی رقیق القلب اور ظالم کے مقابلے میں سخت دل انسان ہیں۔ راست بازی، حق گوئی اور سچی خدا پرستی ان کا طرۂ امتیاز ہے اور سچی بات یہ ہے کہ مجھے اسلام کی سیدھی اور سچی راہ پر لانے والے یہی ہیں۔ یہ میری خوش نصیبی تھی کہ مجھے ترائن کی دوسری جنگ میں قید ہو کر ان کا سایۂ عاطفت نصیب ہوا۔ میں تمہاری طرح بلکہ تم سے کئی گنا زائد ہندو مذہب کی والہ و شیدا تھی اور اپنے مذہب کو دنیا کا سب سے اعلیٰ مذہب قرار دیتی تھی اور اپنی گرفتاری کے ابتدائی ایام میں اپنے دل سے یہ فیصلہ کر چکی تھی کہ مسلمان خواہ مجھ پر بے پناہ سختیاں کریں، ہر ظلم و ستم روا رکھیں۔ میرے جسم کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیں۔ مگر میں اسلام قبول کرنے سے صاف صاف انکار کر دوں گی اور ہمیشہ اپنے مذہب پر قائم رہوں گی۔ لیکن میرے اس ثابت قدمی کے فیصلہ کے برعکس ہوا یہ کہ کسی نے بھی مجھ سے مذہب کے بارے میں کچھ بھی تو نہ کہا۔ مجھے کسی نے اسلام قبول کرنے کی نہ تو دعوت دی اور نہ ہی مجبور کیا۔ میرے ابتدائی چند روز اسی قسم کی باتیں سوچتے ہوئے گزرے، پھر جب میری اضطراری حالت میں قدرے سکون ہوا اور مجھے اپنے اور اپنے آقا سردار کمال الدین کے

روز و شب کے حالات پر غور و فکر کا موقع فراہم ہوا تو آہستہ آہستہ میرے بیجا اور فضول تعصب کی آگ سرد ہوتی گئی اور میری عقل و دانش پر باطل ہندو مذہب کے جو پردے پڑے ہوئے تھے، ہولے ہولے اٹھنے لگے تو مجھ پر یہ حقیقت روزِ روشن کی طرح عیاں ہو گئی کہ اگر مذاہب عالم میں کوئی سچا اور مکمل مذہب ہے تو وہ صرف اور صرف مذہبِ اسلام ہے جو سردار کمال الدین کا بھی مذہب ہے۔ میں نے بنظرِ غور دیکھا اور مجھے متعدد بار اس کا عملی تجربہ ہوا کہ سردار کمال الدین اپنے ہر قول و فعل میں احکامِ الٰہی کی پوری پوری پابندی کرتے ہیں۔ وہ جس طرح خلوصِ دل سے خدا کی عبادت کرتے ہیں اسی طرح خدا کے بندوں کے معاشرتی امور میں حق و انصاف کو ملحوظِ خاطر رکھتے ہیں۔ میں نے ایک روز بڑی جرأت سے کام لیتے ہوئے جب ان سے یہ کہا کہ آپ اپنے قول و فعل میں احکامِ خداوندی کا اس قدر خیال رکھتے ہیں کہ آپ کی ذات ہمہ اقسام نیکیوں کا سرچشمہ قرار دی جا سکتی ہے۔

میری یہ بات سُن کر سردار کمال الدین نے آنکھوں میں آنسو لا کر کہا کہ تمہارا تو یہ خیال ہے، لیکن میری کیفیت یہ ہے کہ مجھے ہر لمحہ یہ فکر رہتی ہے اور میں سخت مضطرب رہتا ہوں کہ میرے اعمال جو میری کوشش کے باوجود اسلام کے زریں اصولوں کے عین مطابق سرزد نہیں ہوتے، کہیں آخرت میں میرے سدِ راہ نہ ہوں اور مجھے اللہ تعالیٰ کے روبرو ندامت و مصیبت میں گرفتار نہ کر دیں۔

سردار کمال الدین کی زبانی یہ الفاظ سُن کر میری تو آنکھیں کھل گئیں اور میں نے خیال کیا کہ واقعی اللہ سب سے بڑا ہے اور یہ اللہ کے انسانوں کو عطا کردہ سچے مذہبِ اسلام ہی کا کرشمہ ہے کہ ایک ایسا پاک طینت انسان بھی جس کا ہر قول و فعل اسلام کے عین مطابق ہے، اپنی نیکیوں اور اچھائیوں پر مغرور ہونے کے بجائے کسرِ نفسی سے کام لیتا ہے اور اپنی ذات کو اسلام کے سانچے میں زیادہ سے زیادہ ڈھالنے میں کوشاں ہے۔ اس

کے بعد میں اپنے قومی تعصّب کو ترک کرنے پر مجبور ہوگئی اور یہ بات میری سمجھ میں آگئی کہ ایک نظام جس کے ہندو نمائندہ ہیں، دیمک زدہ اور بوسیدہ ہے اور دوسرا نظام جسے مسلمان پیش کرتے ہیں زندگی سے ہم آہنگ ہے اور انسان کو پاکیزہ اور متمدن زندگی بسر کرنے کا درس دیتا ہے۔ اس کے بعد میں نے اسلام قبول کر لیا۔ اب میری زندگی، میری عبادت اور میری موت سبھی کچھ خدائے وحدہٗ لاشریک کے لئے ہے اور میں کسی کو بھی خواہ وہ پیغمبر ہو یا ولی اللہ تعالیٰ کا شریک نہیں ٹھہراتی۔"

"سردار کمال الدین بلاشک وشبہ ایک پاکیزہ اطوار، نیک نفس انسان ہیں، مجھے ابھی ان کے مکمل حالات سے آگاہی حاصل نہیں ہے" ——— راجکماری نے کہا "مگر وہ حالات جو تم نے ابھی ابھی بیان کئے ہیں، اگر درست ہیں تو ان سے پتہ چلتا ہے کہ کمال الدین ایک دنیادار مذہبی انسان ہیں، جو ایک بالکل نئی، مشکل اور عجیب بات ہے۔ اس کے ساتھ ہی میں یہ بھی کہوں گی کہ اگر کمال الدین پر یہ اثرات اسلام نے مرتب کئے ہیں تو واقعی اسلام اللہ تعالیٰ کے انعامات میں سے ایک انعام ہے جو انسانوں کو عطا ہوا ہے۔"

"میں نے آپ سے جو کچھ بیان کیا ہے اس کا ایک ایک حرف درست ہے" ——— عورت نے کہا "میں ایسی بے سمجھ نہیں ہوں کہ سردار کمال الدین کے متعلق آپ سے غلط بیانی کروں، کیونکہ میں واقف ہوں کہ آپ کو بطاہر طویل عرصہ تک یہاں مقیم رہنا پڑے گا اور اس دوران لازماً آپ سردار کمال الدین کی روز و شب کی مصروفیات اور عادات و اطوار سے واقف ہو جائیں گی اور خود سے ان کے طرزِ عمل کا بھی جائزہ لیں گی ——— اس صورت احوال کے تحت میں ان کے بارے میں جھوٹ بول کر خود کو آپ کی نظروں میں ایک دروغ گو ذلیل عورت کی حیثیت سے پیش نہیں کر سکتی۔"

"میں ہرگز یہ سوچ بھی نہیں سکتی" ——— راجکماری نے کہا "کہ تم نے مجھ سے غلط بیانی کی ہے۔"

پھر قدرے توقف کے بعد راجکماری نے مسکراتے ہوئے کہا ———

"بہن! تم اگرچہ اسلام قبول کر چکی ہو، لیکن تم پر تمہارے پرانے مذہب کی صداقت و راست بازی کا کچھ نہ کچھ اثر تو اب بھی باقی ہوگا۔"

"میں اپنے پرانے مذہب کی حقیقت سے آپ کی بہ نسبت زیادہ باخبر ہوں" ——— عورت نے کہا "لیکن بہتر یہی ہے کہ اب ہم مذہبی گفتگو کو ختم کر دیں۔ آپ چونکہ اسلام کی حقانیت، صداقت اور اس کے زرّیں اصولوں سے قطعی ناواقف ہیں، اس لئے آپ جو چاہیں کہیں، میں اس سلسلے میں خاموش ہی رہوں گی۔"

"مجھے تمہارے اسلام لانے میں قدرے شبہ تھا، لیکن اب میں دیکھتی ہوں" ——— راجکماری نے کہا "کہ تم صحیح معنوں میں پکّی مسلمان ہو چکی ہو، کیونکہ اب تو تم اپنے آبائی مذہب کا نام تک لینا پسند نہیں کرتی۔ بُرا نہ مان جانا، میرے خیال میں تمہیں اپنے آبائی مذہب سے اس قدر بے اعتنائی ظاہر نہیں کرنی چاہیئے۔"

"اپنے آبائی مذہب کا نام لینے میں کوئی حرج نہیں" ——— عورت نے کہا "مگر میں یہ ضرور کہوں گی کہ مذہبی معاملے میں زیادہ خوش فہمی کسی طرح بھی مناسب قرار نہیں دی جا سکتی۔ چلئے ہم یہ قصّہ ختم کرتی ہیں۔ آپ کا مذہب آپ کو اور میرا مذہب مجھے مبارک رہے۔ اچھا اب آپ میرٹھ کے تازہ حالات بیان کریں تاکہ کچھ وقت ماضی کی یادوں میں گزر جائے۔"

راجکماری مسکرا کر بولی ——— "اب تمہارا میرٹھ سے کوئی واسطہ نہیں رہا۔ اگر بھگوان ہندوؤں کو فتح نصیب کرتا اور تم میری طرح بحیثیت قیدی مجھ سے ملتیں، تو میرٹھ کے حالات سے آگاہی حاصل کر کے تمہارا کچھ وقت ماضی کی یاد میں گزر جاتا۔ اب

تم ماضی کو کیا خاک یاد کرو گی۔"

"آپ تو عجیب ظریفانہ مزاج کی مالک ہیں" ——— عورت نے کہا "آپ کی حالت تو یہ ہے کہ آپ گرفتار ہیں۔ رنج و غم میں مبتلا ہیں، مگر آپ کی زندہ دلی کا وہی عالم ہے جو آزادی میں ہوگا۔ پھر بھلا یہ تو سوچیے کہ خدانخواستہ میرے دشمن اگر بحیثیت قیدی ہندوؤں کے ہاتھ آ بھی جاتے تو میں آپ سے میرٹھ کے حالات سُن کر خوش ہونے کے لئے کیونکر مل سکتی تھی کیونکہ مجھ میں ایسی کوئی خوبی نہ تھی جو مجھے آپ تک پہنچا دیتی، اس کے برعکس ہوتا یہ کہ جو حال سارے مسلمان قیدیوں کا ہوتا، وہی میرا بھی ہوتا۔"

"کیا قید ہونے کے بعد بھی تم اپنے اسلام پر قائم رہتیں" ——— راجکماری نے کہا۔ "اگر تمہارا جواب "ہاں" میں ہے تو میں کہوں گی کہ میں اس قدر بھی بے وقوف نہیں ہوں کہ تمہاری اس بات کو بھی سچ سمجھ لوں۔ آخر میں بھی تو تمہارے سابق مذہب کی ماننے والی ہوں اور میرا شمار تم ہی میں ہوتا ہے۔"

"غضب خدا کا، اگر تمہارا یہ خیال ہے" ——— عورت نے کہا "کہ میں قید کی تکلیفوں سے گھبرا کر اسلام کو ترک کر دیتی تو تم نے یہ بچکانہ بات کی ہے یا تم مجھ سے دل لگی کر رہی ہو۔ یہ تمہاری نادانی کا بیّن ثبوت ہے کہ تم ایسا سمجھتی ہو۔ میں کسی کے ظلم و ستم سے گھبرا کر اسلام نہیں لائی نہ میں نے قید و بند کی تکلیفوں سے اسلام قبول کیا ہے، میں بہ رضا و رغبت اپنی خوشی سے اسلام لائی ہوں۔ اسلام کی حقانیّت نے میرے دل اور میری روح کو اپنے قبضہ میں لے لیا ہے اور خدا کے اس سچّے دین کی صداقت اور اچھائیاں مجھ پر اچھی طرح واضح ہو چکی ہیں اور مذہب اسلام کی محبت میرے دل و دماغ پر چھائی ہوئی ہے۔ اگر ایک قیدی کی حیثیت سے مجھے میرٹھ لے جایا جائے اور وہاں میرٹھ کی حکومت بھی مجھے دے

دی جائے اور کہا جائے کہ میں معاذ اللہ دینِ اسلام کو ترک کر کے ہندو مذہب اختیار کر لوں تو میں میرٹھ کی حکومت پر مسلمان کی حیثیت سے قیدی بن کر رہنے کو ترجیح دوں گی۔"

اس نو مسلم عورت کی پُرجوش تقریر ابھی مکمل نہ ہوئی تھی کہ کمال الدین نے کمرے کے دروازے پر پہنچ کر سکینہ ..... سکینہ کی آوازیں دیں۔ یہ سُن کر عورت کی زبان سے بے ساختہ لبیک نکلا اور وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ راجکماری نے فوراً اس کا ہاتھ پکڑ کر کہا "کیا تمہیں پکارا جا رہا ہے؟"

اس نے کہا ——— "جی ہاں! مجھے پکارا گیا ہے۔"

یہ سُن کر راجکماری بھی اٹھ کھڑی ہوئی اور سکینہ کے ہمراہ کمرے کے دروازے پر آ گئی۔

"راجکماری! کیا تم اب تک بیدار ہو؟" ——— سردار کمال نے کہا،

"سوئی نہیں؟"

"میں نے کوشش تو بہت کی تھی" ——— راجکماری نے کہا "کہ کچھ دیر سو رہوں مگر پتہ نہیں، میری نیند کون چُرا لے گیا ہے کہ نیند میری آنکھوں سے کوسوں دُور ہے۔ میں اب تک جاگ رہی ہوں اور ان سے باتوں میں مصروف ہوں۔"

"میں خود کافی دیر سے اُلجھن میں گرفتار ہوں" ——— سردار کمال نے کہا "اور اس وقت محض یہ دیکھنے آیا ہوں کہ تم جاگ رہی ہو یا سو چکی ہو، میں تم سے چند ضروری باتیں دریافت کرنا چاہتا ہوں اور امید رکھتا ہوں کہ چونکہ تمہارے بارے میں میری رائے اچھی ہے۔ اس لئے تم مجھے سارا حال سچ سچ بتا دو گی۔"

"آپ مجھ پر اعتماد کر سکتے ہیں" ——— راجکماری نے کہا "میں آپ کو کوئی غلط بات نہ بتاؤں گی۔ میں قسم کھا کر کہتی ہوں کہ آپ جو کچھ پوچھیں گے، میں اپنی

معلومات کے تحت آپ کو درست اور صحیح حالات سے مطلع کروں گی۔ کیونکہ میں آپ کو ایک واجب الاحترام انسان تصوّر کرتی ہوں۔"

"مَیں صرف یہ دریافت کرنا چاہتا ہوں" ——— سردار کمال نے کہا "کہ کیا دہلی میں بھی مسلمانوں پر ظلم وستم روا رکھے جاتے ہیں اور کیا دہلی میں بھی مسلمان قیدی موجود ہیں۔ علاوہ ازیں میرٹھ اور دہلی کے باغیوں کو کس کی شہ نے مسلمانوں کے مقابلے میں لا کھڑا کیا ہے؟ اور مسلمانوں پر سب سے زیادہ ظلم وستم کس خطۂ زمین پر روا رکھے جا رہے ہیں"۔

یہ سُن کر راجکماری نے سر جھکا لیا تو اس کے چہرے پر ندامت کے آثار صاف نظر آنے لگے۔ وہ بولی ——— "اس سلسلے میں مجھے مفصل حالات تو معلوم نہیں، البتّہ یہ ضرور علم ہے کہ دہلی میں بھی مسلمان قیدی موجود ہیں اور ان کی حالت کافی ابتر ہے۔ باقی رہا باغیوں کو کس کی شہ ہے تو یہ بات بالکل صاف ہے۔ راجہ پرتھوی راج چوہان کے بھائی بند اور دوسرے رشتہ دار مثلاً والیٔ قنوج جے چند وغیرہ اس ملک کے مختلف علاقوں کے حاکم ہیں اور وہ سب کے سب مسلمانوں سے شدید نفرت بھی کرتے ہیں، اس لئے وہ لامحالہ بغاوت ہی کریں گے۔ سُنا ہے ان سب باغیوں کی سرپرستی قنوج کے راجہ جے چند کر رہے ہیں"۔

اس کے جواب میں کمال الدین نے بڑے اطمینان سے کہا ——— "ہم انشاء اللہ العزیز دہلی سے بھی اپنے مسلمان بھائیوں کو قید سے چھڑا لیں گے اور سارے باغیوں کا بھی قلع قمع کر دیں گے۔ علاوہ ازیں مناسب وقت پر والیٔ قنوج جے چند کی بھی گوشمالی کی جائے گی" ——— پھر قدرے توقف کے بعد کمال الدین دوبارہ بولا ——— "راجکماری چونکہ ہمیں قرائن سے معلوم ہوا ہے کہ تمہارا تعلق کسی معزز خاندان سے ہے اور تم ایک سمجھدار لڑکی ہو اس لئے تم کو قید میں بھی آزادی

دے دی گئی ہے۔ کیونکہ ہم مسلمانوں کو بڑے واضح الفاظ میں یہ ہدایت کی گئی ہے "ارحموا عزیز قوم ذلّ" (جو عزت دار انقلاب ایّام کے تحت ذلّت میں مبتلا ہو گیا ہو اس پر رحم کرو۔) تم کو ہماری طرف سے جس رعایت و مروت کے سلوک کا مستحق قرار دیا گیا ہے، وہ اسلام کے اسی اصول کے تحت ہے۔ گو ہم ایک قسم کی رعایت عموماً ہر قیدی کے ساتھ کرتے ہیں، لیکن جس مزید رعایت کا مستحق تمہیں سمجھا گیا ہے اس کی وجہ یہی ہے کہ بظاہر تم اپنی قوم کی ایک شریف اور معزز فرد معلوم ہوتی ہو۔ اب آخر میں مجھے تم سے صرف یہی کہنا ہے کہ میں آج تم سے چند دنوں یا پھر چند ہفتوں کے لئے رخصت ہو رہا ہوں۔ اگر تم پسند کرو تو سکینہ تمہارے ساتھ قیام کرے اور ہمیشہ تمہاری خدمت میں حاضر رہے۔ وہ ایک نہایت سلیقہ شعار اور دانا عورت ہے۔ مجھے یقین ہے کہ اس کی قربت تمہاری دلچسپی کا باعث ہوگی اور وہ تمہاری خدمت میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کرے گی"۔

یہ سُن کر راجکماری نے بے ساختہ کہا ——— "آہ! یہ بھی میری بدقسمتی ہی ہے کہ اسیری کے ان ایّام میں آپ سا ہمدرد اور شریف محسن بھی مجھ سے جُدا ہو رہا ہے"۔

"یہ درست ہے کہ ڈوبتے ہوئے کو تنکے کا سہارا بھی غنیمت معلوم ہوتا ہے"۔ ——— سردار کمال نے کہا "مگر حقیقت یہ ہے کہ مجھے کوئی اہمیت حاصل نہیں ہے، ہمارے نیک دل اور نیک اطوار سپہ سالار ملک قطب الدین ایبک کی عمر خدا دراز کرے، وہ ایک دردمند متحمل مزاج اور دانا و فرزانہ امیر ہیں۔ یہ ان کی مہربانی ہے کہ انہوں نے تمہیں میری تحویل میں دے دیا ہے اور میں انشاء اللہ العزیز تمہیں کبھی کوئی تکلیف نہ ہونے دونگا"۔

راجکماری نے بڑی مشکل سے اپنے آنسو ضبط کر رکھے تھے۔ وہ آہستہ سے بولی ——— "اچھا تو آپ سکینہ بہن کو ہدایت کر دیں کہ وہ میرے ساتھ قیام پذیر ہوں اور مجھ سے کسی لمحہ الگ نہ ہوں"۔

"مناسب ہے میں سکینہ کو تاکید کئے دیتا ہوں" ــــــــ سردار کمال نے کہا "کہ وہ میری واپسی تک کسی بھی لمحہ تم سے الگ نہ ہو، ہمیشہ تمہارے ساتھ رہے"۔

اس کے بعد سردار کمال الدین سمرقندی، راجکماری رتن بائی سے رخصت ہوا تو راجکماری کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے اور وہ آنسو بہاتی ہوئی اپنے کمرے میں چلی گئی۔

کمال نے سکینہ کو الگ لے جا کر کہا ــــــــ "سکینہ! گو ابھی تک راجکماری نے تسلیم نہیں کیا تاہم میرا خیال یہی ہے کہ وہ کسی معزز خاندان کی بیٹی ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ ہمیں اُس کے عوض کبھی مسلمان قیدیوں کو واپس لینے کی ضرورت محسوس ہو اور اُس وقت یہ ہمارے لئے مفید ثابت ہو۔ مجھے یقین ہے کہ تم اپنی ہر ممکن کوشش کرو گی کہ اُس کی دل آزاری نہ ہو اور وہ ہمارے ہاں اپنے گھر کی طرح آرام پائے۔ البتہ مسلمانوں کے عسکری حالات اور مالی و ملکی انتظامات کے بارے میں اگر راجکماری تم سے کبھی کچھ پوچھنا چاہے تو تم خوش اسلوبی سے اس معاملہ کو ٹال دینا اور کبھی بھول کر بھی راجکماری سے مذہبی بحث نہ کرنا۔ علاوہ ازیں بطور خاص اس کا خیال رکھنا کہ میرٹھ اور دہلی کی کوئی ہندو عورت اس سے ملاقات نہ کر سکے۔ خواہ وہ عورت کوئی بھی ہو اس کی راجکماری سے ملاقات نہ کرائی جائے، کیونکہ اس ملاقات یا ملاقاتوں کے نتائج اچھے نہیں نکل سکتے۔ باقی تم واقف ہی ہو کہ کس طرح ہوشیار رہو گی اور پوری پوری احتیاط کو ملحوظِ خاطر رکھو گی"۔

سردار کمال الدین سمرقندی اسی قسم کی چند مزید ہدایات دے کر قصر سے باہر کی سمت روانہ ہو گیا۔

ــــــــ ☆ ــــــــ

باب ۶

مشورے

سردار کمال الدین سمرقندی کو قصر سے باہر نکلنے پر معلوم ہوا کہ اس وقت دارالامارۃ میں سارے عمائد اور فوج کے اعلیٰ افسر جمع ہیں۔ سردار کمال سپہ سالار قطب الدین ایبک کے پاس گیا اور اس صورتِ حال کی اطلاع دی۔ قطب الدین ایبک فی الفور روانہ ہوا اور کمال سے باتیں کرتے ہوئے اس وسیع و عریض ہال میں آ گیا جہاں سب لوگ جمع تھے، قطب الدین ایبک پر نظر پڑتے ہی سب لوگ تعظیم کے لئے کھڑے ہو گئے اور جب ایبک اپنی سب سے بلند جگہ پر بیٹھ گیا تو سارے عمائدین اور افسرانِ فوج بھی بالترتیب اپنی اپنی جگہ پر بیٹھ گئے۔ قدرے خاموشی کے بعد سردار کمال نے سپہ سالار قطب الدین ایبک کے اشارے سے حاضرین سے مخاطب ہو کر ایک مختصر سی تقریر کی۔ جس میں بتایا کہ اس وقت دہلی میں بھی مسلمان قیدی موجود ہیں اور ان کی حالت ابتر ہے۔ علاوہ ازیں باغیوں کی روز افزوں بڑھتی ہوئی سرگرمیوں کا سبب یہ ہے کہ یہ پرتھوی راج چوہان کے بھائی بند اور دوسرے رشتہ دار ہیں، جنہیں مسلمانوں سے شدید نفرت ہے اور ان باغیوں کی سرپرستی قنوج کا راجہ جے چند کر رہا ہے۔

سردار کمال الدین نے کچھ راجکماری سے سُنا ہوا حال اور کچھ اپنی معلومات سے اخذ کردہ حالات ایسے مؤثر الفاظ میں بیان کئے کہ سننے والے سخت مضطرب نظر

آنے لگے۔ اسلامی غیرت نے سارے مسلمانوں کے دلوں میں قومی حمیّت وحمایت کی تازہ رُوح پھونک دی اور ان کی رگوں میں خون کی رفتار تیز سے تیز تر ہو گئی اور وہ میدانِ جنگ میں دشمن کفّار سے دو دو ہاتھ کرنے کے لئے بے تاب ہو گئے۔

سارے فوجی افسروں نے باتفاق سپہ سالار قطب الدین ایبک سے درخواست کی کہ سب سے پہلے قنوج کے راجہ جے چند کو اس کی سازشوں اور باغیوں کو شہ دینے کے سلسلے میں سزا دی جائے اور بلا تاخیر قنوج پر حملہ کر دیا جائے۔ اس کے بعد دہلی کے راجہ اور دوسرے باغیوں کا قلع قمع کرنے کے لئے ان پر حملہ کر دیا جائے۔ افسروں کا کہنا تھا کہ وہ ایسے اسلامی بھائی چارے اور انصاف و مروت کے خلاف سمجھتے ہیں کہ وہ چند شہروں اور قلعوں کی فتح پر مطمئن ہو کر مزے سے ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہیں اور ہندو راجاؤں کے علاقوں میں مسلمانوں پر ظلم وستم کے پہاڑ ڈھائے جائیں اور انہیں قیدی بنا کر ذلیل وخوار کیا جائے۔

ملک قطب الدین ایبک نے اپنی فوج کے افسروں کی پُرجوش تقریر سُن کر اظہارِ مُسرّت کیا اور اُن کی ہمت اور حوصلے کی داد دیتے ہوئے کہا:۔

"مجھے تم سب لوگوں کی اس رائے سے اتفاق ہے کہ سب سے پہلے جے چند والیٔ قنوج پر حملہ کر کے اُسے قرار واقعی سزا دی جائے، لیکن میرا سردار کمال الدین سمرقندی مجھے اس اقدام سے روکتا ہے۔ اس کی رائے ہے کہ ہمیں سب سے پہلے دہلی پر حملہ کر کے اس علاقہ اور آس پاس کے مسلمانوں کو تحفظ دینا چاہیئے اور اس کے بعد قنوج کی طرف رُخ کرنا چاہیئے، کیونکہ کمال سمرقندی کے خیال میں ہندوستان میں قنوج کو بڑی اہمیّت حاصل ہے۔ قنوج کا راجہ ہندوستان کا عظیم ترین حکمران تسلیم کیا جاتا ہے اور ایک وسیع وعریض علاقہ پر اس کی فرمانروائی کا سکہ چلتا ہے۔ والیٔ قنوج جے چند

ہی نے میرٹھ کے راجہ کو ساتھ ملا کر بغاوت پر ابھارا تھا۔ اب میرٹھ کے راجہ کی شکست سے وہ اور بپھر گیا ہے اور اُس نے پرتھوی راج کے بیٹے کو جس نے خود اپنی جان کے عوض دہلی کی سلطنت سلطان غوری کے حوالے کی تھی، سرکشی کی ترغیب دی ہے، اُسے گوالیار، بدائیوں، اودھ اور بہار تک کے راجاؤں کی امداد حاصل ہے، اب وہ مسلمانوں سے قریبی طور پر خطرہ محسوس کر کے جنگ کی تیاریاں کر رہا ہے۔ ترائن کی بڑی جنگ میں شکست کھانے کے بعد اب ہندو پوری قوّت سے اٹھیں گے اور زیادہ لشکر اور ساز وسامان کے ساتھ جنگ کریں گے"۔

ملک قطب الدین ایبک قدرے خاموشی کے بعد دوبارہ بولا:۔

"میرے سردار کمال سمرقندی کی رائے ہے کہ ہمیں جے چند کی جنگی تیاریوں کی خبر سلطان محمد غوری کو غزنی بھیجنی چاہیئے اور سلطان کی رکاب میں رہ کر قنوج کے راجہ کو لڑائی میں شکست دینی چاہیئے ——

میری رائے میں سردار کمال سمرقندی کا یہ مشورہ نہایت مناسب ہے۔ ہمیں اس پر عمل کرنا چاہیئے اور سلطان محمد غوری کی آمد ہندوستان سے قبل جہاں تک ممکن ہو، دوسرے باغیوں پر حملہ کر کے ان کی بیخ کنی کے کام میں مصروف رہنا چاہیئے، کیونکہ سلطان کی آمد سے قبل طویل مدت تک جنگ کو ملتوی رکھنا اور بیکار پڑے رہنا یقیناً بزدلی کی بات ہے"۔

یہ کہہ کر ملک قطب الدین ایبک نے سردار کمال الدین سمرقندی کی طرف دیکھا، تو کمال نے اپنی جگہ پر کھڑے ہو کر کہا:۔

"میری ناقص رائے میں اس وقت قنوج پر حملہ کرنے کی بجائے ہمیں دہلی کے راجہ کی خبر لینی چاہیئے، محترم سپہ سالار کی اجازت سے آج ہی ایک

قاصد غزنی بھیج دیا جاتا ہے۔ قاصد کے غزنی پہنچنے کے بعد انشاءاللہ تعالیٰ حضور سلطان محمد غوری جلد سے جلد ہندوستان کی طرف روانہ ہو جائیں گے اور ہمیں حسب ضرورت کمک مل جائے گی۔ اس دوران جے چند والیٔ قنوج نہ تو آسمان کی بلندیوں میں غائب ہو جائے گا اور نہ زمین کی اتھاہ گہرائیوں میں غرق ہو جائے گا اور نہ قنوج سے چند روز جنگ کو ملتوی رکھنے سے ہم کفار سے جہاد کرنے کے دعوؤں میں باطل قرار پائیں گے، نہ تو ہم میں کوئی تبدیلی واقع ہو جائے گی اور نہ ہمارا سچا جوش و خروش غفلت کی نیند سو جائے گا۔ موجودہ حالات میں ہمارے لئے مناسب یہی ہے کہ دہلی پر حملہ آور ہوں اور کفار کے اس ٹھکانے کو ختم کر کے دہلی کے مسلمانوں کو تحفظ دیں۔ گو ہمارا دشمن قریب ہے اور قوی بھی ہے لیکن ہمیں اپنے خدا کی مدد و حمایت پر بھروسہ کرتے ہوئے دہلی پر حملہ کر دینا چاہیئے۔"

اگرچہ فوج کے افسروں اور عمائدین کا جوش سردار کمال الدین سمرقندی کی اس تقریر سے کم نہ ہوا۔ لیکن آخرکار باتفاق قطب الدین ایبک کے تمام اہل الرائے اور خود ایبک نے اس حقیقت کو تسلیم کر لیا کہ بحالت موجودہ سلطان محمد غوری کے بغیر قنوج پر حملہ کرنا خود کو خواہ مخواہ ہلاکت کے خونخوار دریا کی نذر کرنا ہے۔ چنانچہ سردار کمال کو اجازت دی گئی کہ وہ بلا تاخیر ایک معتبر قاصد کو سلطان محمد غوری کی خدمت میں بھیج کر قنوج کی صورتِ حال سے آگاہ کرے اور دہلی پر چڑھائی کے لئے فوج کے ساتھ کل علی الصبح میرٹھ سے کوچ کر دے۔

سردار کمال الدین سمرقندی نے اُسی وقت فوج کے دو بہادر افسروں کو ایک دستہ فوج کے ساتھ قلعہ میرٹھ کی حفاظت پر مامور کیا اور اپنے کئی آدمیوں کی میرٹھ کی اطراف سے سامان رسد جمع کرنے کی ہدایت کی اور سب کو کام تقسیم کر دیئے۔ مجلس

برخاست ہونے سے قبل سردار کمال نے ایک ہوشیار، بہادر اور معتبر قاصد کو ایبک کے خط کے ساتھ سلطان محمد غوری کی خدمت میں روانہ کر دیا۔ خط میں ہندوستان کی صورتِ حال اور راجہ جے چند والیٔ قنوج کی مذموم سرگرمیوں کا مفصل حال درج تھا اور سلطان سے استدعا کی گئی تھی کہ وہ کفار کی سرکوبی کے لئے ہندوستان تشریف لائے۔

ملک قطب الدین ایبک کے معتمد سردار کمال الدین سمرقندی نے اپنے آدمیوں کی وساطت سے دن بھر میں اطراف سے سامانِ رسد بھی جمع کر لیا اور جنگی ساز و سامان بھی فراہم کر لیا۔ پھر سردار کمال کا رات کا زیادہ حصّہ ملک قطب الدین ایبک کے ساتھ صلاح و مشورے میں گزرا اور نمازِ فجر کی ادائیگی کے بعد قطب الدین ایبک کا لشکر میرٹھ سے دہلی کی طرف روانہ ہوا۔

باب ۷

سردار کمال الدین سمرقندی کی بہادری

۱۱۹۲ء کی ایک صبح ملک قطب الدین ایبک کا لشکر میرٹھ سے روانہ ہو کر منزلیں مارتا ہوا دہلی کے قریب پہنچ گیا۔ دہلی کے والی نے (جو پرتھوی راج کا بیٹا تھا) خود میں مقابلے کی سکت نہ دیکھی تو قلعہ میں محصور ہو کر بیٹھ گیا۔ قطب الدین ایبک نے قلعہ دہلی کا محاصرہ کر لیا اور اس کی فوجیں مناسب مقامات پر مورچے قائم کر کے بیٹھ گئیں۔

قطب الدین ایبک کی فوج نے قلعہ کا محاصرہ کر رکھا تھا کہ محصورین نے ایک روز قلعہ کا دروازہ کھول کر مسلمانوں پر حملہ کیا۔ ایک جیش کا سالار سردار کمال الدین سمرقندی مقابلے کے لئے آگے بڑھا اور محصورین کو شکست دے کر لوٹ جانے پر مجبور کر دیا اور خود بھی اپنے سپاہیوں کے ساتھ ان کے پیچھے پیچھے قلعہ کے اندر پہنچ گیا۔ وہ لڑائی میں اس قدر محو تھا کہ اسے بالکل خبر نہ ہو سکی کہ وہ اپنے چار پانچ سپاہیوں کے ساتھ قلعہ کے اندر ہے اور اس کا پورا جیش باہر رہ گیا ہے، لیکن وہ اس صورت حال سے گھبرایا نہیں، اپنے چار پانچ ساتھیوں کے ہمراہ قلعہ میں لڑتا رہا۔ ہر طرف سے اس پر تیروں اور پتھروں کی بارش ہو رہی تھی اور اس کے ساتھی جانبازی کے جوہر دکھا رہے تھے۔

جلد ہی اس کے جیش کو پتہ چل گیا کہ ان کا سالار قلعہ میں چار پانچ رفیقوں کے

ساتھ کفّار سے جنگ آزما ہے۔ کمال سمرقندی کی جوانمردی کی اس یگانہ مثال نے ساتھیوں میں ایسا جوش پیدا کر دیا کہ وہ ہر خطرے سے بے پروا ہو کر لڑتے مرتے مارتے قلعہ کے اندر داخل ہو گئے۔

قطب الدین ایبک کو اس صورت حال کا علم ہوا تو وہ کمال کے جیش کی مدد کے لئے پہنچ گیا اور قلعہ میں داخل ہو کر بڑی مردانگی سے لڑا۔ کچھ دیر کی لڑائی کے بعد ایبک نے دشمن فوج کے ایک مضبوط مورچے پر ایک زبردست حملہ کیا۔ جس میں اس کا گھوڑا مارا گیا اور وہ خود موت کے منہ میں پہنچ گیا۔ عین اس حالت میں ایک سپاہی نے اپنا گھوڑا پیش کر دیا۔ تھوڑی ہی دیر میں دشمن فوج کا سپہ سالار مارا گیا اور دشمن کا لشکر میدانِ کارزار سے بھاگ نکلا۔ کفار بڑی تعداد میں تہ تیغ ہوئے۔ قطب الدین ایبک نے دہلی کی فتح کے بعد دہلی کے آس پاس کے علاقوں پر قبضہ کر لیا اور دہلی کے قریب واقع اندر پرستھ کو اپنی حکومت کا صدر مقام بنا لیا۔

دہلی کی فتح کے بعد قطب الدین ایبک کے لشکر نے کول (آج کے علی گڑھ) کا رُخ کیا۔ کول میں کفار کا بہت بڑا لشکر موجود تھا اور اس کے مقابلے میں قطب الدین ایبک کے ساتھ بہت تھوڑی فوج تھی، کیونکہ اُس نے اپنے بعض سرداروں کو کچھ فوج کے ساتھ دہلی کی حفاظت کے لئے پیچھے چھوڑ دیا تھا۔ اس سے پہلے کچھ فوج میرٹھ کی حفاظت کے لئے مامور کی گئی تھی۔ ان اقدامات سے اس کی فوج میں کمی واقع ہو گئی تھی اور سپاہ کی اس کمی نے قطب الدین ایبک کے ساتھیوں کو بہت پریشان کر رکھا تھا۔ ایبک نے حالات کا پورا اندازہ کر کے اپنے آدمیوں کے روبرو ایک ایسی تقریر کی جس کا ایک ایک لفظ تاثیر میں ڈوبا ہوا تھا۔ اس نے کہا:۔

"بہادرو! جو شخص اس دنیا میں پیدا ہوا ہے اور گوشت و پوست کا انسان ہے۔ وہ خواہ کچھ بھی کرے، موت کے چنگل سے نہیں بچ سکتا

اُسے ایک نہ ایک روز ضرور موت کا تر لقمہ بننا پڑے گا۔ اب سوچنے والی بات یہ ہے کہ عزّت کی موت بہتر ہے یا ذلّت کی زندگی؟ ——— ظاہر ہے ہر انسان اس سوال کے جواب میں یہی کہے گا کہ ذلّت کی زندگی سے عزّت کی موت بہتر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہم مسلمانوں پر یہ احسانِ عظیم کیا ہے کہ ہم اللہ کی راہ میں جان دیں تو شہید بنیں گے اور آخرت میں جنت الفردوس میں جگہ ملے گی۔ اگر ہم فتح حاصل کر لیں گے تو غازی کہلائیں گے اور دین کے ساتھ ساتھ یہ دنیا بھی ہماری ہو گی۔ ———

آؤ بہادرو! ہم سب یک دل اور یک زبان ہو کر حلف اٹھائیں کہ جب تک ہمارے دم میں دم ہے، ہم میدان سے پیچھے نہ ہٹیں گے اور عزّت کی موت حاصل کرنے سے دریغ نہ کریں گے۔"

قطب الدین ایبک کی یہ تقریر سنتے ہی سب کے حوصلے بلند ہو گئے۔ جنگ شروع ہوئی تو قطب الدین ایبک نے سب سے پہلے آگے بڑھ کر حملہ کیا۔ ——— لشکرِ کفار جو قلعۂ کول سے باہر لڑ رہا تھا، مقابلے کی تاب نہ لا کر قلعہ میں لوٹ گیا اور محصور ہو گیا۔ چند روز جنگ جاری رہی تو محصورین اپنی کامیابی سے مایوس ہو گئے محصورین کو ایک تو کامیابی کی کوئی امید نظر نہ آتی تھی اور دوسرے چونکہ انہوں نے شہر اور آس پاس کے علاقوں میں آباد اِکّا دُکّا مسلمان گھرانوں کے افراد اور علاقہ میں آنے والے مسلمان سوداگروں کو گرفتار کر کے ان پر بہت مظالم کئے تھے، اس لئے اپنے گناہ کی یاد نے ان پر کپکپی طاری کر رکھی تھی۔ جب محصورین کی تکلیفیں حد سے گزر گئیں، تو وہ قلعہ و شہر حوالے کر دینے پر مجبور ہو گئے۔ آخر کار فریقین میں یہ طے پایا کہ سب لوگ اپنی اپنی حیثیت کے مطابق فدیہ ادا کرنے کے بعد شہر سے زندہ و سلامت نکل جائیں۔ جو لوگ شہر میں سکونت رکھنے کے خواہشمند ہوں۔ ان سے ہرگز ہرگز کوئی ناروا سلوک نہ

کیا جائے گا اور ان کو ان کے حال پر چھوڑ دیا جائے گا۔

ملک قطب الدین ایبک کے اصولوں کے تحت ساری مخالفت اور دشمنی جنگ تک تھی۔ جنگ ختم ہو گئی تو مخالفت اور دشمنی بھی ختم ہو گئی اور سب کے ساتھ نرمی اور مہربانی کا برتاؤ شروع ہو گیا۔ جن لوگوں نے فدیہ کی رقم ادا کر دی، وہ شہر سے نکل کر چلے گئے۔ جو لوگ باقی رہ گئے ان میں سے کثیر تعداد کو ایبک نے معافی دے دی۔

جو ہندو موت کے گھاٹ اتر چکے تھے یا اسیر ہو گئے تھے۔ ان کی بیویاں اور بیٹیاں شہر میں آ گئی تھیں وہ قطب الدین ایبک کی خدمت میں حاضر ہوئیں تو ایبک نے ان سب کے فدیے بھی معاف کر دیئے اور یہ حکم بھی جاری کر دیا کہ ان خواتین کے عزیزوں میں سے جتنے قیدی ہوں ان سب کو رہا کر دیا جائے۔ چنانچہ اس واقعہ کے بعد وہ عورتیں جہاں جہاں گئیں، ایبک کی فیاضی کے قصّے بیان کرتی رہیں۔

قطب الدین ایبک جب بھی کسی شہر پر قبضہ کرتا تھا تو اس بات کو کبھی فراموش نہ کرتا تھا کہ خدا کی سب سے بڑی صفت عدل ہے اور رحم عدل کا تاج ہے۔ اس زمانے میں ظلم و جور عام تھا۔ مفتوحوں پر ہر قسم کی سختیاں روا رکھی جاتی تھیں۔ لیکن قطب الدین ایبک مفتوحہ علاقے کے لوگوں سے نرمی، رحم اور شفقت کا ایسا برتاؤ کرتا تھا کہ اس کی مثال نہیں ملتی۔ چنانچہ کول (علی گڑھ) کے لوگوں سے بھی اس نے بہت عمدہ سلوک کیا۔

قطب الدین ایبک نے کول کی فتح کے بعد اس حصہ ملک کا انتظام اس خوبی سے کیا کہ رعایا اس کے گیت گانے لگی۔ اس نے عام محکمے ہندوؤں ہی کے ہاتھ میں رکھے۔ البتہ نگرانی کے لئے جا بجا مسلمان افسر مقرر کر دیئے۔ غریب کسانوں کی حالت خراب تھی۔ ان کے ساتھ بُرا سلوک ہوتا تھا۔ ایبک نے ایسے سارے قاعدے قانون منسوخ کر دیئے جو مختلف طبقوں میں امتیاز پیدا کرتے تھے اور ظالموں کے ہاتھ دراز کرتے تھے، اس سے عام رعایا بہت خوش ہوئی۔

——— ☆ ———

باب ۸

راجکماری کی تلاش

۱۱۹۲ء کا واقعہ ہے :-

جے چند والیٔ قنوج کی فوج اٹاوہ کے موضع چند وار[1] کے نواح میں مورچے بنائے بیٹھی تھی ——— جے چند پرتھوی راج چوہان کا بھائی تھا ——— راجپوت تھا۔ ہندو اور ہندوستانی تھا ——— اس لئے پرتھوی راج چوہان کی شکست اور موت سے بڑا متاثر ہوا تھا۔ سلطان شہاب الدین محمد غوری کی غزنی روانگی کے بعد جب قطب الدین ایبک نے قلعوں پر قلعے فتح کرنے شروع کر دیئے تو جے چند نے بھی مسلمانوں سے شدید خطرہ محسوس کیا۔ اس لئے اس نے جنگ کی تیاری شروع کر دی۔ اسی نے پرتھوی راج کے بیٹے کو سرکشی کی ترغیب دی تھی اور میرٹھ کے راجہ کو بھی اپنے ساتھ ملا لیا تھا۔ پھر میرٹھ کے راجہ کی شکست اور دہلی کے سرنگوں ہونے سے جے چند اور بپھر گیا اور جنگ کی تیاریاں کرنے لگا تھا۔

اس وقت جے چند کے خیمہ زن لشکر میں میرٹھ اور دہلی کی فوج کے شکست خوردہ مفرور لشکری بھی موجود تھے اور چند روز قبل کی جنگِ کول (علی گڑھ) کے مفرور ہندو

[1] موضع چند وار کو آج چاندپور کہا جاتا ہے۔

فوجی سپاہی بھی شامل تھے۔ علاوہ ازیں جے چند والیٔ قنوج یہ جنگ تنہا نہ لڑ رہا تھا۔ بلکہ اسے گوالیار، بدایوں، اودھ اور بہار تک کے راجاؤں کی عسکری امداد ملی تھی۔ اسے ایک ذی حشم راجہ سمجھا جاتا تھا۔ وہ تین سو سے زائد ہاتھیوں کا مالک بھی تھا۔ اس میدانِ جنگ میں اس کے باجگزار اور حلیف راجے بھی اپنی فوجوں کے ہمراہ اس کے ساتھ تھے۔

جے چند کو اپنے جاسوسوں سے پتہ چل چکا تھا کہ ملک قطب الدین ایبک کے قاصد نے غزنی پہنچ کر سلطان محمد غوری کو ہندوستان کے حالات سے مطلع کیا ہے اور قنوج کے بارے میں خاص طور پر بتایا ہے کہ وہ مسلمانوں کے خلاف سازش کا مرکز بنا ہوا ہے اور والیٔ قنوج جے چند نے میرٹھ، دہلی اور کول (علی گڑھ) کے راجاؤں کو سرکشی کی ترغیب دی تھی۔ قطب الدین ایبک کا قاصد والیٔ قنوج کے خلاف سلطان محمد غوری کے کان بھر چکا ہے اور اب سلطان محمد غوری اپنے لشکرِ جرار کے ساتھ غزنی سے کوچ کر چکا ہے اور بڑی برق رفتاری سے ہندوستان آ رہا ہے۔ جہاں پہنچنے کے بعد وہ دہلی سے ہوتے ہوئے قنوج کی جانب پیش قدمی کرے گا ——— اپنے جاسوسوں کی ان خبروں کے بعد جے چند اپنی اور دوسرے راجاؤں کی فوجوں کے ساتھ چند وار کے نواح میں سلطان محمد غوری کا انتظار کر رہا ہے۔

لشکرِ کفّار کے سپاہی اور افسر اپنی اپنی فرودگاہ میں بیٹھے گپ شپ میں مصروف ہیں کہ اس وقت چند سوار بڑے گھبرائے ہوئے اور مضطرب لشکر میں ہر جگہ چکر لگاتے پھرتے نظر آتے ہیں اور ہر شخص سخت متعجب ہو کر ان کی طرف دیکھ کر رہ جاتا ہے۔ ان سواروں نے متعدد بار لشکر میں اس طرف سے اُس طرف تک (شمال سے جنوب، جنوب سے مشرق اور مشرق سے مغرب کی سمت تک) دیکھتے ہوئے چکّر لگائے اور کہیں کہیں ٹھہر ٹھہر کر لوگوں سے کچھ پوچھا اور باتیں بھی کیں۔ مگر آخر کار وہ مایوس اور ناکام ہو کر گھبراہٹ کے عالم میں ہر چند رائے سابق والیٔ میرٹھ کے خیمے کی طرف چلے گئے۔

خیمہ کے قریب پہنچ کر ایک سوار جو یقیناً افسر تھا، گھوڑے سے اُتر کر خاموش سر جھکائے خیمے میں داخل ہوا۔ ہرچند رائے جو پہلے سے غمگین اور فکرمند بیٹھا تھا، اس کی غمناک اور اُداس صورت دیکھ کر مزید بے چین ہوگیا اور بے قرار ہو کر بولا،

"کیوں خیریت تو ہے، کیا راجکماری رتن بائی کا کوئی سراغ ملا"۔

اُداس افسر نے جواب دیا ——— "مہاراج! سارے لشکر میں کھوج لگایا گیا ہے، سینکڑوں سپاہیوں اور افسروں سے دریافت کیا گیا ہے ——— لیکن ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔"

ہرچند رائے نے بے تاب ہو کر کہا ——— "آخر اُن سواروں میں سے کوئی تو لشکر میں ہوگا جو راجکماری کے ساتھ میرٹھ سے فرار ہوئے تھے"۔

"یہی تو ہمارے لئے تشویش اور فکرمندی کی بات ہے" ——— افسر نے کہا "کہ میرٹھ کی فوج کا کوئی سوار یہ تسلیم نہیں کرتا کہ شکست کے بعد وہ راجکماری کے ساتھ قلعہ سے فرار ہوا تھا"۔

"آہ! ہماری بدنصیبی" ——— ہرچند رائے نے کہا "اپنے سواروں کو ایک بار پھر میرٹھ دہلی اور کول (علی گڑھ) کی طرف دوڑاؤ، شاید کوئی نشان مل جائے یا کوئی ایسا آدمی ہی مل جائے جو راجکماری کے بارے میں کوئی اطلاع دے سکے"۔

"مہاراج! میں آج صبح اپنے سواروں کو دوسری بار میرٹھ، علی گڑھ اور دہلی بھیج چکا ہوں" ——— افسر نے کہا "اور امید رکھتا ہوں کہ اس بار راجکماری صاحبہ بخیر و عافیت انہیں مل جائیں گی اور وہ راجکماری کو اپنے ہمراہ لے کر لوٹیں گے"۔

"ہائے، اب میری بیٹی کا ملنا آسان کام نہیں ہے" ——— ہرچند رائے نے کہا۔

یہ کہہ کر اس نے ٹھنڈی آہ بھری اور اُس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ اس

ضعیفی کے عالم میں اپنی ناز پروردہ بیٹی کی گمشدگی نے اسے حزن و ملال کی زندہ تصویر بنا کر رکھ دیا تھا اور اس سوچ میں محو تھا کہ وہ خود اپنی بیٹی کی گمشدگی کا باعث بنا ہے، نہ وہ جے چند والیٔ قنوج کی ترغیب سے سرکشی اختیار کرتا اور نہ مسلمان اُس پر حملہ کرتے، اس صورت میں اُس کی بیٹی کو شکست کے بعد بھاگنے کی ضرورت محسوس نہ ہوتی اور وہ کبھی گم نہ ہوتی ——— آہ خود کردہ را علاج نیست کے مصداق میں نے جو بویا تھا وہی کاٹ رہا ہوں، آہ میں جو اپنی بیٹی کی چند روزہ مفارقت گوارا نہ کرتا تھا، اب ہمیشہ کے لئے اُس کی جُدائی کا غم سینے سے لگائے رہوں گا ——— آہ میرا تو خیال تھا کہ مسلمانوں کو شکست دے کر اپنی عزت و آبرو میں اضافہ کروں گا اور میرے اہلِ وطن میرے اس کارنامے کے سبب میری عزت و احترام کریں گے۔ لیکن مجھے کیا خبر تھی کہ میری بدنصیبی میرے شریکِ حال ہے۔ اس لئے میری ننگ و ناموس پر حرف گیری ہوگی اور مجھے ذلیل و خوار ہونا پڑے گا۔ آہ میری بیٹی کی جُدائی ہی کیا میرے لئے کم مصیبت تھی کہ ننگ و عار کی پامالی نے میرے دل کو چھلنی چھلنی کر ڈالا ہے۔ افسوس کہ لوگ میرے منہ پر تو میری دِل جوئی کریں گے اور مجھے تسلّی و تشفّی دیں گے کہ جلد ہی تمہاری بیٹی دستیاب ہو جائے گی، لیکن یہی لوگ اپنے دلوں میں اور میری پیٹھ پیچھے یہ کہیں گے کہ اس شخص کو دیکھو اس نے کس جوش و خروش سے مسلمانوں کے خلاف اعلانِ جنگ کیا تھا اور یہی وہ شخص ہے جس نے کیسی بزدلی اور کم عقلی سے اپنی چہیتی بیٹی کو دشمنوں کے حوالے کر دیا ہے اور اس طرح اپنی اور اپنے ملک کی عزت کو خاک میں ملا دیا ہے ——— آہ! اب میں اس قابل نہیں رہا کہ کسی کو منہ دکھاؤں۔

ہرچند رائے ابھی اپنے خیالات میں کھویا ہوا تھا کہ اس کا پرانا رفیق اور فوج کا تجربہ کار افسر مکند لال خیمے میں داخل ہوا اور بڑی عزّت و احترام سے نمستے (سلام)

کہہ کر ہرچند رائے کے سامنے دست بستہ کھڑا ہوگیا اور پھر تسلی آمیز انداز سے بولا ——— "مہاراج! آپ کو اس قدر پریشان نہ ہونا چاہیئے، بلکہ اب تو ہمیں جس قدر جلد ممکن ہو راجکماری صاحبہ کی تلاش میں اپنا زیادہ سے زیادہ وقت صرف کرنا چاہیئے۔ میرا دل تو یہ گواہی دے رہا ہے کہ ہماری راجکماری صاحبہ زندہ وسلامت ہیں اور پرماتما کی کرپا سے وہ دن قریب ہے جب ہم ان کی خیر و عافیت کی خبر سنیں گے اور مہاراج کو ان کی دید سے خوشی ہوگی۔"

"کمند لال! میں حیران ہوں" ——— ہرچند رائے نے کہا۔ "کہ تم جو ایک جہاندیدہ دانا انسان ہو ایسی بے سروپا بات کہہ رہے ہو۔ کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ راجکماری راہ بھول کر بھٹکتی پھرتی ہے کہ تم اُسے تلاش کر کے لے آؤ گے۔ کیا تمہارا یہ خیال ہے کہ وہ مجھ سے ناراض ہو کر کسی جگہ چھپ کر بیٹھ گئی ہے کہ تم اُسے ڈھونڈھ کر منا لاؤ گے۔ افسوس، میری رائے تمہارے خیال کے برعکس ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ اگر میری بیٹی زندہ وسلامت بھی ہے تو بھی کسی ایسی سخت مصیبت میں گرفتار ہے جس سے اب وہ شاید رہائی نہ پا سکے۔"

"غالباً مہاراج کا یہ خیال ہے" ——— کمند لال نے کہا۔ "کہ راجکماری صاحبہ کو مسلمانوں نے گرفتار کر لیا ہے۔ مگر مہاراج! میرا دل اس بات کو قبول نہیں کرتا۔ خیر پہلے اگر آپ کے اس خیال کو درست بھی مان لیا جائے تو بھی میں نہایت ادب سے یہی عرض کروں گا کہ میں راجکماری صاحبہ کی باعزت واپسی سے مایوس نہیں ہوں، مجھے صرف یہ معلوم ہو جائے کہ راجکماری صاحبہ کہاں ہیں اور ان کی کیفیت کیا ہے۔ پھر آپ دیکھیں کہ میں راجکماری صاحبہ کی دستیابی کے لئے کیا کچھ کرتا ہوں۔"

"فرض کرو اگر یہ پتہ بھی چل جائے" ——— ہرچند رائے نے کہا۔ "کہ راجکماری مسلمانوں کی قید میں ہے تو بھی میں اُسے زندہ درگور قرار دینے پر مجبور ہوں اور تم

جانتے ہی ہو کہ کسی زندہ انسان کو گور میں دفن کر دیا جائے تو اس کی زندگی کی امید نہیں رکھی جا سکتی ——— یہ ناممکن ہے کہ مسلمان راجکماری کو اپنی قید سے رہا کر دیں۔ میری رائے میں ہم مسلمانوں سے اس کی رہائی کی کوششوں میں کامیاب نہیں ہو سکتے۔ اگر ہم نے جنگ و جدل سے راجکماری کو مسلمانوں کی قید سے رہا کرانے کی کوشش کی تو نتیجہ میں راجکماری کی مصیبتوں میں اضافہ بھی ہو سکتا ہے اور ہماری کوشش اس کے قتل کا سبب بھی بن سکتی ہے، کیونکہ ان دنوں مسلمان ہمارے دشمن بنے ہوئے ہیں۔ اس صورت میں میں اپنی بیٹی کا خود کو قاتل سمجھوں گا اور زندگی بھر اس پر متاسف رہوں گا۔"

"مہاراج! میں خود اس بات کا مخالف ہوں" ——— کمند لال نے کہا۔ "کہ راجکماری کو مسلمانوں کی قید سے رہا کرانے کے لئے قتل و غارت گری سے کام لیا جائے۔ میں تو ایسے موقع پر نہایت نرمی اور امن و امان سے کام لینے کے حق میں ہوں۔ کاش! ہمیں راجکماری کے بارے میں یہ پتہ چل جائے کہ وہ کہاں ہیں۔"

"کیا تم مسلمانوں سے یہ امید رکھتے ہو" ——— ہرچند رائے نے کہا۔ "کہ اگر راجکماری ان کی اسیری میں دن بسر کر رہی ہے تو وہ نرمی سے اُسے ہمارے حوالے کر دیں گے۔ اگر گذشتہ واقعات کو نظر انداز بھی کر دیا جائے تو ہماری حالیہ لنا وتوں کے پیش نظر کیا یہ امید رکھی جا سکتی ہے کہ مسلمان ہمارے ساتھ ایسی مہربانی کا سلوک کریں گے۔"

"بلاشک و شبہ مجھے یقین ہے" ——— کمند لال نے کہا۔ "کہ اگر راجکماری کو مسلمانوں نے قید کر رکھا ہے تو ہم عاجزی سے درخواست کریں تو وہ ہماری درخواست کو شرف قبولیت بخش کر راجکماری کو ضرور رہا کر دیں۔ مسلمانوں کے سابقہ طرز عمل سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ وہ ہماری درخواست کو رد نہیں کریں گے۔"

"میری سمجھ میں یہ بات نہیں آتی" ——— ہرچند رائے نے کہا۔ "کہ وہ

لوگ جو ان دنوں ہمارے بدترین دشمن ہیں اور جن کو ہماری سازشوں اور بغاوتوں سے شدید تکالیف اور مصیبتوں کا سامنا کرنا پڑا ہے وہ ہمارے ساتھ کیونکر مہر و محبت کا سلوک کریں گے اور اگر ایسا ہو جائے تو میری رائے میں یہ ایک عجیب و غریب واقعہ ہوگا، جسے ہماری قوم اور وطن کے لوگ کبھی درست نہیں سمجھیں گے۔"

"نہیں یہ کوئی عجیب و غریب واقعہ نہیں ہوگا" ——— مکند لال نے کہا: "مسلمان بارہا اپنی انسان دوستی اور بردباری کے ثبوت فراہم کر چکے ہیں۔ تقریباً دو سو سال قبل کا واقعہ ہے:۔

انند پال والی پنجاب نے اپنے باپ جے پال کی شکست اور چتا میں جل مرنے کے بعد پنجاب کا تخت و تاج سنبھالا تھا۔ انند پال سلطان محمود غزنوی کا بدترین دشمن تھا۔ اس کے بزرگوں نے بارہا سلطان محمود غزنوی سے جنگ کر کے شکست کھائی تھی اور بار بار عہد و پیمان کر کے اپنی جانیں بھی بچائی تھیں اور پھر ہمیشہ عہد شکنی کر کے نئی جنگ کی بنیاد رکھی تھی۔ ایک جنگ میں سلطان غازی محمود غزنوی نے جن ہزاروں ہندوؤں کو گرفتار کر کے قید کر لیا تھا۔ ان میں ان گنت معزز خاندانوں کے افراد بھی شامل تھے۔ قیدیوں میں انند پال کی ایک بہن بھی تھی جو ابھی کنواری تھی۔ انند پال کو جب اپنی بہن کی اسیری کا پتہ چلا تو اسے شدید رنج ہوا اور اسے اپنی بہن کو رہا کرانے کی صرف یہی ایک تدبیر سوجھی کہ سلطان غازی محمود غزنوی کو اس لڑکی کی رہائی کے لئے خط لکھے۔ انند پال نے سلطان غازی محمود غزنوی کو جو خط لکھا اُس کا مضمون یہ تھا:۔

اے قابلِ احترام مقتدر بادشاہ! میں آپ کی خدمت گرامی میں اپنی ایک حاجت پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں، میری یہ درخواست آپ کے دینی اور دنیوی مقاصد کے عین مطابق ہے اور یہ ہے کہ آپ براہِ کرم میری بہن کو جو آپ کے پاس اسیر ہے، مجھے عطا فرما دیں۔

آپ کی اس معمولی سی توجہ سے میری حاجت روائی ہو سکتی ہے۔

انند پال نے سلطان غازی محمود غزنوی کے نام اپنا یہ خط دو معزز پنڈتوں کے ہاتھ بھیجا جو سلطان غازی محمود غزنوی کی خدمت میں حاضر ہوئے اور خط پیش کیا ——— سلطان غازی کو خط کا مضمون پڑھ کر سنایا گیا تو اس نے بلا تاخیر انند پال کی بہن کو طلب کرایا اور جب وہ لڑکی حاضر کی گئی تو سلطان غازی کے حکم سے اسے لباس فاخرہ پہنانے کے بعد قیمتی زیوروں سے آراستہ و پیراستہ کر کے کنیزوں نے قصرِ شاہی کے ایک سجے ہوئے کمرے میں لا کر تخت پر بٹھا دیا۔ پھر سلطان غازی نے انند پال کے قاصدوں کو طلب کر کے لڑکی ان کے حوالے کر دی اور اس کمرے کا جس میں اسے تخت پر بٹھایا گیا تھا تمام بیش قیمت سامانِ آرائش بھی لڑکی کے ہمراہ قاصد کے سپرد کر دیا گیا کہ اسے بھی لڑکی کے ساتھ انند پال کے پاس لے جائیں۔ غرضیکہ مسلمان متعدد بار اپنے بدترین دشمنوں کے ساتھ بھی مہربانی کا سلوک کر چکے ہیں، اس لئے اگر اب بھی اُن سے اِس قسم کی امید وابستہ کر لی جائے تو یہ کوئی عجیب و غریب واقعہ نہ ہوگا۔"

"میں اس صورتِ حال میں بھی یہ ذلت گوارا نہیں کر سکتا" ——— ہرچند رائے نے کہا: "کہ ملک قطب الدین ایبک سے کوئی عاجزانہ درخواست کر کے اپنے اس دشمن کا احسان لوں۔"

"مہاراج! یہ وقت وقت کی بات ہے" ——— مکند لال نے کہا: "یہ صورتِ حال مسلمانوں کے ساتھ بھی پیش آ سکتی ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ کبھی ہم کو بھی مسلمانوں کے اس احسان کے بدلہ میں اُن پر احسان دھرنے کا موقع فراہم ہو جائے۔"

"نہیں، میں یہ ہرگز نہیں کر سکتا" ——— ہرچند رائے نے کہا: "کہ اس صورتِ حال میں جبکہ میں سرکشی کر کے اُن سے جنگ کر چکا ہوں۔ اب میں کوئی

درخواست کرکے ان کے سامنے سر جھکا لوں، یقیناً راجکماری کی جدائی میری زندگی میں زہر گھول دے گی۔ لیکن میں مسلمانوں کی منت وسماجت کے عار کو ہرگز گوارا نہیں کر سکتا۔"

"مہاراج! جو بہتر سمجھتے ہیں وہی کریں، میں مہاراج کی رائے کے خلاف کوئی قدم نہیں اٹھا سکتا" ——— مکند لال نے کہا "مجھے تو سر دست صرف یہ فکر ہے کہ کسی طرح راجکماری صاحبہ کا سراغ مل جائے کہ ان کے ساتھ کیا حادثہ پیش آیا ہے اور وہ اس وقت کہاں اور کس حال میں ہیں۔ بلکہ میری رائے میں تو مناسب یہی ہے کہ آپ والیٔ قنوج مہاراجہ جے چند سے بھی اس بارے میں مشورہ کرلیں، شاید مہاراجہ جی کوئی عمدہ تدبیر بتا سکیں اور اپنے ذرائع سے بھی راجکماری صاحبہ کی تلاش کے کام میں ہماری مدد کریں۔"

"ہاں میں تمہاری اس رائے سے متفق ہوں" ——— ہرچند رائے نے کہا "مناسب یہی ہے کہ ہم اپنے طور پر راجکماری کا کھوج لگانے کا کام شروع کرنے سے قبل مہاراجہ جے چند سے مشورہ کرلیں۔ چلو ہم دونوں مہاراجہ کے پاس چلتے ہیں اور اس بارے میں ان سے مشورہ کرتے ہیں۔"

پھر فوراً ہی ہرچند رائے اور مکند لال گھوڑوں پر سوار ہوئے اور جے چند والیٔ قنوج سپہ سالار اعظم افواج ہندوستان کے شاہی خیمہ کی طرف روانہ ہوئے ———

ہرچند رائے کو مہاراجہ سے ملاقات کی ہر وقت اجازت تھی۔ اُسے ملاقات کے لئے اجازت لینے کی ضرورت نہ تھی۔ بلکہ یہ خصوصی اختیار حاصل تھا کہ وہ جب چاہے خیمۂ شاہی میں بلا جھجکاہٹ آ سکتا ہے۔ چنانچہ ہرچند رائے جوں ہی خیمۂ شاہی پر پہنچا متعدد پہرہ داروں اور ملازموں نے آگے بڑھ کر پردہ اٹھایا۔ ہرچند رائے اپنے رفیق مکند لال کے ہمراہ جے چند کے خیمہ میں داخل ہوا تو دیکھا کہ جے چند اپنے چند ارکانِ سلطنت

کے ساتھ گفتگو میں محو ہے۔ ہرچند رائے نے آگے بڑھ کر بڑے ادب واحترام سے ہاتھ جوڑ کر "نمستے" کہا ——— جے چند نے بڑی خوش دلی سے ہاتھ جوڑ کر نمستے کے جواب میں نمستے کہا اور اپنے قریب بٹھا کر اس کی مزاج پرسی کرنے لگا ———

ہرچند رائے نے اس کے جواب میں ایک سرد آہ بھری اور بولا ——— "میرٹھ میں ہماری شکست کے بعد قتل وغارت گری کا جو ہنگامہ برپا ہوا تھا ——— اُس میں میری بیٹی راجکماری رتن بائی پتہ نہیں کس طرح اور کہاں گم ہوگئی ہے۔ شاید قتل ہوگئی ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ مسلمانوں کے ہاتھوں قید ہوگئی ہو۔ اس بارے میں وثوق کے ساتھ کوئی بات نہیں کہی جا سکتی۔"

"یہ تو بڑی افسوسناک خبر ہے" ——— جے چند والیٔ قنوج نے کہا "میں اس غم میں دل وجان سے تمہارے ساتھ ہوں۔ مجھ سے رتن کی دستیابی کے لئے جو کچھ ہو سکا، میں اُس سے دریغ نہیں کروں گا۔"

اس وقت ہرچند رائے کے ہوش وحواس گم تھے، اس لئے وہ یہ سُننے سے قاصر رہا کہ جے چند نے اُس کی بات سُن کر کیا کہا ہے۔ مگر مکند لال نے اپنی جگہ سے اٹھ کر پورے ادب واحترام سے یہ عرض کیا "مہاراج میرٹھ سے فرار ہونے کے بعد ہم جب سے قنوج پہنچے ہیں۔ ہم مسلسل راجکماری کی تلاش میں محو ہیں، لیکن اب تک ان کا سُراغ نہیں ملا اور ہم مختلف اندیشوں میں گرفتار مہاراجہ کی خدمتِ عالیہ میں حاضر ہوئے ہیں تاکہ اس واقعہ کو بیان کریں۔"

جے چند کو یہ واقعہ سُن کر سخت افسوس بھی ہوا اور وہ آزردہ بھی ہوگیا۔ لیکن اُس نے ہرچند رائے کی زبوں حالت کے پیشِ نظر اپنی حالت کو ظاہر نہ کیا اور ہرچند رائے سے مخاطب ہو کر اُسے تسلّی وتشفّی دینے لگا۔ کچھ دیر بعد جب ہرچند رائے کے حواس بحال ہوئے تو اُس نے جے چند سے کہا ——— "مہاراج اب

آپ مشورہ دیں کہ مجھے راجکماری کی بازیابی کے لئے کیا تدابیر اختیار کرنی چاہیں۔"

"میرے خیال میں راجکماری کی تلاش میں ہوشیار، بہادر اور دانا افسروں کو روانہ کرنا چاہیئے" ——— جے چند نے کہا۔" اور میں خود اس کا انتظام کرتا ہوں کہ منتخب افسروں کو راجکماری کی تلاش کا کام آج ہی سونپ دیا جائے۔"

"مہاراج! اگر ہم اپنے بیس تیس چیدہ چیدہ افسروں کو راجکماری کی تلاش میں مسلمانوں کے مفتوحہ علاقوں میں بھیج بھی دیں" ——— ہرچند رائے نے کہا۔ "تو بظاہر اس کا کوئی مفید نتیجہ برآمد ہوتا نظر نہیں آتا۔ بلکہ اس کا زیادہ امکان ہے کہ دشمن ہمیں راجکماری کی تلاش میں مضطرب اور بے قرار دیکھ کر راجکماری کو چھپانے اور اس کی سختی سے نگرانی کرنے میں زیادہ سرگرمی سے کام لیں۔"

"میری ناقص رائے میں بھی راجکماری کی کھلی تلاش ہمیں نقصان پہنچا سکتی ہے" ——— مکند لال نے کہا۔" مسلمان نگرانی کے بہانے راجکماری پر سختی بھی کر سکتے ہیں، اور پرماتما نہ کرے اُسے موت کے گھاٹ بھی اتار سکتے ہیں۔"

"اگر کھلی تلاش کے کام سے نقصان کا اندیشہ ہے" ——— جے چند نے کہا۔ "تو ہم خفیہ طور پر راجکماری کی تلاش کے لئے سمجھدار افسروں کو بھی مامور کر سکتے ہیں اور میں یہ بھی کر سکتا ہوں کہ سلطان محمد غوری کے پاس چند معتبر قاصدوں کو بھیجوں جو سلطان کی خدمت میں بیش قیمت تحائف پیش کر کے بڑی شائستگی سے میری یہ درخواست پیش کریں کہ راجکماری کو قید سے رہا کر کے ہمارے پاس بھیج دیا جائے مگر اس سلسلے میں ایک رکاوٹ جو درپیش ہے، یہ ہے کہ یقینی طور پر راجکماری کو ابھی تک سلطان کی خدمت میں پیش نہیں کیا گیا بلکہ یہ بھی ممکن ہے کہ وہ سلطان کے مقرر کردہ والی ملک قطب الدین ایبک کی فوج میں بھی نہ ہو۔ اس لئے مجھے خیال آتا ہے کہ اگر میں نے سلطان محمد غوری کی خدمت میں کوئی درخواست گزاری تو اس کا کوئی فائدہ بھی نہ ہوگا اور

ہم خواہ مخواہ مسلمانوں کی نظروں میں حقیر اور بے وقار بھی بن جائیں گے۔"

"میں خود اس بات کو پسند نہیں کرتا" ——— ہرچند رائے نے کہا۔" کہ ہم گھبرا کر کوئی ایسا اقدام کریں۔ جس سے مسلمانوں کے حوصلے بلند ہو جائیں اور وہ ہماری درخواست کو اہمیت دینے کی بجائے ہماری بے بسی پر ہنسیں۔ اب یہ معاملہ پرماتما پر چھوڑ دینا چاہیئے اور ہمیں محض اس تدبیر کو عملی جامہ پہنانا چاہیئے کہ جہاں تک ممکن ہو اس معاملہ کو راز میں رکھیں اور آپ کی رائے کے مطابق بڑی احتیاط کے ساتھ خفیہ طور پر راجکماری کی تلاش کے کام کو آگے بڑھاتے رہیں۔ میری رائے میں چونکہ اس خدمت کو بحسن و خوبی سرانجام دینے کے لئے مکند لال سے زیادہ کسی شخص میں قابلیت نظر نہیں آتی، اس لئے یہ معاملہ مکند لال پر چھوڑ دیا جائے کہ وہ کیسے اور کیونکر راجکماری کا سراغ لگاتا ہے۔"

جے چند نے مکند لال پر ایک نظر ڈال کر کہا ——— "میں ان کو اچھی طرح جانتا ہوں۔ بلاشک و شبہ ان کا شمار ہمارے ذہین ترین افسروں میں ہوتا ہے۔ میں انکے انتخاب پر آپ کو داد بھی دیتا ہوں، اب مناسب یہی ہے کہ راجکماری کی تلاش کا کام انہی کی رائے پر چھوڑ دیا جائے۔ ساتھ ہی مجھے یقین کامل ہے کہ مکند لال خفیہ تلاش کے منصوبے کو عملی جامہ پہنا کر جلد سے جلد اپنے فرائض سے عہدہ برآ ہوں گے اور سرخروئی حاصل کریں گے۔"

مکند لال نے پورے ادب و انکسار سے کہا ——— "میں مہاراج کے مربیانہ حسنِ ظن کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ انہوں نے اپنے غلام کی اس قدر حوصلہ افزائی اور عزت افزائی کی ہے۔ دراصل میں اور میری تدبیر کچھ بھی نہیں کر سکتے۔ مجھے جو کامیابی حاصل ہوگی مہاراج کے اقبال سے ہوگی۔ میں مہاراج کے حکم کی تعمیل میں جان بھی دے سکتا ہوں، اس لئے اس معاملہ میں بھی اپنی جان پر کھیل جاؤں گا اور یہ خدمت بجا لا سکا، تو اس پر ہمیشہ فخر کرتا رہوں گا کہ میں اپنے آقا کا ایک ادنیٰ جاں نثار اور

خدمت گزار رہوں۔"

"مکند لال اب یہ بتاؤ کہ تم راجکماری کی تلاش کے کام کو خفیہ طور پر کس طرح آگے بڑھاؤ گے"؟ ——— ہرچند رائے نے پوچھا۔

"مہاراج! میری رائے میں اب محض ایک ہی تدبیر باقی ہے" ——— مکند لال نے کہا۔ "یہ کہ میں اپنے چند قابلِ اعتماد ساتھیوں کے ہمراہ اپنے لشکر سے نکل کر ایک مقدس پروہت کے لباس میں سفر کروں اور ہر ممکن طریقہ سے خود کو لوگوں کی نظروں سے چھپاؤں۔ سارا دن گھنے جنگلوں میں یا پہاڑوں کی چوٹیوں پر گزاروں اور رات کے وقت انتہائی تیز رفتاری سے منزلیں طے کرتا رہوں۔ میں اسی طریقے سے مسلمانوں کے مقبوضہ علاقوں میں گشت کر کے راجکماری کا سراغ لگاتا رہوں گا اور جب بھی راجکماری کا سراغ مل گیا ——— اس وقت مناسب تدبیر کو عملی جامہ پہنا کر راجکماری کو آپ کی خدمت میں پیش کر دوں گا۔"

"جب تم خود کو لوگوں کی نظروں سے چھپانے کے لئے گھنے جنگلوں اور پہاڑوں کی چوٹیوں میں دن بسر کرو گے تو راجکماری کا سراغ کیونکر لگا سکو گے"؟ ——— ہرچند رائے نے پوچھا۔

"مہاراج! میں صرف ان سرحدی مقامات میں اس احتیاط سے اپنے تحفظ کے لئے کام لوں گا" ——— مکند لال نے کہا۔ "کیونکہ سرحدی مقامات کے مسلمانوں میں ہمارے بدترین مخالفوں کی کثرت ہے۔ لیکن آپ میری اس احتیاط سے یہ نہ سمجھیں کہ میں ان سرحدی مقامات میں راجکماری کا سراغ لگانے کی کوشش ہی نہ کروں گا۔ ان مقامات میں بھی تقریباً ہر آبادی میں ہمارے ہم مذہب آباد ہیں۔ جو مسلمانوں کی رعایا ہیں اور انہیں ذمّی کہا جاتا ہے۔ یہ لوگ مسلمان رعایا کی مانند محفوظ ہیں اور آزادانہ زندگی بسر کر رہے ہیں۔ میں ان لوگوں سے ملوں گا اور ان

لوگوں کے گھروں میں خفیہ طور پر مقیم رہ کر ان ہی کی وساطت سے ہر جگہ کے مکمل حالات سے آگاہی حاصل کروں گا، بہرحال اگر کوئی دقت پیش آئی اور تکلیف ہوئی تو اس سے صرف انہی مقامات کے دوران سفر کا سامنا ہوگا۔ اس کے آگے کے سفر میں کوئی مشکل پیش نہ آئے گی۔ کیونکہ پھر مسلمانوں کی مملکت شروع ہو جائے گی۔ جہاں کوئی عیسائی ہو یا یہودی کسی مسافر سے کہیں باز پرس نہیں ہوتی بلکہ عام طور پر مسلمان، چونکہ مہمان نواز اور مسافر دوست ہیں، اس لئے میں امید کرتا ہوں کہ اگلے سفر میں مجھے بہت آسانیاں حاصل ہو جائیں گی اور مجھے ہر جگہ راجکماری جی کا سراغ لگانے کا موقع مل جائے گا۔"

گفتگو کے اس مرحلہ پر راجے چند نے ہرچند رائے سے مخاطب ہو کر کہا ———

"اب آپ انکو ان کی سمجھ کے مطابق مناسب کارروائی کرنے کی آزادی دے دیجئے، اور چند روز اپنے دل کو سنبھالئے اور صبر سے کام لیجئے۔ میرے خیال میں اب یہ مناسب ہوگا کہ آپ ان کی واپسی تک تو کوئی نئی تدبیر سوچئے اور نہ اس سلسلے میں کوئی اقدام کیجئے ———"

"مکند لال! اسلامی مقبوضات میں بھی ہر جگہ مندر اور شوالے موجود ہیں" ——— ہرچند رائے نے کہا۔ "تم منہتوں اور پنڈتوں کے لباس میں ان متبرک عبادت گاہوں میں بخوبی قیام کر سکتے ہو۔"

"مہاراج! یہ حقیقت ہے کہ مسلمان ہر مذہب کے مذہبی لوگوں کا احترام کرتے ہیں" ——— مکند لال نے کہا۔ "اور ان سے کسی معاملہ میں تعرض نہیں کرتے۔ ہر مندر اور شوالے کے لوگ آزادی سے زندگی بسر کر رہے ہیں۔ اگرچہ بارہا مندر مسلمانوں کے خلاف سازشوں کے مرکز ثابت ہو چکے ہیں، لیکن مسلمانوں نے مندروں کے خلاف کبھی کوئی اقدام نہیں کیا۔"

"خیر اب مجھے اس سلسلے میں کوئی فکر نہیں رہی" ——— ہرچند رائے

نے کہا۔" اب جہاں تک جلد ممکن ہو تم میرے ساتھ عملی ہمدردی کا ثبوت دو اور راجکماری کو ڈھونڈھ کر لاؤ۔ بھگوان تمہاری کوششوں کو پھل (کامیاب) کرے۔"

" مہاراج! اطمینان رکھیں۔ راجکماری کی تلاش کے کام میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی جائے گی"۔ ——— مکند لال نے کہا۔" آپ اس معاملے میں مطمئن ہو کر حسب معمول جنگی تیاریوں میں مصروف رہیں، میں آج رات لشکر گاہ سے روانہ ہو جاؤں گا"

اس کے بعد ہرچند رائے، جے چند سے رخصت ہو کر اپنے خیمے میں آگیا، اور مکند لال نے اپنے خیمے میں پہنچ کر اپنے ایک اردلی کو بھیجا کہ لال بہادر کو اس کی طرف سے نمسکار کہہ کر بتائے کہ میں ایک فوری ضرورت کے لئے اس کا منتظر ہوں، لال بہادر اور مکند لال کے مابین بچپن سے پُرخلوص دوستانہ تعلقات قائم تھے اور دونوں بارہا ایک دوسرے کے دُکھ درد میں کام آچکے تھے۔ لال بہادر کو مکند لال کا پیغام ملا تو وہ اُسی وقت آگیا۔ مکند لال نے اسے اعتماد میں لے کر راجکماری کی گمشدگی اور اس کی بازیابی کے لئے اپنی مہم کا سارا حال بتایا اور درخواست کی کہ وہ اس مہم میں اس کا ساتھ دے، لال بہادر نے حامی بھر لی اور مکند لال کے ہمراہ جانے کے لئے اپنے خیمہ میں آ گیا تاکہ روانگی کے لئے تیاری کر سکے۔ پھر مکند لال نے اپنے ماتحت فوجی افسروں کو بلایا اور اپنے پروگرام سے مطلع کر کے تاکید کی کہ اس کی غیر حاضری میں سپاہیوں کی دلجوئی کی جائے اور اُن سے محبت و شفقت کا سلوک روا رکھا جائے، ان کاموں سے فارغ ہو کر مکند لال نے سامانِ سفر کی فراہمی کے لئے مختلف اقدامات کئے۔ رات نصف سے زیادہ گذر چکی تھی۔ جب لال بہادر ایک برہمن کے بھیس میں مکند لال کے خیمہ میں داخل ہوا۔ مکند لال جس ہیئت اور لباس میں اس وقت لال بہادر سے ملا۔ وہ اس کی اصل صورت سے قطعی مختلف تھی۔ یقیناً اگر اس وقت مکند لال اپنے خیمہ میں نہ ہوتا

اور کسی دوسری جگہ لال بہادر سے اس کی ملاقات ہوتی تو لال بہادر اسے پہچاننے سے یکسر قاصر رہتا۔ وہ ایک پروہت کے لباس میں تھا اور اس کے گلے میں جنیو صاف نظر آ رہا تھا۔ لال بہادر کی آمد پر اس نے اپنے ایک ملازم سے ایک صندوقچہ منگوا کر اس میں سے پانچ سو سکہ رائج الوقت نکالے اور لال بہادر کی طرف بڑھا کر بولا کہ انہیں وہ احتیاط سے اپنی کمر میں باندھ لے۔ پھر اس نے چھوٹے چھوٹے دو خنجر منگوائے اور ایک خود رکھ کر دوسرا لال بہادر کو دیتے ہوئے تاکید کی کہ وہ اسے اپنے لباس میں اس طرح چھپا لے کہ کسی کو اس خنجر کی موجودگی کا علم نہ ہو سکے۔

اس کے بعد مکند لال اور لال بہادر اٹھے اور بڑی خاموشی کے ساتھ ہرچند رائے کے خیمے میں آ گئے۔ ہرچند رائے، مکند لال کو اس وضع قطع میں دیکھ کر اس قدر مضطرب ہوا کہ ضبط کے باوجود اس کے آنسو نہ رُک سکے اور وہ مکند لال سے لپٹ کر جی بھر کر رویا۔ آخر کار مکند لال نے بڑی مشکل سے اُسے سنبھالا اور بولا ——— "مہاراج! اب اپنے دل کو مضبوط کریں، انقلابِ زمانہ اور نیرنگیٔ عالم اسی کا نام ہے، اس دنیا میں ہزاروں ایسے واقعات رونما ہو چکے ہیں اور آج بھی ہو رہے ہیں۔ جنہیں دیکھ کر اہلِ بصیرت سکونِ قلب اور عبرت حاصل کرتے ہیں۔ ہمیں ہر حالت میں بھگوان کی مرضی کو قبول کرنا چاہیئے۔ پھر یہ بھی حقیقت ہے کہ سُکھ کے بعد دُکھ اور دُکھ کے بعد سُکھ ضرور آتا ہے۔ گردشِ دوراں اسی کا نام ہے۔ اگر قسمت اچھی ہوئی اور میری زندگی نے ساتھ دیا تو مہاراج دیکھیں گے کہ چند ہی روز میں آپ کا یہ داس راجکماری کو تلاش کر کے آپ کی خدمتِ عالیہ میں پیش کر دے گا ——— بس اب ہمیں اجازت بخشیں۔ بہت دیر ہو چکی ہے اور ہمیں سُورج طلوع ہونے سے قبل "چندوار" کے نواح میں واقع اپنے اس فوجی کیمپ سے کافی دور پہنچ جانا چاہیئے"

مکند لال اور لال بہادر دونوں نمسکار کہہ کر رخصت ہوئے۔ لشکر گاہ سے باہر

نکل کر مکند لال ٹھہر گیا اور لال بہادر سے گفتگو میں محو ہوا۔ جلد ہی مکند لال کا وہی اردلی جس نے صندوقچہ پیش کیا تھا، دو گھوڑوں کی باگ پکڑے آ گیا۔ ایک گھوڑے پر مکند لال اور دوسرے پر لال بہادر سوار ہو گئے۔ ان کے ساتھ چھوٹی چھوٹی خورجیاں بھی تھیں جو مختلف اشیاء سے بھری ہوئی تھیں۔ اردلی واپس چلا گیا تو دونوں مسافر گھپ اندھیری رات میں ستاروں کی رہنمائی میں مشرق کی سمت روانہ ہوئے۔ راہ میں باتیں کرتے ہوئے مکند لال نے لال بہادر سے کہا کہ ملک قطب الدین ایبک نے دہلی کی فتح کے بعد دہلی کے قریب واقع مقام اندر پرستھ کو اپنا دارالحکومت قرار دیا ہے اور اپنی فوج کے ساتھ وہیں مقیم ہے۔ کیوں نہ ہم بھی دہلی چلیں اور قطب الدین ایبک کے دارالحکومت میں راجکماری رتن بائی کا کھوج لگانے کی کوشش کریں۔ لال بہادر نے اس رائے کو پسند کیا اور وہ قنوج سے دہلی روانہ ہو گئے۔

باب ۹

اظہارِ محبّت

دہلی کی فتح کے بعد ملک قطب الدین ایبک لشکرِ اسلام کے ساتھ اپنے نئے مقرر کردہ دارالحکومت میں مقیم ہوا تو سردار کمال الدین سمرقندی سخت گھبرایا۔ راجکماری رتن بائی میرٹھ کے قصرِ شاہی میں اس کی منتظر تھی اور اسے بہرحال میرٹھ واپس لوٹنا تھا۔ اب وہ مناسب موقع کے انتظار میں تھا کہ قطب الدین ایبک سے میرٹھ واپسی کی اجازت لے کر میرٹھ لوٹ جائے۔ اسے جلد ہی یہ موقع بھی فراہم ہو گیا اور وہ قطب الدین ایبک کی اجازت سے چند روزہ قیام کے لئے میرٹھ آ گیا۔

جس روز سردار کمال علی الصبح قلعہ دہلی سے میرٹھ کی طرف روانہ ہوا، وہ سارا دن اس کا انتہائی پریشانی کے عالم میں گزرا تھا۔ اپنے سپہ سالار قطب الدین ایبک کی مفارقت آنے والی جنگ کا خدشہ کیونکہ سلطان محمد غوری غزنی سے روانہ ہو چکا تھا اور طوفانی مارچ کرتا ہوا دہلی کی طرف آ رہا تھا، جہاں سے اسے قنوج پر حملہ کرنا تھا۔ اس نازک وقت کے لئے تیاری کا کام بھی سردار کمال کے پیشِ نظر تھا۔ راجکماری رتن بائی کے حال اور مستقبل کی فکر غرضیکہ خیالات کے ایک طوفان نے سردار کمال کو گھیر رکھا تھا۔ پھر دہلی سے میرٹھ کے سفر نے بھی اسے بے حد تھکا دیا تھا۔ رات ہو چکی تھی اور اب وہ آرام کرنے کی ضرورت محسوس کر رہا تھا۔ وہ خواب گاہ میں ایک پلنگ پر لیٹا تو خیالات نے ایک بار

پھر اس پر یورش کر دی۔ اس نے میرٹھ لوٹ کر نہ تو اپنی قیام گاہ کے کسی مرد و زن سے ملاقات کی تھی اور نہ وہ صبح ہونے سے قبل کسی سے ملاقات کا ارادہ رکھتا تھا۔

اس وقت سردار کمال الدین سمرقندی پر خاموشی کی ایک خاص کیفیت طاری تھی۔ اس کی نظریں گاہے گاہے سامنے دھری شمع سے ہٹ کر اس دروازے پر جاتی تھیں جو دوسرے دروازوں کی طرح بند تھا۔ یکایک سردار کمال نے اس دروازے کے باہر آہٹ محسوس کی اور پھر باہر سے کسی کی زنانہ آواز اُبھری :-

"میرے آقا! کیا مجھے حاضر ہونے کی اجازت مرحمت فرمائی جا سکتی ہے"؟

کمال نے جواب میں کہا ——— "سکینہ! آجاؤ میں ابھی بیدار ہوں، کیوں کیا بات ہے، خیریت سے تو ہو نا"؟

سکینہ نے اندر پہنچ کر ادب سے السلام علیکم کہا۔ پھر کمال کے دامن پر بوسہ دے کر بولی ——— "راجکماری آپ کی خدمت میں حاضری کی خواہشمند ہے۔ اگر اجازت ہو تو اسے لے آؤں"؟

یہ سُن کر سردار کمال اٹھ کر بیٹھ گیا اور سر جھکا کر کچھ سوچنے کے بعد بولا ———

"ملاقات میں کوئی حرج نہیں ہے۔ تم جاؤ اور راجکماری کو اپنے ہمراہ لے آؤ"۔

یہ سنتے ہی ابھی سکینہ اپنی جگہ سے اٹھ ہی رہی تھی کہ یکایک راجکماری رتن ہائی کمرے میں داخل ہو گئی اور سکینہ کے قریب پہنچ کر اُس سے کانا پھوسی کرنے لگی۔ سکینہ کے چہرے پر سُرخی دوڑ گئی اور وہ چاہتی تھی کہ ایک فلک شگاف قہقہہ بلند کرے، لیکن پاسِ ادب سے اُس نے اپنے قہقہے کا گلا گھونٹ دیا اور محض مسکرانے پر اکتفا کیا۔

سردار کمال نے یہ دیکھا تو پوچھا ——— "سکینہ! کیا بات ہے، مسکرا کیوں رہی ہو"؟

"حضور! انہوں نے مجھ سے پوچھا ہے" ——— سکینہ نے کہا۔ "کہ میں

انہیں یہ بتاؤں کہ مسلمانوں میں آقا اور مالک کو کس طریقہ سے سلام کیا جاتا ہے تاکہ یہ بھی آپ کو اسی طریقہ سے سلام کریں"۔

سردار کمال مسکرا کر بولا ——— "راجکماری! آؤ بیٹھو۔ میں تمہیں سلام کا طریقہ بتاتا ہوں۔ اسلام میں شاہ و گدا، امیر و غریب، عربی و عجمی، کالے و گورے، چھوٹے اور بڑے، مرد و زن سبھی کے لئے سلام کا صرف ایک طریقہ مقرر ہے۔ وہ یہ ہے کہ آنے والا پہلے سے موجود لوگوں کو "السّلام علیکم" کہہ کر سلام کرے اور وہ "وعلیکم السّلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ" کہہ کر جواب دیں"۔

"یہ طریقۂ سلام تو مجھے اپنی آمد کے ایک دو روز بعد ہی معلوم ہو گیا تھا" ——— راجکماری نے کہا۔ "تاہم میرا خیال تھا کہ آقا اور مالک کے مرتبے اور جاہ و جلال کے تحت ضرور کوئی خاص طریقۂ سلام ہو گا"۔

"دراصل تم ناواقف ہو" ——— سردار کمال نے کہا۔ "کہ اسلام میں اظہارِ عجز و عاجزی جو ایک قسم کی عبادت ہے۔ صرف اور صرف اُسی ذاتِ واحد کے حضور میں روا ہے، کیونکہ وہ وحدہٗ لاشریک شاہ و گدا دونوں کا خالق اور مالک ہے اور جس کی ذات ہر قسم کے نقص و زوال سے مُبرّا ہے۔ اسلام یہ تعلیم دیتا ہے کہ انسان دوسرے انسان پر بیجا فخر و برتری حاصل کرنے کی کوشش نہ کرے اور نہ کسی انسان کی توہین اور تذلیل کو اپنے غرور و تکبر کا ذریعہ قرار دے، اسلام کی یہ تعلیم نہیں ہے کہ غلام اپنے آقا کے سامنے سربسجود ہو اور گڑگڑا گڑگڑا کر اُس کی جھوٹی خوشامد کرے۔ اسلام انسانوں کے لئے رحمت ہے اور انسانوں کو آپس میں مہر و محبت اور شفقت و مہربانی کا سلسلہ قائم کرنے کی تلقین کرتا ہے۔ وہ زبردستوں کو زیردستوں پر ظلم و ستم ڈھانے سے روکتا ہے اور اُن کو سخت باز پرس کی یقین دہانی کرا کر گھمنڈ اور غرور میں مبتلا ہونے اور دوسروں کو نقصان پہنچانے سے روکتا ہے"۔

راجکماری ایک خصوصی انداز میں بولی ——— "اب مجھے بھی یہ دیکھنا ہے کہ اہلِ اسلام میرے معاملہ میں بھی اپنے اصولِ مذہب کے مطابق مہر و محبت، شفقت، نرمی و مہربانی اور خدا ترسی سے کام لیتے ہیں یا نہیں۔"

"اس وقت تک تمہارے ساتھ جو سلوک روا رکھا گیا ہے" ——— سردار کمال نے کہا "اس سے تم خود اس کا بخوبی اندازہ کر سکتی ہو۔"

"خیر جو کچھ بھی ہو گا، میں اس کی فکر نہیں کرتی" ——— راجکماری نے کہا "کیونکہ میرے لئے اپنی مختصر سی زندگی بسر کرنا کچھ مشکل نہیں ہے۔"

"مختصر نہیں ابھی تو تمہیں اپنی زندگی کا طویل حصّہ دنیا میں بسر کرنا ہے" ——— سکینہ نے کہا "گو بوڑھے، جوان، بچے، مرد و زن کسی کی زندگی کے بارے میں کوئی حتمی بات نہیں کہی جا سکتی کہ کب تک زندہ رہے گا۔ لیکن تمہاری کم سنی کے پیشِ نظر تمہاری مختصر زندگی کی پیشگوئی کرنا بالکل نازیبا ہے۔ ہاں کوئی سن رسیدہ آدمی اپنی مختصر زندگی کی بات کرے تو اسے بیجا بات نہیں کہا جا سکتا۔ میرا خیال ہے کہ ابھی تمہاری عمر سولہ یا سترہ برس سے زیادہ نہیں ہے۔"

"سکینہ! تم نے بالکل درست کہا" ——— کمال نے کہا۔ "دیکھ لو ان کی باتوں سے بچپن ٹپک رہا ہے۔"

یہ سُن کر راجکماری سکینہ سے مخاطب ہو کر بولی ——— "گو تمہاری طرح میری باتیں بڑے بوڑھوں کی سی نہیں ہیں ——— لیکن یہ بھی نہیں ہے کہ میری باتوں پر کسی بچے کی باتوں کا گمان ہو، مجھے بچّی سمجھنا غلطی ہے۔"

سردار کمال نے مسکرا کر کہا ——— "تم نے میری بات کا جواب دیا ہے، بیچاری سکینہ نے تو یہ بات نہیں کہی۔"

راجکماری آزردہ ہو کر بولی ——— "میں ایک کمزور اسیر عورت ہوں، آپ

کی بات کا اس انداز سے جواب نہیں دے سکتی۔"

اس کے جواب میں سردار کمال نے کہا ——— "یہ تو ٹھیک ہے، لیکن کیا واقعی تمہیں علم نہیں کہ تمہاری باتوں سے بچپن ٹپکتا ہے۔"

راجکماری نے کہا ——— "میں معافی کی طلب گار ہوں، کیونکہ میں نئی نئی گرفتار ہوئی ہوں اور اس وقت تک آزادی کی برکات سے متاثر ہوں۔ اس لئے میری زبان ٹھوکر کھا جاتی ہے۔ آہستہ آہستہ طبیعت کا جوش و خروش اپنی موت آپ مر جائے گا تو میں بھی ایک مسکین کی مانند ہو جاؤں گی اور پھر میری زبان سے کوئی ایسی ویسی بات نہ نکل سکے گی۔"

راجکماری نے اگرچہ یہ فقرے محض چرب بیانی کے تحت ادا کئے تھے، لیکن آخر میں ان فقروں نے اس کے دل و دماغ کو متاثر کر دیا۔ اس کی آنکھوں سے آنسو جھانکنے لگے اور وہ سر جھکا کر بیٹھ گئی۔ دراصل وہ نازپروردہ کم سن دوشیزہ تھی اور اب اپنے نازبرداروں سے اس طرح چھوٹی تھی کہ ان سے پھر ملنے کا امکان نہ ہونے کے برابر تھا۔ جو لڑکی کل تک سینکڑوں غلاموں اور کنیزوں پر خود حکومت کرتی تھی۔ انقلابِ ایام کے تحت اب خود غلامی میں زندگی بسر کرنے پر مجبور تھی۔ پیغمبرِ اسلام حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی کیفیت کو نظر میں رکھ کر مسلمانوں کو تاکید فرمائی تھی کہ وہ مصیبت زدگان سے شفقت و مہربانی کا سلوک کریں۔ یہی وجہ تھی کہ سردار کمال راجکماری کی حالت سے بڑا متاثر ہوا اور اپنی جگہ سے اٹھ کر راجکماری کے پاس پہنچا اور اس کا ہاتھ پکڑ کر اپنے قریب لا کر بٹھانے پر مجبور ہو گیا۔ پھر اس نے راجکماری کو تسلّی دیتے ہوئے کہا:۔

"راجکماری! تم خواہ مخواہ سوچ سوچ کر رنجیدہ ہو رہی ہو۔ افسوس ہیں تمہارے اس اضطرار کے سبب بعض ایسی باتوں کے اظہار پر مجبور ہوں جو کہنے کے قابل نہ تھیں۔ میں ان باتوں کا کیسے اظہار کروں اور اگر کچھ نہ کہوں

تو تمہیں میرے دلی جذبات و احساسات کا علم کیسے ہوگا۔ سچی بات تو یہ ہے کہ میں تمہاری بہ نسبت بہت زیادہ تکلیف میں گرفتار رہوں۔ مجھے جب یہ خیال آتا ہے کہ میں تمہاری ہر لمحہ بڑھتی پریشانی نہ دیکھ سکوں گا اور آخر کار مجبور ہو جاؤں گا کہ تمہیں لشکرِ کفّار میں بھیج دوں تو اس وقت کا خیال کر کے میری نظروں کے سامنے تاریکی ہی تاریکی چھا جاتی ہے اور میں اس بھری پڑی دنیا میں خود کو تمہاری آمد سے قبل کے ایّام میں پاکر یکا و تنہا محسوس کرتا ہوں تو یہ دنیا مجھے کاٹ کھانے کو دوڑتی ہے۔ یہاں سے تمہاری روانگی کے بعد تم سے ہمیشہ کے لئے جدائی کا خیال کر کے مجھے زندگی کے باقی ماندہ دن بسر کرنے دوبھر ہو جائیں گے۔ موت اور زیست پر چونکہ انسان کا اختیار نہیں ہے، اس لئے جب تک زندگی کے ایّام باقی ہیں مجھے بھی جینا پڑے گا۔ مگر آہ! ایسی زندگی سے موت بہتر ہوگی۔ کاش! میں کسی جنگ میں کام آ گیا ہوتا تو میری شہادت میرے لئے زندگی بن جاتی۔ اگر میرا شمار میرٹھ کے مقتول مسلمانوں میں ہو جاتا تو بہت اچھا ہوتا، نہ میں تم سے ملتا اور نہ تم مجھ سے مل کر جُدا ہوتیں۔ راجکماری! تمہیں اپنے وطن جانا مبارک ہو، تم اطمینان سے جا کر اپنے کمرے میں سو جاؤ۔ میں کل صبح ہی تمہاری روانگی کا انتظام کر کے تمہیں اُس لشکرِ کفار میں بھیج دیتا ہوں جو قنوج میں جمع ہو رہا ہے۔ لیکن میں تمہیں یہ مشورہ دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ تم قنوج کے لشکرِ کفار میں پہنچ کر وہاں مقیم نہ رہنا بلکہ فوراً کسی دوسرے شہر میں چلی جانا، کیونکہ جلد ہی سلطان غازی محمد غوری دہلی پہنچ رہے ہیں۔ اُن کی آمد کے فوراً بعد ہم قنوج کے لشکرِ کفّار پر حملہ کر کے اسے تتر بتر کر دیں گے۔ یقیناً دہلی سخت خونریزی ہوگی۔ اس لئے میں نہیں چاہتا کہ

تم لشکرِ کفّار میں رہ کر اپنی جان کو ہلاکت میں ڈالو۔"

سردار کمال کی ان باتوں نے راجکماری کے دل سے رنج و غم کے سارے جذبات و احساسات محو کر دیئے مگر ساتھ ہی اس پر شرم و حیا کے جذبات نے ایسا قابو پایا کہ وہ شرم سے سر جھکا کر بیٹھنے پر مجبور ہو گئی۔ اس وقت سردار کمال اس کے ایک چاہنے والے کی حیثیت اختیار کر چکا تھا۔ اس کا دل دھڑک رہا تھا اور وہ اپنے دل ہی دل میں خود سے گفتگو کر رہی تھی:۔

"کیا میں واقعی ایک حسین و جمیل لڑکی ہوں، کیا کمال سا مقتدر اور خوبصورت جوان میری مصیبت زدہ صورت پر واقعی فریفتہ ہو گیا ہے یا نہیں مجھے تو اس کا یقین نہیں آ سکتا۔ کئی رجواڑوں کے راجے مہاراجے اور راجکمار مجھے محبت بھری نظروں سے دیکھا کرتے تھے۔ مگر یہ بھی حقیقت ہے کہ ان میں سے ایک بھی کمال کی شان کو نہیں پہنچ سکتا۔ پھر یہ بھی ہے کہ میری شکل و صورت میں پہلے سی دلکشی بھی تو نہیں رہی۔ پھر میں یہ کس طرح مان لوں کہ کمال کے دل میں میری محبت گھر بنا چکی ہے۔ میں کئی روز سے کمال کی قید میں ہوں اور وہ مجھ پر ہر طرح کا اختیار رکھتا ہے۔ مگر عجیب بات یہ ہے کہ کمال نے کبھی مجھے نگاہ بھر کر دیکھنے کی ضرورت محسوس نہیں کی، کبھی مجھ سے بلا ضرورت بات نہیں کی بلکہ اس کے برعکس جب خود میں نے اس سے کوئی بات کی تو اس نے اس کا جواب بڑی بے اعتنائی سے دیا۔ اس صورت میں مجھے یہ تسلیم نہیں کرنا چاہیئے کہ اُسے مجھ سے پیار ہے۔ اس لئے میری جدائی اس کی زندگی میں نہ ہر گھول دے گی۔ ہاں البتہ میں یہ مانتی ہوں کہ کمال ایک بہادر خوبصورت نوجوان ہے جو اپنے قول و فعل میں راست باز ہے۔ اس لئے مجھے یہ خیال نہیں کرنا چاہیئے کہ اس نے

میری محبت کا ڈراما کھیلا ہے اور میرے ساتھ غلط بیانی سے کام لیا ہے اور اب تک جو وہ مجھ سے دُور دُور رہا ہے تو یہ اُس کی پاکیزہ اطواری، نیک نفسی اور سچائی کے سبب ہے۔ بلاشک و شبہ مسلمان قوم بڑی مبارک اور اچھی قوم ہے۔ واقعی سکینہ نے درست کہا ہے کہ صداقت پسندی اور سچی خدا پرستی مسلمان قوم کا شعار ہے۔"

راجکماری اپنے انہی خیالات میں غوطہ زن تھی کہ کمال اس کی طرف دیکھ کر ایک سرد آہ بھرتے ہوئے بولا ——— "کافی رات گذر چکی ہے اور تمہیں صبح سفر پر روانہ ہونا ہے، اس لئے مناسب یہی ہے کہ اب تم اپنی خواب گاہ میں جا کر آرام کرو۔"

راجکماری اپنا دل مضبوط کر کے بولی ——— "مجھے آپ کی طبیعت میں کسلمندی محسوس ہوتی ہے۔ اس لئے میری بہ نسبت آپ کو آرام کی زیادہ ضرورت ہے۔ میں بھی چلی جاؤں گی۔ البتہ اگر میرا آپ کے رُوبرُو بیٹھنا آپ کو ناگوار گزرتا ہے تو میں ابھی چلی جاتی ہوں۔"

"مجھے تمہاری موجودگی ہرگز ناگوار نہیں گزر رہی" ——— کمال نے کہا: "بلکہ میرے لئے مسرت کا باعث ہے، میں نے محض تمہاری تکلیف کے خیال سے تمہیں آرام کرنے کے لئے کہا تھا۔ تمہارا جب تک جی چاہے شوق سے میرے پاس بیٹھ سکتی ہو۔"

راجکماری قدرے مسکرا کر بولی ——— "ہاں میں بھی یہی سوچ رہی ہوں کہ صبح تو آپ مجھ کو قنوج ہند و لشکر میں بھیج ہی رہے ہیں اور پھر آپ کے بقول ہماری کبھی ملاقات نہ ہوگی اس لئے اگر مجھے کچھ وقت آپ اپنی صحبت میں بسر کرنے کی اجازت دے دیں تو یہ آپ کی خاص مہربانی ہوگی۔"

"محترمہ راجکماری صاحبہ! آپ یہ کیا کہہ رہی ہیں" ——— کمال نے کہا:

میں اس سلسلے میں تمہاری خواہش اور مرضی کے مطابق عمل کر رہا ہوں۔ تمہیں ہماری صحبت ناپسند ہے۔ تم بات بات پر رنجیدہ اور غمگین ہو جاتی ہو اور میں تمہیں رنجیدہ اور غمگین دیکھ نہیں سکتا۔ اس لئے اپنے دل کی دنیا خود ہی برباد کر کے محض تمہاری خوشی کی خاطر تمہیں قنوج بھیج رہا ہوں۔ میں تمہاری جدائی کے غم کو خود برداشت کروں گا، لیکن میں یہ کبھی نہ کروں گا کہ تمہیں زبردستی یہاں رکھوں اور تمہیں مجبوراً یہاں رہنا پڑے۔"

"میں نے اپنی آزادی کے بارے میں کبھی آپ سے کچھ نہیں کہا" ———

راجکماری نے کہا: "بلکہ آپ نے اپنی رحمدلی سے خود ہی مجھے آزاد کر دینے کا ارادہ ظاہر فرمایا ہے۔ اس صورت حال کے تحت میں یہ سمجھنے سے قاصر ہوں کہ میری روانگی سے پھر آپ کے دشمنوں کو کیوں اس قدر رنج و ملال ہوگا۔ ایک کنیز کی آزادی یا ایک قیدی کی رہائی کوئی ایسی بات تو نہیں ہے کہ آپ سے عظیم المرتبت فوجی سردار پر رنج و غم کے اثرات مرتب کرے۔"

"آہ! میں اپنا راز تم پر افشا نہیں کرنا چاہتا" ——— کمال نے کہا: "کہ مجھے انہی الفاظ پر سخت افسوس ہے جو کچھ دیر پہلے اس بارے میں میری زبان سے بے ساختہ نکل گئے ہیں۔"

راجکماری نے ہنستے ہوئے کہا ——— "اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ ایسا بڑا آدمی اس راز کو ظاہر کرنا یا یوں کہا جائے کہ اس ظاہر بات کو اپنی زبان سے تسلیم کرنا اپنی خلافِ شان سمجھتا ہے بلکہ اسے اپنے لئے عار کا سبب قرار دیتا ہے۔"

"راجکماری! اب کیوں میرے زخموں پر نمک چھڑک رہی ہو" ——— کمال نے کہا: "میں جانتا ہوں کہ میری زبان اور میرے دل نے میرے راز کو افشا کر دیا ہے، اب تم جو کچھ کہو گی میں سُنوں گا۔"

یہ کہہ کر کمال سر جھکا کر بیٹھ گیا۔ اس کے چہرے پر زردی چھا گئی اور وہ رنج و غم اور حسرت و یاس کی ایک زندہ تصویر بن کر رہ گیا۔ اس وقت اس نے اپنی تلوار جو سامنے دھری ہوئی تھی اٹھا کر اپنے زانو پر رکھ لی تھی اور سر جھکائے اُسے اُلٹ پلٹ کرنے میں مصروف تھا۔ راجکماری نے کن انکھیوں سے اس کی حالت کا جائزہ لیا تو دیکھا کہ کمال کی آنکھوں سے آنسو جھانک رہے ہیں اور وہ انہیں باہر آنے سے روکنے کی تگ و دو کر رہا ہے۔ اس منظر نے راجکماری کے صبر و قرار کو سخت دھچکا پہنچایا اور وہ بولی ——— "بس اب تو حد ہو گئی۔ اب آپ مجھ پر رحم فرمائیں۔ آپ کو آپ کی غیرت اور پاسِ عزت و شان مبارک۔ میں اپنے وطن کے ننگ و ناموس کو آپ کی نذر کرتی ہوں اور اب قسم کھاتی ہوں کہ آئندہ کبھی اپنے وطن کا نام تک بھی نہ لوں گی نہ آپ سے جُدا ہونے کا قصد کروں گی۔"

"اے خدا! میں تیرا شکر ادا کرتا ہوں" ——— کمال نے بے ساختہ کہا "کہ تُو نے مجھے راستی اور پاکبازی کا راستہ دکھایا اور پھر اس کا یہ صلہ بھی عنایت فرما دیا کہ اب یہ دنیا میرے لئے بہشت ہو گئی ہے" ——— پھر کمال نے رُک کر راجکماری کی طرف دیکھ کر کہا ——— "تم واقعی ایک ذہین لڑکی ہو۔ تم نے بات کی بات میں مجھے فتح کر لیا ہے۔ لیکن میں اب بھی یہی کہوں گا کہ اگر تم یہاں کے قیام کو ناپسند کرو تو میرے لئے خواہ مخواہ تکلیف برداشت نہ کرو۔ اوّل تو قنوج کی جنگ کا معاملہ ہے جس میں ایک طرف ہندوستان کے سارے راجے مہاراجے اور ان کی فوجوں کے لاکھوں سپاہی ہیں۔ پتہ نہیں میں اس جنگ میں زندہ بھی بچتا ہوں یا نہیں، خیر اگر میں ظالم کفّار کی تلواروں سے محفوظ بھی رہا تو مجھ پر جو مصیبت پڑے گی میں اُسے برداشت کر لوں گا۔ مگر میرے لئے یہ ناممکن ہے کہ میں تمہارے رنج و غم کو برداشت کر سکوں۔"

"اب آپ بار بار قنوج کا نام نہ لیں" ——— راجکماری نے کہا "میں اب وطنی

محبت کو ترک کر چکی ہوں۔ اس لئے اب میں قنوج نہ جاؤں گی۔ میں احسان فراموش نہیں ہوں کہ آپ کے احسانات کو فراموش کر دوں" ——— پھر اُس نے مسکراتے ہوئے اپنی بات جاری رکھی۔ ——— "علاوہ ازیں سچ ہو یا جھوٹ، اس سلسلے میں کسی کا دل دکھانا کوئی اچھی بات نہیں ہے۔ اس لئے میں آپ کا دل دُکھانا بھی نہیں چاہتی۔"

"میری راجکماری! اب میری محبت پر شک نہ کرو" ——— کمال نے کہا "بدگمانی اچھی چیز نہیں ہے۔ یقین کرو میں تم سے کبھی جھوٹ نہ بولوں گا اور یہ تو تم بخوبی سمجھتی ہی ہو کہ مجھے تمہاری خوشامد کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔"

راجکماری قدرے غمزدہ بن کر بولی ——— "ہاں یہ تو سچ ہے کہ آپ کو مجھ غریب کی خوشامد کی کیا ضرورت ہے۔ آپ جو کچھ بھی ارشاد فرمائیں گے، سب سچ اور درست ہوگا۔ مگر میری مجبوری یہ ہے کہ میں جو کچھ کہوں گی اسے خوشامد ہی سمجھا جائے گا۔"

"نہیں یہ بات نہیں ہے" ——— کمال نے کہا "تم میری نظر میں ایک صداقت شعار، شریف النفس لڑکی ہو اور میں یہ بھی خیال کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے جس طرح تمہیں حسن و جمال سے نوازا ہے، اُسی طرح تمہیں حُسنِ سیرت سے بھی آراستہ و پیراستہ کر رکھا ہے۔"

"سچی اور واضح بات یہ ہے" ——— راجکماری نے کہا "میری بہ نسبت آپ اس تعریف کے زیادہ مستحق ہیں۔"

"کیا یہ تمہاری دلی آواز ہے؟" ——— کمال نے مسکرا کر کہا۔

راجکماری غصہ سے بولی ——— "تو کیا میں یہ کہہ کر آپ کی خوشامد کر رہی ہوں؟"

کمال نے مسکراتے ہوئے جواب دیا ——— "یہ خوشامد نہیں بلکہ میری سچّی محبّت کا اثر ہے کہ تمہارے نازک دل میں بھی میرے خیال نے اپنی جگہ بنا لی ہے"۔

یہ سُن کر راجکماری خاموش ہو گئی۔ کیونکہ اسے یاد آ گیا تھا کہ سکینہ بھی اس کے قریب بیٹھی ہوئی ہے۔ اسی باعث اُس نے اس قسم کی گفتگو پسند نہ کی اور بات بدل کر بولی ——— "میں نے بارہا سُنا ہے اس وقت دنیا میں دہلی سے بہتر کوئی شہر نہیں ہے اس لئے ملک قطب الدین ایبک نے اُسے اپنا دارالحکومت بنایا ہے۔ کیا یہ مناسب نہیں ہے کہ آپ مجھے دہلی بھیج دیں تاکہ میں بھی اس شہر کو دیکھ لوں"۔

"بلاشک وشبہ دہلی ایک عمدہ شہر ہے" ——— کمال نے کہا "اور اسے ضرور دیکھنا چاہیئے۔ انشاءاللہ العزیز تم اسے دیکھو گی تو ضرور پسند کرو گی۔ لیکن کیا تم نے پہلے سے کبھی دہلی نہیں دیکھا"؟

"مجھے آج تک دہلی دیکھنے کا موقع نہیں ملا" ——— راجکماری نے کہا "کیونکہ میں اپنی زندگی کے روزِ اوّل سے آج تک میرٹھ سے باہر گئی ہی نہیں"۔

"مناسب ہے میں تمہیں پہلے دہلی بھجوا دوں گا" ——— کمال نے کہا "پھر خود بھی تمہارے پیچھے پیچھے دہلی آ پہنچوں گا"۔

"کیا آپ میرے ساتھ دہلی نہیں جائیں گے"؟ ——— راجکماری نے کہا "کیا سپہ سالارِ اعظم قطب الدین ایبک نے آپ کو دہلی آنے کے لئے نہیں کہا"؟

"پہلے پروگرام کے تحت مجھے میرٹھ سے سیدھے دہلی ہی جانا تھا" ——— کمال نے کہا "لیکن دہلی سے بوقت روانگی سپہ سالارِ اعظم نے مجھے حاکمِ لاہور سے ملنے اور اسے جلد از جلد فوج کے ساتھ دہلی پہنچنے کی تاکید کرنے کا حکم دیا تھا۔ جس

کی تعمیل کے لئے میں ایک دو روز بعد لاہور روانہ ہو جاؤں گا"۔

"لاہور کے بعد آپ کہاں جائیں گے"؟ ——— راجکماری نے استفسار کیا۔

"دہلی۔ اور میرے خیال میں اگر چند روز کے بعد تم بھی دہلی چلی جاؤ تو مناسب ہو" ——— کمال نے جواب دیا۔

"میں آپ کے حکم کی تعمیل کروں گی" ——— راجکماری نے کہا "لیکن ذرا یہ تو سوچیئے کہ میں دہلی میں تنہا کس طرح رہ سکتی ہوں"۔

"میں تمہارے ساتھ چند سمجھدار کنیزیں بھیج دوں گا" ——— کمال نے کہا "جو دہلی میں ہر وقت تمہاری خدمت میں حاضر رہیں گی اور تمہارا دل بہلاتی رہیں گی۔ پھر میں سکینہ کو بھی تمہارے ساتھ بھیجوں گا۔ دہلی میں جس جگہ تمہارا قیام ہوگا وہ جگہ بہت عمدہ مقام ہے۔ وہاں یقیناً تمہاری طبیعت بھی شگفتہ رہے گی اور تم خوش وخرم دن بسر کرو گی۔ میں وہاں قیام کر چکا ہوں اور وہ قیام گاہ مجھے عطا ہو چکی ہے"۔

راجکماری نے کہا ——— "میں قبل ازیں کہہ چکی ہوں کہ میں آپ کے حکم کی تعمیل کروں گی۔ میں تا زندگی ہمیشہ آپ کی اطاعت گزار رہوں گی اور ہمیشہ آپ کی خوشی کو مقدّم رکھوں گی۔ کیونکہ صرف اسی طرح میں آپ کے احسانات کا بدلہ چُکا سکتی ہوں"۔

"میں تمہارے ان خیالات کی داد دیتا ہوں" ——— کمال نے کہا "اور تمہاری خوش اخلاقی اور نیک نفسی سے امید رکھتا ہوں کہ تم ہمیشہ میرے ساتھ ایسی مہر ومحبت سے پیش آتی رہو گی۔ مجھے یقین ہے کہ تمہارا کسی معزز اور نیک خاندان سے تعلق ہے۔ کیونکہ تمہاری اچھی عادتیں اور نیک دلی اس کا واضح ثبوت ہے لیکن مقامِ افسوس ہے کہ کسی وجہ سے تم کو اپنے خاندانی حالات بتانے سے انکار ہے۔ کاش! تم خود

میرے اس بالکل درست خیال کی تصدیق کر دیتیں تو مجھے اطمینان ہو جاتا کہ میرے دل کی مالکہ جائز طور پر اس کی مستحق ہے کہ اس پر دل و جان نثار کر دیئے جائیں۔"

راجکماری نے یہ سُن کر کن انکھیوں سے سکینہ کو دیکھا اور سوچا کہ میں جس بات کو ٹالنے کی کوشش کر رہی ہوں، بار بار اسی کا ذکر چھڑ جاتا ہے۔ غالباً اب کمال کو بھی اپنے دلی جذبات پر قابو حاصل نہیں رہا۔ اس لئے بے ساختہ اُن کی زبان سے بعض باتوں کا اظہار ہو رہا ہے۔ یہ تو ناممکن ہے کہ ہماری محبت کا راز افشا نہ ہو، لیکن اس قدر جلد اس راز کے فاش ہونے سے میری سُبکی ہوگی۔ مجھے اس وقت سکینہ کو اپنے ہمراہ نہیں لانا چاہیئے تھا۔ مگر مجھے کسی کے دل کی کیا خبر تھی اور میرے خواب و خیال میں بھی نہ تھا کہ کمال مجھ سے اُنس و پیار کی باتیں کریں گے۔"

راجکماری نے مزید سوچا کہ بلاشک و شبہ محبت کے اس کھیل کی ابتدا میری طرف سے ہوئی اور ایک طرح سے میں نے خود ہی کمال کو چھیڑ دیا۔ لیکن اس راز کے افشا کا الزام مجھ پر عائد نہیں کیا جا سکتا۔ میرے اہلِ ہند کے لشکر قنوج جانے کا ذکر ایک سرسری بات تھی۔ لیکن اس سے کمال کی حالت میں جو تغیّر ہوا ہے اور ان کے چہرے پر جس طرح رنج و غم کے جذبات ابھرے ہیں۔ میں انہیں دیکھ کر خاموش نہیں رہ سکی۔ ظاہر ہے میں سنگدل نہیں ہوں، گوشت و پوست کی ایک انسان ہوں۔ اگر میری زبان سے بے ساختہ پیار و محبت کے بعض تسلی بخش الفاظ نکل گئے ہیں تو مجھے قصوروار نہیں ٹھہرایا جا سکتا۔ وہ گفتگو کے دوران سخت بے قرار ہو گئے تھے اور میں ان کی بے قراری برداشت نہ کر سکی۔ ادھر راجکماری اپنے خیالات میں گُم تھی اور ادھر کمال اپنے سوال کے جواب کا انتظار کر رہا تھا۔ اُس نے جب کچھ دیر تک راجکماری کو خاموش دیکھا تو کہا ——

"تمہیں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں تمہیں مجبور نہیں کروں گا کہ تم لازماً مجھے اپنے خاندانی حالات سے آگاہ کرو۔"

"مجھے افسوس ہے کہ میں خواہ مخواہ اپنے خیالات میں اُلجھ گئی تھی" ——

راجکماری نے کہا۔ "آپ مجھ سے میرے خاندانی حالات پوچھ رہے ہیں تو اب میں بھی ان کو ظاہر کرنے میں کوئی عیب نہیں سمجھتی۔ البتہ آج سے پہلے میں اپنے خاندانی حالات کا آپ پر اظہار پسند نہ کرتی تھی۔ میری خاندانی کہانی یہ ہے کہ میں میرٹھ کے والی ہرچند رائے کی بیٹی ہوں، میری ماں بھی ایک مشہور راجپوت خاندان کی فرد تھی۔ میں ابھی آٹھ دس برس کی تھی کہ ایک روز میری ماں انتقال کر گئی۔ بس اُس روز سے میرے باپ نے اپنے سایہ کی مانند مجھے اپنے ساتھ رکھا ہے۔ میں سفر کے دوران بھی ہمیشہ اپنے باپ کے ہمراہ رہی ہوں۔ مجھے بڑے بڑے لائق فائق و ذہین و فہیم اتالیق صاحبان سے تعلیم حاصل کرنے کے مواقع فراہم ہوئے ہیں اور میرے والد نے ہمیشہ مجھے اتالیق صاحبان سے اپنے سامنے تعلیم دلوائی ہے، گو اس سے ان کے ذاتی مشاغل اور کاروبارِ ریاست میں خلل پڑتا تھا لیکن انہوں نے میری خاطر یہ سب کچھ گوارا کیا ہے اور یہ کبھی منظور نہیں کیا کہ میں دم بھر کے لئے بھی ان کی نظروں سے اوجھل رہوں۔ اب میرٹھ کی جنگ کے بعد میں گرفتار ہو کر یہاں لائی گئی ہوں تو پتہ نہیں میرے والد کے دل پر کیا گزر رہی ہے۔ میں قلعہ میرٹھ سے فرار ہوئی تھی تو میرے ہمراہ میرے ایک شفیق اتالیق بھی تھے، جو کئی تیر کھا کر گھوڑے سے گرے تو میں خوفزدہ ہو کر اپنی غیرت و حمیت کو ایک طرف رکھ کر اپنی جان بچانے کے لئے میدانِ کارزار سے بھاگ نکلی، مگر میرا یہ فرار ناکام رہا اور میں قیدی بن گئی۔ پھر آپ نے میرے ساتھ شریفانہ برتاؤ کیا اور میری دلجوئی کی۔"

"مجھے یاد آ رہا ہے کہ ایک صاحب زخمی ہو کر گرے تھے" —— کمال نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ "تو انہوں نے تمہاری خیر و عافیت کے بارے میں اظہارِ تشویش کیا تھا اور تمہیں دعائیں بھی دی تھیں، وہ صاحب کون تھے"؟

راجکماری نے جواب دیا ——— "وہی تو میرے قابل احترام اتالیق تھے ———"

"میں اُن کا ممنون ہوں کہ ان کی وجہ سے میری تم سے ملاقات ہوئی ہے ———" کمال نے کہا: "اگر وہ زخمی ہو کر گھوڑے سے گرتے ہوئے تمہارا نام لے کر تمہیں دعا نہ دیتے اور تمہاری خیر و عافیت کے بارے میں اظہارِ تشویش نہ کرتے تو میری توجہ تمہاری طرف مبذول نہ ہوتی اور نہ مجھے تمہارے نام کا علم ہوتا اور اس لاعلمی میں کہ تم ایک مرد ہو، یہ بھی ممکن ہے کہ میں تمہیں ایک ہی وار میں موت کے گھاٹ اتار دیتا۔ میں سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہوں کہ اُس نے تمہاری صورت میں مجھے بے نظیر انعام سے نوازا ہے اور اس کے بعد میں تمہارے اتالیق کا ممنون ہوں، پتہ نہیں ان کا کیا حشر ہوا"؟

"میں خود ان کے بارے میں فکر مند ہوں" ——— راجکماری نے کہا: "بھگوان جانے زندہ بھی ہیں یا نہیں۔ خیر اب کچھ اور ذکر کریں۔ غالباً اب صبح ہو رہی ہے، میں جا رہی ہوں، آپ بھی کچھ دیر آرام کر لیں اور مجھے افسوس ہے میں نے آپ کو بڑی تکلیف دی"۔

"میں کئی راتوں سے اسی طرح بیدار رہا ہوں" ——— کمال نے کہا: "اور اللہ جانے یہ شب بیداری کب تک رہے گی۔ میں اب نہ سوؤں گا کیونکہ نمازِ فجر کا وقت ہو رہا اور ہاں کیا تم دہلی جانے پر رضامند ہو"؟

"آپ میرے حق میں جو مناسب سمجھیں گے" ——— راجکماری نے کہا: "میں بھی اُسے مناسب قرار دوں گی۔ میں بخوشی دہلی چلی جاؤں گی۔ لیکن میری آپ سے یہ استدعا ہے کہ آپ مجھے اپنی خیر و عافیت سے مطلع کرنے کے لئے ہر ہفتے ایک قاصد میرے پاس ضرور بھجوایا کریں"۔

"میں خود اس پر غور کر رہا تھا" ——— کمال نے کہا: "انشاء اللہ العزیز ہر ہفتے ایک قاصد میرا پیغام لے کر تمہارے پاس آیا کرے گا اور تمہارا پیغام مجھ تک پہنچایا کرے گا۔ میں آج ہی چند سمجھدار خادموں کو دہلی بھیج دوں گا تاکہ وہ تمہارے دہلی پہنچنے سے قبل تمہارے لئے سامانِ آسائش فراہم کر لیں۔ پرسوں تم دہلی کے لئے روانہ ہو گی تو اسی روز میں لاہور کی راہ لوں گا اور پھر جلد ہی لاہور سے سیدھا تمہارے پاس دہلی پہنچوں گا"۔

راجکماری بولی ——— "دہلی کا یہاں سے کس قدر فاصلہ ہے"؟

"دو منزل سے قدرے کم ہو گا" ——— کمال نے کہا: "مگر میں نے سوچا ہے کہ تمہارے ہمراہ جو سوار بھیجوں گا، انہیں تاکید کر دوں گا کہ ایک ہی روز میں تیز رفتاری سے سفر کر کے دہلی پہنچ جائیں"۔

"آپ کو علم ہی ہے کہ ان دنوں میری طبیعت قدرے مضمحل ہے" ——— راجکماری نے کہا: "اس صورت میں دو منزلوں کو ایک ہی روز میں طے کرنے سے مجھے سخت تکلیف پہنچے گی۔ اگر آپ مناسب سمجھیں تو ہم ایک روز راہ میں کسی مناسب مقام پر قیام کر کے اگلے روز دہلی پہنچ جائیں"۔

"میں نے محض اس خیال سے کہ ان دنوں اس سارے علاقہ میں قدرے بدامنی اور کھچاؤ سا ہے" ——— کمال نے کہا: "یہ مناسب خیال کیا تھا کہ درمیان میں کہیں قیام کئے بغیر آپ بخیر و عافیت دہلی پہنچ جائیں۔ مگر نہیں کوئی حرج نہیں، آپ ایک رات کسی محفوظ جگہ گزار کر اگلے روز سفر کرتی ہوئی دہلی پہنچ جائیں تو کوئی حرج واقع نہ ہو گا، کیونکہ بظاہر تو اس راہ میں کوئی خطرہ نظر نہیں آتا ———"

"خیر یہ تو ہوا اب یہ بتائیے" ——— راجکماری نے استفسار کرتے ہوئے کہا: "کہ دہلی میں میرے ساتھ کون کون ہو گا"؟

"سکینہ اور تین چار دوسری عورتیں" ——— کمال نے کہا "جو میرٹھ سے تمہاری خدمت کے لئے تمہارے ساتھ ہی جائیں گی۔ علاوہ ازیں بیس پچیس سوار ہوں گے جو تمہیں بحفاظت دہلی پہنچا کر میرٹھ لوٹ آئیں گے"۔

ابھی یہ گفتگو جاری ہی تھی کہ قریبی نوتعمیر مسجد سے اللہ اکبر... اللہ اکبر... کی صدا بلند ہونے لگی۔ سردار کمال الدین سمرقندی کی زبان سے بے ساختہ جَلَّ جَلَالُہٗ نکلا اور وہ راجکماری سے مخاطب ہو کر بولا ——— "میں اب نماز کی ادائیگی کے لئے جا رہا ہوں۔ تم چاہو تو اسی کمرے میں آرام کر سکتی ہو، سکینہ تو تمہارے پاس ہے ہی"۔

——— ☆ ———

باب ۱۰

مندر میں سازش

چاندنی رات ہے اور ہلکی ہلکی چاندنی ہر سُو پھیلی ہوئی ہے۔ میرٹھ سے دہلی کی طرف رواں دواں ناہموار سڑک پر ایک چھوٹا سا قافلہ جا رہا ہے۔ آگے آگے دو سوار ہیں جن کی وضع قطع اور لباس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ ملک قطب الدین ایبک کی فوج کے سوار ہیں۔ ان کے تیز و طرار عربی گھوڑے اس ناہموار سڑک پر بڑی سبک روی سے آگے بڑھ رہے ہیں۔ ان سواروں سے لگ بھگ دو سو قدم پیچھے پورا قافلہ ہے جو بیس سواروں چار حبشیوں اور تین اونٹوں پر مشتمل ہے۔ چاروں حبشی صحتمند خچروں پر سوار ہیں اور تینوں اونٹوں پر ایک ایک محمل کسی ہوئی ہے جو بڑی خوش قطع اور آرام دہ معلوم ہوتی ہیں۔ قافلہ کے بیس سواروں کی وضع قطع اور لباس ان دو سواروں سے مشابہ ہے جو قافلے کے آگے آگے چل رہے ہیں۔

قافلہ اپنی منزل کی طرف بڑھ رہا تھا کہ یک لخت آسمان پر بادل چھا گئے۔ چاند نظروں سے غائب ہو گیا اور چاروں طرف تاریکی چھا گئی۔ وہ دونوں سوار جو قافلے کے آگے تھے رُک گئے اور ایک دوسرے سے مخاطب ہوا:۔

"رات زیادہ ہو چکی ہے اور اب ہر سُو تاریکی چھا رہی ہے۔ اس صورت میں سفر جاری رکھنا مشکل ہے"۔

"پھر اب آپ کے خیال میں کیا کرنا چاہیئے؟" ——— دوسرے سوار نے سوال کیا۔

پہلے سوار نے جواب دیا ——— "میرا خیال ہے اب رات کو ہمیں آرام کرنا چاہیئے اور علی الصبح دوبارہ اپنا سفر شروع کرنا چاہیئے۔"

"یہ تو ٹھیک ہے کہ ہمیں رات کو آرام کرنا چاہیئے لیکن یہ تو بتایئے کہ رات کس جگہ بسر کی جا سکتی ہے؟" ——— دوسرے نے جواب میں کہا۔

پہلے سوار نے مشرق کی طرف اشارہ کر کے کہا ——— "اس طرف جو پہاڑی پر آگ روشن نظر آتی ہے اور درختوں کا جھنڈ سا ہے، وہاں ایک قدیمی مندر ہے جس کے ساتھ پنڈتوں، پروہتوں کے رہائشی کمرے بھی ہیں اور مسافروں کے ٹھہرنے کے لئے بھی کئی کمرے موجود ہیں۔ مندر میں ایک بوڑھا پروہت طویل عرصہ سے مقیم ہے۔ میں قبل ازیں اس سے مل چکا ہوں۔ وہ ایک خوش اخلاق مہمان نواز انسان ہے۔ میرا خیال ہے ہم سب وہاں چلیں اور وہیں رات بسر کر کے علی الصبح اپنے سفر پر روانہ ہو جائیں تو دوپہر تک دہلی پہنچ سکتے ہیں۔"

دوسرا سوار بولا ——— "میں آپ کی اس تجویز سے متفق ہوں مگر آپ کو دوسروں سے بھی رائے لے لینی چاہیئے۔"

اس دوران میں قافلہ بھی ان کے قریب پہنچ گیا اور ایک حبشی نے آگے بڑھ کر ان سواروں سے اس جگہ رُکنے کی وجہ پوچھی ——— سوار نے گھپ اندھیرے میں ناہموار سڑک پر سفر کی مشکلات اور اپنی تجویز بیان کی تو حبشی نے دو تین مزید سوال کئے اور پھر ایک محمل کے قریب گیا اور محمل نشین سے گفتگو کے بعد لوٹ کر بولا ——— "آپ کی تجویز منظور کر لی گئی ہے۔ واقعی مناسب یہی ہے کہ ہم آج کی رات اسی مندر میں مقیم رہیں اور علی الصبح اپنے سفر پہ روانہ ہوں۔"

اس کے بعد سارے سواروں نے مشرق کا رُخ کیا۔ لگ بھگ نصف میل کے بعد سب لوگ اُس مندر سے نظر آنے والی آگ کے قریب پہنچ گئے اور پھر مندر کے بڑے دروازے پر آ گئے۔ قافلے کے آگے آگے چلنے والے دو سواروں میں سے ایک سوار نے گھوڑے سے اُتر کر دروازے پر دستک دینی شروع کی۔ جب کئی بار دستک دینے کے باوجود اندر سے کسی نے دروازہ نہ کھولا تو سوار نے زور سے دروازے پر ہاتھ مار کر بآواز بلند کہا:۔

"میں ایک مسافر ہوں اور اس تاریک رات میں سفر کرنے سے معذور ہو گیا ہوں۔ میں شکر گزار ہوں گا اگر آپ مجھے اس ایک تاریک رات کے لئے شب بسری کی اجازت دے دیں۔"

فوراً ہی اندر سے بڑی نرمی سے کوئی بولا ——— "بھائی تمہیں علم ہو گا کہ ان دنوں اس علاقہ میں کیسے ہنگامے برپا ہیں، میں معذور ہوں اور معافی کا خواستگار ہوں۔ کیونکہ میں عہد کر چکا ہوں کہ جب تک یہ ہنگامے برپا رہیں گے میں اس مندر کا دروازہ سب پر بند رکھوں گا۔"

"میرے محترم بزرگ! اس قدر احتیاط کی ضرورت نہیں" ——— سوار نے کہا۔ "کیونکہ اس علاقے میں تو ہمیشہ سے ہنگامے ہوتے رہتے ہیں۔ ہمیں آپ سے کوئی سروکار نہیں۔ آپ خواہ مخواہ کسی وہم میں مبتلا ہیں، ہمیں تھوڑی سی رات جو باقی ہے، مندر کے کسی کونے کھدرے میں پڑے رہ کر بسر کرنی ہے اور پھر علی الصبح مندر سے اپنی منزل کی طرف روانہ ہو جانا ہے۔"

مندر کے اندر سے وہی آدمی دوبارہ بولا ——— "آپ اکیلے ہیں یا آپ کے ساتھ دوسرے لوگ بھی ہیں؟"

سوار نے جواب دیا ——— "ہم پچیس تیس کے قریب لوگ ہیں۔"

اس کے جواب میں اندر پھر خاموشی چھا گئی۔ سوار دروازہ کھلنے کے انتظار میں خاموش کھڑا تھا۔ اچانک اس کو خیال آیا کہ اندر پتہ نہیں کیا معاملہ ہے، کوئی بولتا کیوں نہیں۔ یہ سوچ کر سوار نے دروازے سے کان لگا کر غور سے اندر کی بات چیت سُننے کی کوشش کی، کچھ یوں پتہ چلتا تھا کہ اندر دو تین آدمی ہولے ہولے آپس میں گفتگو کر رہے ہیں، کچھ دیر بعد پروہت نے دروازہ کھول دیا تو سوار نے ہاتھ بڑھا کر اس ضعیف آدمی سے مصافحہ کرنے کے بعد کہا ——— "ہم نے ایک مجبوری کے تحت اس وقت آپ کو تکلیف دی ہے اور دروازہ کھولنے پر اصرار کیا ہے، اگر ہم مجبور نہ ہوتے تو ہم سب رات بھر مندر کے باہر بھی پڑے رہ سکتے تھے اور کسی نہ کسی طرح رات گزار سکتے تھے۔"

یہ سُن کر پروہت کے چہرے پر گھبراہٹ طاری ہو گئی اور وہ بولا ———
"نوجوان وہ مجبوری کیا ہے۔ میں ان دنوں بڑی مشکلات میں گھرا ہوا ہوں۔ اگر تمہارے ہمراہ کچھ مجرم اور قیدی ہیں یا مال و اسباب ہے تو میں تمہاری منّت کرتا ہوں کہ باہر ہی قیام کرو۔ میں تمہاری خدمت کے لئے باہر ہی حاضر رہوں گا۔"

"بزرگ محترم! آپ کو اس قدر گھبرانے کی ضرورت نہیں" ——— سوار نے کہا "بالکل اطمینان رکھیں، ہم آپ کو کوئی نقصان نہ پہنچنے دیں گے۔ ہمارے ساتھ صرف اتنی مہربانی کریں کہ ہمیں کوئی ایک کمرہ دے دیں جس میں ہم اپنی عورتوں کو رات بھر کے لئے ٹھہرا سکیں اور یہی ہماری وہ مجبوری ہے جس کے باعث ہم آپ کو تکلیف دینے پر مجبور ہوئے ہیں، باقی رہے ہم سب لوگ۔ اگر ہمیں کوئی جگہ نہ بھی ملے تو کوئی حرج نہیں، ہم سب اندر صحن میں ان درختوں تلے رات بسر کر لیں گے۔"

یہ سُن کر پروہت دروازے پر آ گیا اور قافلے پر نظر ڈال کر بولا ———
"آپ کے ہمراہ تو سینکڑوں سوار ہیں بلکہ پوری ایک فوج معلوم ہوتی ہے۔ آہ! کیا

یہ سچ ہے کہ اس مندر کی تباہی و بربادی کا وقت آ گیا ہے۔"

"نہیں آپ خواہ مخواہ ہمارے بارے میں کوئی بُری رائے قائم نہ کریں" ———
سوار نے کہا "ہماری ذات سے آپ کو کوئی تکلیف نہ پہنچے گی۔ ہم مکر و فریب کو بُرا سمجھتے ہیں، اور کبھی کسی سے دھوکہ دہی کے مرتکب نہیں ہوتے۔ میں آپ کے اطمینان کے لئے آپ کے ساتھ وعدہ کرتا ہوں کہ اس وقت کچھ دیر کے لئے ہمارے یہاں ٹھہرنے سے آپ کی آزادی اور راحت و آرام میں بالکل فرق نہ آئے گا اور آپ اپنی موجودہ حالت میں بالکل بخیر و عافیت رہیں گے، ہم آپ کی سلامتی کا ذمّہ لیتے ہیں۔"

"میں تمہاری درخواست کو مسترد نہیں کرتا" ——— بوڑھے پروہت نے کہا "لیکن یہ ضرور کہوں گا کہ مجھے پتہ چلنا چاہیئے کہ تم کون لوگ ہو، کہاں سے آ رہے ہو اور کہاں جانے کا ارادہ ہے۔ مجھے اس وقت تک صرف یہی علم ہو سکا ہے کہ جو شخص ابتدا سے مجھ سے گفتگو کر رہا ہے، وہ شاید ایک سنجیدہ و متین مسلمان نوجوان ہے۔"

"آپ کو ہمارے بارے میں صرف اسی قدر علم ہونا چاہیئے" ——— سوار نے کہا "اور یہ کافی ہے کہ ہم سب مسلمان ہیں، ہم صرف رات کا بقایا حصہ اس مندر میں گزاریں گے اور علی الصبح آپ کا شکریہ ادا کر کے یہاں سے روانہ ہو جائیں گے اور ہم آپ سے یہ وعدہ بھی کرتے ہیں کہ ہم نہ تو آپ کے مشاغل میں رکاوٹ کا باعث بنیں گے اور نہ آپ کو مزید تکلیف دیں گے۔ بس اب آپ اپنے سارے وہم و شبہات ترک کر کے اندر چلیں اور ہمیں آرام کے لئے کوئی جگہ بتا دیں۔ ہم جب یہاں آ ہی گئے ہیں تو کیوں نا کچھ دیر آرام بھی کر لیں۔"

"مناسب ہے آپ چند منٹ اسی جگہ ٹھہریئے" ——— پروہت نے کہا "میں ابھی آ کر آپ کو اندر لے جاؤں گا۔"

یہ کہنے کے بعد پروہت دوبارہ مندر میں چلا گیا اور سوار کو حسب معمول دروازے پر کھڑے رہنا پڑا۔ اس وقت سارے سوار گھوڑوں سے نیچے اتر آئے تھے اور سواروں میں جو چند سائیس تھے وہ گھوڑوں کی باگ ڈوریں پکڑ کر گھوڑوں کو ہولے ہولے ٹہلانے میں مصروف ہو گئے۔ ساربان بھی دروازے کے قریب اونٹوں کو بٹھانے لگے تھے اور چاروں حبشی ایک محمل کے پاس جا کر خاموشی سے کھڑے ہو گئے تھے۔ ایک حبشی نے جو متعدد بار محمل کی طرف جھک کر کچھ سنتا رہا تھا، فوراً مندر کے دروازے پر آیا اور سوار سے مخاطب ہو کر بولا ——— "آپ اس بوڑھے سے بہت زیادہ مہربانی کا سلوک کر رہے ہیں۔ دیکھئے کس قدر دیر ہو گئی ہے مگر اس بوڑھے کے شکوک و شبہات کا سلسلہ ختم نہیں ہوا۔ اس نے پہلے تو تقریباً ایک گھنٹے کے بعد دروازہ کھولا ہے اور بار بار دستک دینے پر بھی خاموش رہا ہے۔ پھر باہر آ کر اپنی بے کار اور فضول گفتگو کے سلسلے کو دراز سے دراز تر کرتا رہا ہے اور اب پھر غائب ہو گیا ہے۔ اگر اس کا یہی رویہ رہا تو ہمیں اس جگہ کھڑے کھڑے صبح ہو جائے گی۔ اب ہمارے صبر کی انتہا ہو چکی ہے۔ اب آپ حکم دیں کہ ہمارے سوار مندر میں داخل ہو کر اپنے قیام کے لئے خود ہی کوئی مناسب جگہ منتخب کر لیں۔ پتہ نہیں کیوں اس معمولی سی بات میں بوڑھا پس و پیش سے کام لے رہا ہے۔ ہم اس کے مندر کو سر پر اٹھا کر تو نہیں لے جائیں گے۔ دراصل آپ کی خوش اخلاقی نے اس بے وقعت کو دلیر بنا دیا ہے کہ اس نے اس کا خیال بھی نہیں کیا کہ وہ ایک باعزت افسرِ فوج کو کافی دیر سے خواہ مخواہ پریشان کر رہا ہے۔"

یہ سوار جو دراصل ایک افسرِ فوج تھا۔ حبشی کی بات سن کر مسکراتے ہوئے بولا ——— "بلاشک و شبہ اس پروہت نے اک ذرا سی بات کو خواہ مخواہ بہت زیادہ اہمیت دے دی ہے۔ مگر ہمارے لئے یہ کسی طرح بھی مناسب

نہیں کہ ہم ہندوؤں کے ایک مذہبی رہنما کے ساتھ سختی سے پیش آئیں۔ ہمیں اس کی دل شکنی کر کے ناانصافی کا مظاہرہ نہیں کرنا چاہیئے۔ پھر یہ مندر چونکہ ہماری مملکت میں واقع ہے، اس لئے ایک طرح سے یہ پروہت خود ہمارا مہمان قرار پاتا ہے۔ جس کی دلجوئی ہمارا فرض بن جاتی ہے۔ پھر آثار سے پتہ چلتا ہے کہ آج اس کے یہاں کچھ اور لوگ بھی بطورِ مہمان مقیم ہیں، کیونکہ جب دروازہ بند تھا تو میں نے کئی آدمیوں کی باہمی گفتگو سنی تھی۔ میرا خیال ہے اب بھی وہ پروہت اپنے انہی مہمانوں سے مشورہ کرنے کے لئے گیا ہے یا پھر ان کے لئے کوئی دوسری جگہ تجویز کرنے اور ان کی جگہ ہمیں دینے کے لئے گیا ہے۔ خیر وہ ہمیں جگہ دینے پر آمادہ ہو گیا ہے اور بس اب آیا ہی چاہتا ہے۔"

گفتگو کے اس مرحلہ پر پروہت چراغ ہاتھ میں لئے آ گیا اور بولا ———

"میں نے تمہارے لئے دو کمرے کھول دیئے ہیں۔ یہ کمرے ساتھ ساتھ ہیں۔ تم ان میں قیام کر سکتے ہو۔ یقیناً تمہیں اس قدر دیر سے کمرے ملنے پر تکلیف ہوئی ہو گی۔ لیکن میری مجبوری یہ ہے کہ گذشتہ کئی ماہ سے میرا ایک دوست اپنے شاگردوں کے ساتھ میرے یہاں مقیم ہے۔ یہ میرا بچپن کا دوست بھی ہے، ہموطن بھی اور ہم سبق بھی ہیں۔ اس کی وجہ سے پس و پیش کر رہا تھا اور سمجھتا تھا کہ تمہارے قیام سے اسے جگہ کی تکلیف ہوئی تو مجھے ندامت ہو گی۔ لیکن اب میں اس کے لئے یہ انتظام کر آیا ہوں کہ وہ اپنے شاگردوں کے ہمراہ آج کی رات میرے مخصوص کمرے میں بسر کرے گا۔ مندر کے باقی سارے کمرے خالی ہیں۔ تمہارے آدمی جہاں پسند کریں آرام کر سکتے ہیں۔"

افسر نے یہ سننے کے بعد پروہت کا شکریہ ادا کیا اور پھر اپنے دو چار آدمیوں کے ساتھ مندر میں داخل ہوا تاکہ سارے کمرے دیکھ کر اپنے ہمرائیوں کے لئے مناسب جگہ منتخب کر سکے۔ پروہت چراغ ہاتھ میں پکڑے آگے آگے تھا۔ اس نے سوار کو ان

کے لئے کھولے جانے والے دونوں کمرے دکھائے اور چراغ کو ان کے سپرد کر کے اپنے مخصوص کمرے کی طرف روانہ ہو گیا۔ اس کی روانگی کے بعد افسر کے حسب الحکم ایک شخص چراغ اٹھا کر چلا اور افسر مندر میں گھوم پھر کر کمرے دیکھنے لگا۔

اس قدیمی مندر کے تین اطراف سنگین فصیلیں تھیں اور چوتھی طرف وہ پہاڑی تھی جس کے دامن میں یہ واقع تھا۔ مجموعی لحاظ سے مندر کی عمارت کو متوسط درجہ کی عمارت قرار دے سکتے تھے۔ اس کا بڑا صحن ہموار تھا اور صحن کے درمیان میں مناسب فاصلے پر ایک ہی قطار میں متعدد سرسبز سایہ دار درخت تھے۔ مندر کی عمارت پہاڑی کے نیچے اس طرح تھی کہ ایک تقریباً دس فٹ بلند چبوترے کے درمیان میں جو ۴۵ فٹ عرض پر مشتمل تھا اور طول کے لحاظ سے دائیں اور بائیں جانب کی فصیلوں تک برابر چلا گیا تھا۔ ایک خوبصورت بلند اور وسیع کمرہ تھا اور اس کا گنبد ان کمروں کے گنبدوں سے کافی اونچا تھا جن کا سلسلہ اس عمارت سے تقریباً دس دس قدم کے فاصلے سے شروع ہو کر دونوں طرف کی فصیلوں تک چلا گیا تھا۔ یہ کمرے ہر ایک پہلو میں چار چار تھے۔ وسطی عمارت کی مشرقی جانب تین کمرے چھوڑ کر چوتھا کمرہ جو فصیل کے بالکل قریب تھا۔ اس میں پروہت اور اُس کے خاص مہمان قیام پذیر تھے اور اسی کمرے کے قریب وہ آگ دہک رہی تھی جس کی روشنی ان سواروں نے دُور سے دیکھی تھی۔ دوسری طرف کے دونوں کمرے بند اور مقفّل تھے اور باقی وہ دو کمرے تھے جن کو پروہت نے ان نو آمدہ مہمانوں کے قیام کی غرض سے کھول دیا تھا۔ پہلوؤں کی دونوں فصیلوں اور اس دیوار کے کونوں میں جس میں صدر دروازہ نصب تھا۔ ایک ایک کمرہ تھا۔

پروہت کے کمرے کے قریب چبوترے سے ملحق ایک بڑا حوض تھا جو بڑے صاف و شفاف پانی سے بھرا ہوا تھا۔ بوقت ضرورت ایک چشمے کا پانی اس حوض میں لے آتے تھے۔ اس لئے یہ ہمیشہ صاف و

شفاف پانی سے بھرا رہتا تھا۔

افسر اور اس کے ہمرائیوں نے سارے مندر میں گھوم پھر کر خوب اچھی طرح دیکھ بھال کی اور پھر مطمئن ہو کر دوبارہ ان کمروں کے دروازے پر آ گئے جو اُن کے قیام کے لئے کھولے گئے تھے۔ چند قناتیں جو اُن کے ساتھ تھیں فوراً ان دونوں کمروں کے آگے لگا دی گئیں۔ اس انتظام سے فارغ ہو کر سب لوگ باہر آ گئے اور مندر کے دروازے سے ہٹ کر ایک طرف کھڑے ہو گئے۔ اس کے بعد ساری محمل نشین عورتیں محملوں سے برآمد ہو کر حبشیوں کے ساتھ مندر کے بڑے دروازے میں داخل ہوئیں اور ان قناتوں میں جا کر غائب ہو گئیں۔ ان کے غائب ہونے کے بعد افسر اور سارے سوار بھی مندر میں داخل ہوئے اور قاعدے کے تحت پہرے کا انتظام کر کے اپنی اپنی منتخبہ جگہ پر مقیم ہو گئے۔

پروہت اور اس کے مہمان وغیرہ پروہت کے کمرے میں بیٹھے ہیں اور ان کے کمرے کا دروازہ قدرے کھلا ہوا ہے اور سامنے طاق پر دھرا ایک چراغ روشن ہے۔ سارے کمرے میں کھجور کی چٹائی کا فرش ہے جس پر دونوں طرف دیواروں سے ملے ہوئے دو دو میز کمبل بچھے ہوئے ہیں۔ ایک طرف تو کمبل پر وہی بوڑھا پروہت بیٹھا ہے جس نے مندر کا دروازہ کھول کر افسر سے بات چیت کی تھی اور اس کے قریب پچاس پچپن برس کا ایک صحت مند بلند قامت شخص بیٹھا ہے۔ اس کی وضع قطع اور لباس بتاتے ہیں کہ یہ بھی پروہت ہے۔ وہ اس وقت سخت فکرمند نظر آتا ہے۔ اس کے چہرے سے پتہ چلتا ہے کہ اس وقت وہ کسی نہایت اہم اور مشکل معاملے پر سوچ بچار میں محو ہے۔ دوسری طرف بچھے ہوئے کمبل پر دو شخص بیٹھے ہیں۔ جن میں ایک تو نوجوان ہے اور دوسرے کی عمر پچاس پچپن معلوم ہوتی ہے۔ اس کی شکل و صورت بھی پروہتوں کی سی ہے۔ گو اس وقت یہ بھی

قدرے متفکر نظر آتا ہے۔ لیکن اس کی صورت صاف بتا رہی ہے کہ وہ انتہائی مکّار شخص ہے۔ جب بھی اس کے چہرے پر فکر و تردّد کے آثار نمایاں ہوتے ہیں، وہ فوراً زانو بدل کر بیٹھ جاتا ہے اور پھر لگے ہی لمحہ اپنے چہرے سے فکرمندی کے آثار دُور کر کے مسکرانے لگتا ہے اور فوراً ہی اپنے چہرے کو اصلی حالت پر لے آتا ہے۔ اس وقت وہ کافی دیر سے غصّہ میں بھرا بیٹھا ہے اور اس کی صورت سے رُوکھاپن ٹپک رہا ہے۔ اس کی آنکھیں چھوٹی چھوٹی اور کینہ سے بھری ہوئی ہیں اور صاف پتہ چلتا ہے کہ اس میں شعبدہ بازی کا مادہ کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا ہے۔ بوڑھا پروہت اس کی طرف منہ کر کے ابھی کچھ کہنا ہی چاہتا تھا کہ اس نے اشارے سے روک دیا اور اس نوجوان سے جُھک کر کچھ کہا جو اس کے قریب بیٹھا ہوا تھا۔ نوجوان فوراً اپنی جگہ سے اٹھا اور دروازے پر پہنچ کر ایک پٹ کو قدرے کھول کر ہر طرف دیکھنے لگا اور پھر لوٹ کر اپنی جگہ بیٹھتے ہوئے بولا ——— "ہمارے دروازے کے آس پاس کوئی نہیں ہے۔ وہ لوگ وہیں دروازے کے پاس والے کمروں میں ہیں۔ البتہ بڑے دروازے پر دو تین شخص مٹر گشت میں مصروف ہیں اور اُن دو کمروں میں جو ان لوگوں کے لئے کھولے گئے ہیں، کافی روشنی نظر آ رہی ہے اور لوگوں کی باہمی گفتگو کا بھی ایک آدھ لفظ سنائی دیتا ہے۔ مگر ان کمروں کے دروازوں کے سامنے دُور تک ایک دیوار سی حائل نظر آتی ہے۔ یہ غالباً قنات ہے جو لگائی گئی ہے۔"

تیسرا پروہت بولا ——— "اب تم کمرے سے باہر جاؤ اور جہاں آگ دہک رہی ہے، وہاں جا کر پانچ سات منٹ بیٹھو اور خوب اچھی طرح جائزہ لے کر اطمینان کر لو کہ کوئی گڑبڑ ہے یا نہیں۔"

یہ سُن کر نوجوان کمرے سے باہر نکل کر آگ کے قریب آ بیٹھا اور پانچ سات منٹ وہاں بیٹھ کر بنظرِ غور چاروں طرف دیکھتا رہا اور صورتِ حال کا جائزہ لے کر لوٹ آیا۔ اُس

نے کمرے میں پہنچ کر کہا ——— "آپ اطمینان سے اپنی گفتگو جاری رکھیں، اس وقت یہاں آس پاس کوئی نہیں ہے۔" ——— یہ کہہ کر نوجوان اپنی جگہ پر بیٹھنا چاہتا تھا، مگر اُسے نگرانی کے لئے دروازے ہی پر بیٹھنے کے لئے کہا گیا ——— وہ فوراً دروازے پر جا کر بیٹھ گیا۔ اس طرف سے پوری طرح مطمئن ہونے کے بعد اُس تیسرے پروہت نے بوڑھے پروہت سے مخاطب ہو کر کہا ——— "اب فرمائیے آپ کیا کہنا چاہتے ہیں؟"

بوڑھا راہب جواب میں بولا ——— "اگر آپ مشورہ دیں تو میں اس وقت اُس افسر کے پاس جاؤں اور بات چیت کے دوران اُس سے یہ معلوم کریں کہ وہ کون لوگ ہیں، کہاں سے آئے ہیں اور کہاں جا رہے ہیں؟ اس طرح شاید ہمیں ہمارے مطلب کی کوئی مفید بات معلوم ہو جائے۔ چونکہ یہ لوگ علی الصبح یہاں سے روانہ ہو جائیں گے اس لئے ان سے کچھ دریافت کرنے کا صرف یہی ایک موقع ہے، علی الصبح ہم ان سے کوئی بات نہ پوچھ سکیں گے۔"

دوسرا پروہت بولا ——— "میں آپ سے متفق ہوں، آپ کو اسی وقت تکلیف کرنی چاہیئے۔ دراصل اُس وقت وہ سفر کی کوفت سے خالی الذہن تھا اس لئے آپ سے گھل مل کر گفتگو نہیں کر سکا۔ لیکن اب چونکہ وہ اطمینان اور آرام سے اپنی اپنی جگہ بیٹھ چکے ہیں، ——— اس لئے وہ سوار اس وقت آپ سے ضرور مفصّل گفتگو کرے گا اور آپ اس کی گفتگو سے مفید مطلب باتیں اخذ کر سکتے ہیں۔"

تیسرا پروہت بولا ——— "نہیں، میں آپ کو اس وقت انکے پاس جانے کا مشورہ ہرگز نہیں دوں گا۔ بھلا یہ تو دیکھیئے کہ ان لوگوں نے مندر میں داخل ہونے کے بعد ہم سے کس طرح علیحدگی اختیار کر لی ہے اور اس وقت الگ تھلگ اپنی اپنی جگہ خاموش بیٹھے ہیں، کسی کا ہم سے تعرّض کرنا تو دُور کی بات ہے۔ ان میں سے کوئی

ایک ہمارے کمرے کے قریب تک نہیں آیا۔ گو وہ کافی زیادہ آدمی ہیں، لیکن شور و غل تو دُور رہا، کسی کی صاف آواز تک ہمارے کانوں میں نہیں آ رہی۔ یوں جان پڑتا ہے جیسے مندر میں کوئی مقیم ہی نہ ہو۔ اس صورتِ حال میں ہمارا زبردستی اُن کے سر چڑھنا ہمارے لئے نقصان دہ ثابت ہو سکتا ہے۔ فرض کیجئے آپ کے جانے سے وہ ہماری طرف سے بدگمان ہو جاتے ہیں اور اُلٹا ہمارے حالات کی تفتیش کرتے ہیں تو سوچئے کہ اس کا کیا نتیجہ برآمد ہو سکتا ہے۔"

بوڑھا پروہت بولا ——— "میں گفتگو موقع محل دیکھ کر کروں گا۔ میں سب سے پہلے تو یہ کہوں گا کہ آپ چونکہ بہت سویرے یہاں سے روانہ ہو رہے ہیں اور صبح اُس وقت اپنے ضروری کاموں کی تکمیل میں مصروف ہوں گے، اس لئے میں نے خیال کیا کہ ایک تو اس وقت آپ سے الوداعی ملاقات کر لوں، دوسرے آپ سے پوچھوں کہ اس وقت میرے لائق کوئی خدمت ہو تو مجھے بتائیں ——— اس کے بعد اگر میں نے دیکھا کہ وہ میرے ساتھ خوش خلقی سے پیش آ رہے ہیں اور مجھے خندہ پیشانی سے ملے ہیں تو کچھ دیر ان کے پاس بیٹھوں گا اور مناسب موقع آ گیا تو بر سبیلِ تذکرہ ان کے حالات دریافت کروں گا۔"

تیسرے پروہت نے کہا ——— "میرا خیال ہے آپ کو اس خیال سے باز رہنا چاہیئے کہ آپ وہاں جائیں اور اُن سے اُن کے حالات پوچھیں۔ آپ کو خود ہی سوچنا چاہیئے کہ جس شخص نے پہلی بار پوچھنے پر اپنا حال بیان نہیں کیا وہ دوبارہ پوچھنے پر آپ کو اپنے حالات سے کیوں اور کیسے آگاہ کرے گا۔ بلکہ میرے خیال میں تو معاملہ اس کے برعکس بھی ہو سکتا ہے۔ وہ آپ کی بازپرس سے برہم بھی ہو سکتا ہے اور آپ کو سختی سے جواب بھی دے سکتا ہے اور پھر وہ آپ کی گفتگو سے اس شک و شبہ میں بھی مبتلا ہو سکتا ہے کہ آخر آپ ایک پروہت ہوتے ہوئے اس کے حالات معلوم کرنے کے لئے کیوں بے تاب

ہیں۔ بمصداق آبیل مجھے مار، آپ خود اسے اشتعال دلا کر اپنے پاؤں پر کلہاڑی مار رہے ہیں۔ مسلمان یوں بھی ان دنوں ہمارے مخالف ہو رہے ہیں اور ہمارے لئے یہ بہت نازک وقت ہے۔ میری رائے میں ہمیں نہایت خاموشی سے اپنے کمرے میں بیٹھے رہنا چاہیئے اور انہیں چھیڑنے سے باز رہنا چاہیئے۔ بھگوان ہر آفت سے بچائے خصوصاً ان مسلمانوں سے۔ میں خوفزدہ ہوں کہ آپ نے اسے یہ بھی بتا دیا ہے کہ مندر میں میرے ہم مذہب دوسرے مہمان بھی قیام پذیر ہیں۔ بھگوان کرے وہ اس بات کو فراموش کر گیا ہو۔"

بوڑھا پروہت بولا ——— "تم اس سلسلے میں بالکل بے فکر رہو، وہ انتہائی باوقار، سنجیدہ اور نیک خصلت، پاکیزہ اطوار شخص ہے۔ وہ میرے ساتھ وعدہ کر چکا ہے کہ ہمارے خلاف کوئی اقدام نہ کرے گا اور ہمیں ان سے ذرا بھی تکلیف نہ پہنچے گی۔"

یہ سُن کر تیسرا پروہت بولا ——— "اگر یہ بات ہے تو ہمارے لئے بھی ضروری قرار پاتا ہے کہ ان کے عہد کو پیشِ نظر رکھیں اور ایسے حالات پیدا نہ کریں کہ وہ اپنے عہد کو توڑنے پر مجبور ہو کر ہمارے خلاف اقدام کریں۔"

دوسرے پروہت نے کہا ——— "لیجئے: میں ایک تدبیر بتاتا ہوں جس سے سانپ بھی مر جائے گا اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹے گی ——— دیکھئے ہم سب اکٹھے ہو کر اس افسر کی خدمت میں حاضر ہوتے ہیں اور اسے کہتے ہیں کہ ہم سب حال ہی میں آپ کی مملکت میں آئے ہیں اور اب آپ کی رعایا میں شامل ہو گئے ہیں۔ اس لئے ہمارا فرض تھا کہ آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر عزت و شرف پائیں۔ اس لئے ہم اس وقت حاضرِ خدمت ہو گئے ہیں۔"

تیسرا پروہت بولا ——— "فرض کیجئے ہم آپ کی تدبیر پر عمل کرتے ہیں۔ اب بتائیے کہ کیا اس کے بعد ہمارے لئے یہ مناسب ہو گا کہ ہم اس سے

پوچھیں کہ آپ کون ہیں، کہاں سے آرہے ہیں اور کہاں جانے کا ارادہ ہے۔ بھائی کیسی مضحکہ خیز باتیں کر رہے ہو۔ ذرا خود پر نظر ڈالو۔ تم اس وقت کس بھیس میں ہو، کیا ہو، ایک پروہت مذہبی رہنما، پھر تمہارا ان دنیا داری کی باتوں سے کیا تعلق؟ آخر تم یہ کیوں جاننا چاہتے ہو کہ وہ لوگ کون ہیں، کہاں سے آئے ہیں اور کہاں جارہے ہیں؟ یہ تو ایک جاسوس کے فرائض ہیں جو تم سرانجام دینا چاہتے ہو اور جاسوس کو جو سزا ملتی ہے وہ پھانسی کے علاوہ کچھ نہیں ہوتی۔"

یہ سُن کر بوڑھے پروہت نے کہا ——— "چلو یہ تدبیر بھی مسترد ہوئی۔ اب بتاؤ کہ آخر کیا کیا جائے؟"

تیسرا پروہت فوراً بولا ——— "ہمیں کچھ بھی نہیں کرنا چاہیئے۔ بس اسی کمرے میں بیٹھے رہنا چاہیئے اور بھگوان کے حضور پرارتھنا کرنی چاہیئے کہ وہ ان نیچوں کو یہاں سے غارت کرے اور ہمیں ان کے پنجہ میں پھنسنے سے بچائے۔"

بوڑھا پروہت ——— "اس کا مطلب یہ ہوا کہ ہم خاموشی سے بیٹھے رہیں اور کچھ بھی نہ کریں۔"

تیسرا پروہت ——— "سچی بات تو یہ ہے کہ اس وقت ہم لوگوں کی بہت نازک حالت ہے۔ ہمارے قومی دشمنوں نے ہمیں گھیرے میں لے رکھا ہے اور ان کی خونخوار تلواریں ہماری گردنوں پر لٹکی ہوئی ہیں۔ ہمارے بچ نکلنے کے سارے راستے مسدود ہو چکے ہیں۔ ہم میں مقابلے کی طاقت نہیں رہی۔ بس ذرا سا پردہ ہے جو ہمارے اور ہمارے دشمنوں کے درمیان پڑا ہے۔ اگر ہم نے اپنی حرکات و سکنات سے یہ پردہ بھی چاک کر دیا تو ہم موت کی آغوش میں ہوں گے۔ اگر کل صبح تک ہم زندہ رہ جائیں تو سمجھئے کہ ہمیں دوبارہ زندگی ملی ہے۔ مجھے تو تعجب ہے کہ آپ ان سب باتوں پر تو غور نہیں کرتے اور اس تگ و دو میں مبتلا ہیں کہ کسی طرح ان لوگوں کے حالات

معلوم ہو جائیں ——— اگر ان کے حالات معلوم نہ ہو سکیں تو آپ کے نزدیک علی الصبح یہ لوگ چلے گئے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ آپ خاموشی سے بیٹھے رہے اور کچھ بھی نہ کر سکے۔ آپ لوگ یہ بھی تو سوچئے کہ اس نازک صورت احوال میں آپ خاموش رہنے کے سوا کر بھی کیا سکتے ہیں۔"

بوڑھا پروہت بولا ——— "تعجب ہے کہ تم نے خواہ مخواہ خود پر خوف طاری کر رکھا ہے۔ حالانکہ میں تمہیں بتا چکا ہوں کہ یہ لوگ ہمیں کسی صورت کوئی نقصان نہ پہنچائیں گے۔ میری ساری زندگی اسی مندر میں گزری ہے اور مجھے بارہا ایسے حالات سے گزرنا پڑا ہے اور مجھے کبھی کسی نے کوئی نقصان نہیں پہنچایا بلکہ جو مسلمان ادھر سے گزرے ہیں۔ انہوں نے ہمیشہ میرا ادب و احترام کیا ہے اور مجھے تسلّی و تشفی دی ہے اور ہمیشہ میری دلجوئی کی ہے۔"

تیسرے پروہت نے کہا ——— "آپ کی بات درست ہے۔ لیکن یہ بھی تو دیکھئے کہ ایسے پُرآشوب وقت میں کبھی ہماری قسم کا کوئی مہمان بھی اس مندر میں مقیم رہا ہے۔ اگر آپ ان لوگوں سے خوفزدہ نہیں ہیں تو یہ بالکل بجا ہے مگر ہماری کیفیت کچھ اور ہے۔"

نوجوان نے ہولے سے کہا ——— "ذرا خاموش ہو جائیں کوئی آرہا ہے۔"

یہ سُن کر سب لوگ بے جان سے ہو گئے جیسے کاٹو تو لہو نہیں بدن میں۔ پھر اس نوجوان نے پٹ کی آڑ سے قدرے سر باہر نکال کر چاروں طرف دیکھنا شروع کر دیا۔ اس وقت کمرے میں قطعی سنّاٹا چھایا ہوا تھا اور سب لوگوں کی نظریں نوجوان پر لگی ہوئی تھیں۔ سارے لوگ دہشت زدہ سے نظر آتے تھے اور ان کی سانس رُک رُک کر آرہی تھی۔ سب کے چہروں پر خوف و حراس کے آثار نمایاں تھے کہ یک لخت اس نوجوان نے اپنے قریب بیٹھے ہوئے پروہت کی طرف جھک کر ہولے سے کہا ——— "گھبرانے

کی ضرورت نہیں۔ صرف ایک عورت آگ کے قریب آکر بیٹھی ہے اور آفتابے کو دہکتے ہوئے انگاروں پر رکھ کر شاید پانی گرم کرنے میں مصروف ہے۔ آئیں آپ بھی ملاحظہ فرمائیں۔"

یہ کہتے ہی نوجوان اپنی جگہ سے پیچھے سرک گیا اور اس نے میرے پروہت نے انتہائی نوفزدگی کے عالم میں باہر کی طرف نظریں دوڑائیں اور عورت کو دیکھ کر اپنی جگہ پر آبیٹھا اور آہستہ آہستہ بولا:۔

"اس وقت تک ہم نے جس قدر باتیں کی ہیں اور آپس میں جو صلاح و مشورے کئے ہیں اور جو جو تدبیریں سوچی ہیں، وہ سب فضول بے کار اور مخدوش تھیں۔ ہاں البتہ اب مناسب موقع آیا ہے جب میں اپنی کارکردگی کا مظاہرہ کرسکتا ہوں اور آپ کے مقصد کے حصول میں قابلِ قدر خدمت سرانجام دے سکتا ہوں۔ آپ سب اپنی اسی جگہ خاموشی سے بیٹھے رہیں۔ میں کسی بہانے آگ کے پاس جاکر بیٹھتا ہوں ایک عورت پہلے سے وہاں بیٹھی ہوئی ہے۔ میں باتوں باتوں میں اس عورت سے اپنے مطلب کی باتیں پوچھتا ہوں، شاید ہمارا مسئلہ حل ہوجائے، نہ بھی ہو تو کوشش میں تو کوئی حرج نہیں ہے۔ مجھے یہ عورت ان کی کنیز یا خادمہ معلوم ہوتی ہے۔ کہتے ہیں کہ عورتیں ناقص العقل ہوتی ہیں اور انہیں بہکایا جاسکتا ہے۔ آج اس کا تجربہ کرلیتے ہیں۔ یوں مجھے یہ عورت اپنے انداز سے خاصی کم عقل اور سادہ لوح معلوم ہوتی ہے۔ آج میں اپنے اس قیاس کی سچائی یا جھوٹ کو بھی پرکھ لیتا ہوں، بڑا عمدہ موقع ہاتھ آیا ہے، لو میں چلا۔"

یہ کہہ کر تیسرا پروہت اٹھا اور اپنی چادر کو سنبھالتے ہوئے کمرے سے نکل کر چھوٹے چھوٹے قدم بھرتا ہوا آگ کے قریب آکر بیٹھ گیا۔ عورت نے ایک بار سر اٹھایا اور غور سے پروہت کی صورت دیکھ کر نگاہ نیچی کرلی اور پہلے ہی کی طرح آفتابے پر ہاتھ

رکھے سر جھکائے بیٹھی رہی۔ پروہت نے اپنا پاؤں پھیلا کر آگ پر سینکنا شروع کر دیا اور اس کے ساتھ وہ بار بار منہ بنا بنا کر کراہنے لگا۔

عورت نے بڑی باریک آواز سے کہا ——— "محترم بزرگ! نصیب دشمناں کیا آپ کے پاؤں میں درد ہو رہا ہے"؟

پروہت سرد آہ بھر کر بولا ——— "بیٹی! گذشتہ کئی روز سے میرے پاؤں میں شدید درد ہے۔ آج چھٹا روز ہے کہ اسی چبوترے سے میرا پاؤں پھسلا تھا۔ گو میں نے لاکھ سنبھلنے کی کوشش کی تھی مگر سنبھل نہ سکا تھا۔ بُری طرح گرا تھا اور اُسی روز سے میرے پاؤں میں ایسی چوٹ آئی ہے کہ ہر لمحہ درد ہوتا رہتا ہے۔ دِن تو خیر جیسے تیسے گزر ہی جاتا ہے لیکن رات گزرنی مشکل ہوجاتی ہے۔ ہر رات سینکنے سے درد میں قدرے کمی واقع ہوجاتی تھی۔ لیکن آج تم لوگوں کی آمد سے مجھے دیر تک کمرے میں بند رہنا پڑا ہے۔ لیکن اب جب درد کی شدت میں کئی گنا اضافہ ہوگیا ہے تو مجھے بھی مجبوراً کمرے سے باہر نکلنا پڑا ہے اور مجبوراً اس آگ کے سامنے آکر بیٹھنا پڑا ہے تاکہ اپنے زخم کو سینک لوں تو اس میں کچھ کمی واقع ہوجائے۔ اگر میری آمد سے تمہارا حرج ہوتا ہو تو مجھے بتا دو۔ میں فوراً واپس چلا جاتا ہوں۔ میں خود تو تکلیف برداشت کرسکتا ہوں، لیکن مجھے یہ پسند نہیں ہے کہ میری وجہ سے کسی اور کو تکلیف پہنچے۔ خیر میں تمہارا شکر گزار ہوں کہ تم نے اپنی نسبتی شرافت کے تحت بڑے خلوص سے میری مزاج پُرسی کی ہے اور میری المناک حالت سے متاثر ہوئی ہو ——— بھگوان تمہیں ہر مصیبت سے بچائے اور ہمیشہ تمہاری عزت و آبرو کا نگہبان رہے"۔

عورت نے بڑے عجز و انکسار سے کہا ——— "بزرگ محترم! یہ آپ کی ذرہ نوازی ہے کہ آپ سا قابلِ احترام بزرگ میرا شکریہ ادا کر رہا ہے۔ آج میں خود اپنی قسمت پہ نازاں ہوں کہ آپ سے واجب الاحترام بزرگ کی زیارت کر رہی ہوں اور

آپ ساعظیم مذہبی رہنما مجھے دعا بھی دے رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو جلد سے جلد صحت بخشے ——— (آمین) ——— دراصل میری طبیعت کچھ ایسی ہے کہ میں اپنا ہو یا پرایا خواہ کوئی بھی ہو کسی کی مصیبت اور دُکھ درد کو نہیں دیکھ سکتی۔ اس وقت آپ کے کراہنے سے میرے دل کو بہت صدمہ ہوا ہے اور اب مسلسل کئی روز تک مجھے آپ کی تکلیف کا احساس رہے گا اور میں آپ کی صحتیابی کے سلسلے میں متفکر بھی رہوں گی اور آپ کی مکمل صحتیابی کی دعائیں بھی مانگتی رہوں گی۔"

پروہت بولا ——— "بیٹی! پرماتما کے نیک بندے ہی دوسروں کے دکھ درد سے متاثر ہوتے ہیں اور ان کے دل رنج و غم سے بھر جاتے ہیں اور وہ جہاں تک ممکن ہو دُکھی اور مصیبت زدہ بندوں سے مہر و محبت اور مہربانی کا سلوک روا رکھتے ہیں بلکہ پرماتما کے ایسے نیک بندے تو اپنے دشمنوں تک کو تکلیف میں نہیں دیکھ سکتے وہ اپنے دشمنوں کی بھی خلوصِ دل سے خدمت کرتے اور ان کے دُکھ درد میں ان کے کام آتے ہیں۔ کوئی ان کے ساتھ بُرائی بھی کرے تو وہ اس کا جواب بھلائی میں دیتے ہیں اور تم بھی ایک ایسی ہی دردمند بیٹی ہو، پرماتما اُن والدین کو سورگ (بہشت) نصیب کرے اور وہ ہمیشہ خوش و خرم رہیں، جو تم سی نیک اور سعادت مند بیٹیوں کو جنم دیتے ہیں۔"

عورت نے کہا ——— "اس بے آباد جگہ میں آپ کی اس چوٹ کا تسلی بخش علاج نہیں ہو سکتا۔ علاج تو دُور کی بات ہے، مجھے تو اس بے آباد جگہ میں کوئی ایسا دردمند انسان بھی نظر نہیں آتا جو آپ کی خبر گیری اور خدمت ہی کر سکے۔ مناسب یہی ہے کہ آپ ہمارے ہمراہ چلیں۔ میں خود تو ہر وقت آپ کی خدمت میں حاضر رہنے سے قاصر ہوں، مگر میں آپ سے وعدہ کرتی ہوں کہ آپ کی آسائش و آرام و سکون کے لئے سامان فراہم کر دوں گی اور ایک سمجھدار خادم آپ کی خدمت کے لئے مقرر کر دوں گی جو ہر وقت آپ کی خدمت میں حاضر رہے گا اور آپ کے ہر حکم کی تعمیل کرے گا۔ ہم

علی الصبح یہاں سے روانہ ہوں گے آپ تیاری کر لیجئے اور ہمارے ساتھ چلئے مکمل صحتیابی کے بعد اسی مندر میں لوٹ آئیے گا۔ میں خود آپ کو اس مندر تک پہنچانے کا انتظام کر دوں گی۔"

پروہت فوراً بولا ——— "میں تمہاری اس ہمدردی کا بے حد ممنون ہوں۔ واقعی اس بے آباد جگہ کسی وید، حکیم اور ادویات کی عدم موجودگی کے سبب بڑی تکلیف برداشت کرنی پڑتی ہے۔ مگر میں مجبور ہوں کہ میں قبل ازیں یہ عہد کر چکا ہوں کہ جب تک میری زندگی ہے میں اس مندر سے کہیں نہ جاؤں گا۔"

عورت نے کہا ——— "اس صورت میں میرا کچھ کہنا سننا بے کار ہوگا اب اللہ تعالیٰ ہی آپ کی مدد کر سکتا ہے۔"

پروہت نے جواب دیا ——— "میں سخت حیران ہوں کہ تم یہاں کی مقامی زبان سے بخوبی واقف ہو اور میرے ساتھ اسی مقامی زبان میں گفتگو کر رہی ہو۔ حالانکہ تمہارا لباس ترک مسلمان عورتوں کی مانند ہے۔ یہ تمہاری ذہانت کی دلیل ہے کہ تم غیر ملک والوں کی زبان بھی اس قدر صاف، بامحاورہ اور بلا تکلف بول رہی ہو اور مزے کی بات یہ ہے کہ تمہارا لب و لہجہ سُن کر یقین ہو جاتا ہے کہ ہماری مخاطب کوئی مقامی خاتون ہی ہے۔"

عورت نے کہا ——— "اس میں حیرت کی کوئی بات نہیں، کیونکہ یہ میری مادری زبان ہے اور میں گذشتہ دس بارہ برس سے اسی ملک میں مقیم ہوں۔"

پروہت بولا ——— "بیٹی! تمہارا مذہب تو اسلام ہی ہے نا؟"

عورت بولی ——— "ہاں اب تو میرا شمار بھی مسلمانوں میں ہوتا ہے۔"

پروہت فوراً بولا ——— "تو کیا پہلے تم نے اسلام قبول نہ کیا تھا تم پیدائشی ہندو ہو یا ....."

عورت بولی ——— "نہیں جی! میرا پورا خاندان ہندومت کو مانتا ہے اور میں خود بھی ہندو تھی۔ پیدائشی ہندو۔۔۔۔"

پروہت نے کہا ——— "شاید تم اس وقت جب سلطان محمود غزنوی ہند پر حملے کر رہے تھے، کسی حملہ کے دوران گرفتار ہوئی اور قید ہو کر یہاں لائی گئی ہو گی ———"

عورت بولی ——— "ہاں آپ کا خیال درست ہے، اُسی دور میں مجھ پر یہ آفت نازل ہوئی تھی۔"

پروہت ——— "یقیناً تمہیں زبردستی اپنا آبائی مذہب چھوڑ کر اسلام قبول کرنے پر آمادہ کیا گیا ہو گا۔"

عورت ——— "مجھ پر کسی نے سختی نہیں کی، نہ مجھے زبردستی اسلام قبول کرنے پر مجبور کیا گیا ہے۔ میں قید ہو کر آئی تھی تو ایک مدت تک اپنے مذہب ہندومت پر قائم رہی تھی۔ کیونکہ کسی نے بھی مجھے زبردستی اپنا مذہب بدلنے کے لئے نہیں کہا۔ لیکن جب میں نے مسلمانوں کے قول و فعل کو عمدہ پایا اور اسلام کے اصولوں کو انسانیت کے لئے مفید دیکھا تو بخوشی اسلام قبول کر لیا۔ مجھے چونکہ ہمیشہ مسلمانوں کے ساتھ رہنا سہنا تھا اس لئے میں مسلمان ہو کر ان میں شامل تو ہو گئی ہوں، لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ مجھے اپنا وطن چھوٹنے کا صدمہ نہیں بھولتا۔ جب بھی کسی اہل وطن کو دیکھتی ہوں تو دل بھر آتا ہے اور جی چاہتا ہے کہ اُسے گلے لگا کر خوب خوب روؤں۔"

پروہت ——— "میں اسے غنیمت سمجھتا ہوں کہ اسلام قبول کرنے کے باوجود تمہیں اپنے ملک اور قوم سے محبت ہے۔ میں تو بارہا یہ دیکھ چکا ہوں کہ مقتدر خاندانوں کی تعلیم یافتہ لڑکیاں جب اسلام قبول کر لیتی ہیں تو انہیں اپنے آبائی مذہب اور ملک و قوم میں عیب ہی عیب نظر آتے ہیں اور وہ اہلِ وطن سے ملنا جلنا پسند

نہیں کرتیں۔"

عورت ——— "بزرگ محترم! یہ تو اپنا اپنا خیال ہے۔ خود میری ساتھی قیدی عورتیں اب اپنی قوم اور اپنے آبائی مذہب سے شدید نفرت کرتی ہیں۔ کیونکہ انہوں نے اسلام قبول کر رکھا ہے۔ اب تو اُن کی یہ کیفیت ہے کہ اگر میں ان کی تردید میں ایک بھی لفظ کہوں تو وہ ساری مل کر میرے پیچھے پڑ جاتی ہیں اور مجھ پر الزام عائد کرتی ہیں کہ میرا دل ابھی تک شرک و کفر کی ناپاک محبت سے آلودہ ہے۔"

پروہت ——— "بیٹی! مارنے والے کا ہاتھ تو پکڑا جا سکتا ہے لیکن کہنے والے کی زبان کو لگام نہیں دی جا سکتی۔ میں دیکھتا ہوں کہ تم ایک انتہائی شریف النفس، نیک خصلت اچھی بیٹی ہو اور میں تمہیں پسند کرنے لگا ہوں۔ اس لئے تمہیں نصیحت کرتا ہوں کہ تم بھی اپنی دیگر ہموطن بہنوں کی مانند پرانے قصے، کہانیوں کو فراموش کر دو، ایسا نہ ہو تمہارے سابقہ خیالات سے ذرا سی دلچسپی بھی تمہیں نقصان پہنچا دے۔"

عورت ——— "جی نہیں، اس کا قطعی امکان نہیں ہے۔ ہمارے آقا سردار کمال الدین سمرقندی نہایت انصاف دوست، باوقار، سمجھدار انسان ہیں۔ میں کافی عرصہ سے ان کی خدمت میں ہوں مگر میں نے انہیں کبھی کسی سے ناراض ہوتے یا کسی کو مارتے پیٹتے نہیں دیکھا۔ اگر ہم میں کسی سے کوئی خطا بھی ہو جائے تو وہ اسے بڑی نرمی سے اونچ نیچ سمجھا دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ تمہاری غلطی سے لوگ مجھے بدنام کریں گے کہ میں تمہیں صحیح تعلیم نہیں دے سکا۔ ہمارے آقا ہمیں بہت اچھا کھاتے پلاتے ہیں اور ہمیشہ ہماری راحت اور آرام کا خیال رکھتے ہیں۔ ہماری مخدومہ اسی دسترخوان پر بٹھا کر ہمیں بھی کھانا کھلاتی ہے جس پر اس کے بچے بیٹھ کر کھاتے پیتے ہیں۔ وہ ہمارے کپڑوں کا خاص طور پر خیال رکھتی ہیں اور ہمیں نئے نئے کپڑے بنوا کر دیتی رہتی ہیں، خدا انہیں ہمیشہ خوش و خرم رکھے۔ بڑی خوش اخلاق اور ہمدرد نیک خاتون ہیں۔ میں تو

انہیں اپنی ماں کی جگہ خیال کرتی ہوں، یقین کیجئے پرسوں ان کی جُدائی سے مجھے شدید صدمہ ہوا ہے اور میں ہر لمحہ یہی دعا کرتی رہتی ہوں کہ خدا انہیں ہمیشہ خیر و عافیت رکھے اور ہمیں جلد سے جلد ملائے۔"

پروہت حیران ہو کر بولا ——— "کیا اس وقت تمہاری مخدومہ تمہارے قافلہ میں شامل نہیں ہے"؟

عورت نے کہا ——— "نہیں قافلہ میں ہماری مخدومہ نہیں ہے، ہم جس کے ہمراہ دہلی جا رہے ہیں غالباً وہ تو کوئی ہندومت کو ماننے والی راجکماری ہے۔ گذشتہ دنوں میرٹھ پر حملہ کے دوران قید ہوئی تھی۔ اب انہیں دہلی لے جایا جا رہا ہے چونکہ میں اور میری بعض ہمراہی اس کی مادری زبان جانتی ہیں اور اس کی اہلِ وطن ہیں، اس لئے ہمیں چند روز کے لئے ہماری مخدومہ سے مستعار لے کر ان کے ساتھ بھیج دیا گیا ہے۔"

ابھی عورت نے اپنی بات مکمل بھی نہ کی تھی کہ پروہت حواس باختہ ہو گیا اور اس کی حالت متغیر ہو گئی۔ عورت سخت متعجب ہوئی کہ پروہت کو کیا ہو گیا ہے۔ لیکن ابھی وہ پروہت کی اس کیفیت کے بارے میں اپنی کوئی رائے قائم نہ کر سکی تھی کہ مکار و ہوشیار پروہت نے فوراً اپنی حالت میں تبدیلی پیدا کی اور کراہتے ہوئے ہائے ہائے کہہ کر عصا ٹیکنے کے بعد ایک پاؤں پر کھڑا ہو گیا۔

عورت گھبرا کر بولی ——— "بزرگِ محترم! آپ کو کیا ہوا ہے؟ خیریت تو ہے"؟

پروہت نے کہا ——— "اُف اس وقت میری یہ حالت ہے کہ جیسے میرا دم ہی نکلا جا رہا ہے، میرے پاؤں میں شدید درد ہے اور ٹیسیں اُٹھ رہی ہیں۔"

عورت ——— "آپ سنبھل کر بیٹھ جائیں، کہیں خدانخواستہ آپ لڑکھڑا کر گر نہ پڑیں۔"

پروہت ——— "گاہے گاہے درد کی اس قدر شدید لہریں اٹھتی ہیں کہ بے ہوشی طاری ہو جاتی ہے۔ کچھ طبیعت سنبھلتی ہے تو بیٹھتا ہوں۔"

کچھ دیر پروہت کھڑے کھڑے ہولے ہولے سرد آہیں بھرتا رہا اور یہ ظاہر کرتا رہا کہ وہ اپنی طبیعت سنبھالنے کی سعی میں مصروف ہے۔ پھر ایک مرحلہ پر وہ اپنے پراگندہ حواس درست کر کے اطمینان سے بیٹھ گیا اور عورت کی طرف دیکھتے ہوئے آہستہ آہستہ بولا ——— "میری بھی کیا قسمت ہے۔ ابھی ایک درد سے چھٹکارا نہ ملا تھا کہ دوسرے درد میں مبتلا ہو گیا ہوں، ہائے جب راجکماری کی خاندانی حیثیت پر غور کرتا ہوں تو دل مسوس کر رہ جاتا ہوں۔ افسوس! دشمنوں کی قید میں اس ناز پروردہ لڑکی کا کس قدر بُرا حال ہو گا۔ وہ اپنے ماضی کو یاد کر کے غمزدہ ہو جاتی ہو گی۔ کہاں ایک راجہ کی چہیتی بیٹی اور کہاں اب ایک قیدی، یہ انقلابِ زمانہ ہے کہ ایک ہندو راجکماری اپنے مذہب کے ایک مندر میں بحیثیت قیدی رات بسر کر رہی ہے۔ افسوس جب اسے پتہ چلے گا کہ ایک بڑے پروہت کو اس کی مصیبت کا حال معلوم ہوا تھا۔ لیکن وہ اس کی مدد نہ کر سکا تو وہ کس قدر مایوس ہو گی اور میرے بارے میں کیسی بُری رائے قائم کرے گی، لیکن افسوس کہ میں اس کی کوئی مدد نہیں کر سکتا۔ پرماتما ہی اس کی مدد کر سکتا ہے۔ میں راجکماری کے لئے جان دے سکتا ہوں لیکن میری جان کا نذرانہ بھی اسے رہا نہیں کرا سکتا۔"

پھر پروہت نے یک لخت عورت کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھ کر کہا ———

"بیٹی! میری ان باتوں کو محسوس نہ کرنا دراصل مذہبی اور قومی جوش چیز ہی ایسی ہے کہ پہلے تمہاری حالت دیکھ کر میرا دل زخمی ہو گیا تھا۔ اب راجکماری کا واقعہ سُن کر میں زندہ درگور ہو گیا ہوں۔"

عورت نے پروہت کو اس قدر رنجیدہ، بے قرار اور مایوس دیکھا تو خلوصِ دل سے

اُسے تسلّی و تشفّی دینے لگی اور بولی ــــــــ "مقدس بزرگ! صبر کریں اور اپنا دل چھوٹا نہ کریں۔ آپ کہاں تک ایسے واقعات پر خون کے آنسو بہائیں گے۔ ہمارے اس ملک میں تو ایسے واقعات پیش آتے ہی رہتے ہیں۔ یہ بھی حقیقت ہے کہ میں خود جب راجکماری کی معصوم صورت دیکھتی ہوں تو دل ہی دل میں کڑھنے لگتی ہوں۔ آہ کس قدر بھولی بھالی پیاری لڑکی ہے۔ میں کل سے اس کے ساتھ سفر کر رہی ہوں اور اسے ہر لمحہ اُداس اور پژمردہ دیکھ رہی ہوں، وہ کسی سے گھل مل کر نہ تو باتیں کرتی ہے اور نہ کسی سے رازِ دل کہتی ہے۔ بس ہر وقت کھوئی کھوئی سی رہتی ہے اور گاہے گاہے اپنی آنکھوں سے بہنے والے آنسوؤں کو روکتی نظر آتی ہے۔ اُس نے آج دن بھر نہ تو کچھ کھایا پیا ہے اور نہ کسی سے بات کی ہے۔ اس وقت بھی منہ لپیٹے کروٹیں بدل رہی ہے، لیکن اس کی یہ کیفیت جلد ہی بدل جائے گی اور وہ بھی ہماری طرح جلد ہی اسیری کی مصیبت اور اپنے گھر والوں کو فراموش کر دے گی۔ آج کل اُس کی خاطر و مدارات میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا جاتا۔ سب لوگ اسے راجکماری سمجھ کر اُس کی عزت و احترام کرتے ہیں۔ ہمارے آقا سردار نظام الدین جو فوج کے ایک معزز افسر ہیں اور سردار کمال الدین سمرقندی کے گہرے دوست ہیں۔ راجکماری کی حفاظت کے خیال سے ان کے ساتھ بھیجے گئے ہیں، انہیں سردار کمال الدین سمرقندی نے بطورِ خاص راجکماری کے ساتھ بھیجا ہے، اور ہمارے آقا نظام الدین کی یہ کیفیت ہے کہ وہ ہر لمحہ راجکماری کے حکم کے منتظر رہتے ہیں اور ان کی خلاف مرضی کوئی کام نہیں کرتے، انہوں نے اس مندر میں رات بسر کرنے کے لئے حبشی خواجہ سرا کی وساطت سے پہلے راجکماری سے باقاعدہ اجازت لی تھی۔ اس کے بعد اس مندر میں آئے تھے۔"

ابھی عورت اسی قدر کہنے پائی تھی کہ یک لخت پروہت نے اُس کے پاؤں پر اپنا سر رکھ دیا اور زار و قطار رونے لگا ــــــــ عورت نے اپنا پاؤں کھینچ کر ادب سے

کہا ــــــــ "ہائے ہائے آپ مجھے کیوں گنہگار بنا رہے ہو!"

"نہیں تم گنہگار نہیں بن رہیں" ــــــــ پروہت نے کہا ــــــــ "البتہ میں خود گناہ کی دلدل میں گرنے کے قریب ہوں اور اگر تم نے میری مدد نہ کی تو مجھے کوئی بھی گناہ کی دلدل میں گرنے سے بچا نہ سکے گا۔"

"میری توبہ! آپ یہ کیا فرما رہے ہیں" ــــــــ عورت نے کہا ــــــــ "میں اس قابل نہیں کہ آپ کی مدد کر سکوں۔ بہر حال میں آپ کے ہر حکم کی تعمیل کو اپنا فرض سمجھوں گی۔ فرمائیے میں آپ کی کس طرح خدمت کر سکتی ہوں؛ میں وعدہ کرتی ہوں کہ آپ کی ہر طرح مدد کروں گی۔"

پروہت بولا ــــــــ "بیٹی! اس وقت میری کیفیت یہ ہے کہ پرماتما کا عذاب راجکماری کی صورت میں مجھ پر نازل ہو رہا ہے۔ اگر میں راجکماری کو ملیچھ مسلمانوں کی قید سے رہا نہ کرا سکا تو ایشور کا عذاب مجھے گناہ کی دلدل میں گرا دے گا اور اگر میں تمہاری مدد سے راجکماری کو قید سے رہا کرا دوں تو گناہ کی دلدل میں گرنے سے بچ جاؤں گا۔"

عورت بولی ــــــــ "خدا کے لئے واضح اور صاف لفظوں میں بتائیے کہ میں کس طرح آپ کی مدد کر سکتی ہوں۔ آپ کی بے قراری دیکھ کر میرا اطمینان و سکون رخصت ہو چکا ہے۔ خدانخواستہ آپ ایسا کون سا گناہ کر چکے ہیں، جس سے آپ اس قدر خوفزدہ ہیں۔"

پروہت نے کہا ــــــــ "میرا یہ گناہ کیا کم ہے کہ ایک ہندو کنیا ملیچھوں کی قید میں ہے اور میں ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھا ہوں، اس کی رہائی کے لئے کچھ نہیں کر رہا، پرماتما میری اس بے عملی اور بزدلی کی ضرور مجھ سے باز پرس کرے گا اور افسوس کہ میں خود کو اس گناہ سے لاتعلق ثابت نہ کر سکوں گا، کیونکہ مجھے تمہاری زبانی پتہ چل چکا ہے کہ اس وقت ایک ہندو راجکماری ملیچھوں کی قید میں ہے۔"

عورت نے کہا ــــــــ "آپ محض اپنے تقدس کے تحت ایسا خیال کر رہے ہیں

وگرنہ یہ کسی بھی لحاظ سے آپ کا گناہ قرار نہیں دیا جا سکتا۔ صورتِ حال یہ ہے کہ اس وقت آپ کسی طرح بھی راجکماری کی مدد نہیں کر سکتے۔ اُسے رہا کرانا آپ کے بس کی بات نہیں، آپ تو تنہا ہیں۔ اگر اس وقت ایک سو ہنود و سورما بھی مسلح ہو کر چاہیں کہ تلواریں چلا کر راجکماری کو قید سے رہا کرا لیں تو وہ بھی کامیاب نہیں ہو سکتے۔"

پروہت ——— "بیٹی! یہ تو صاف طور پر ظاہر ہے کہ میں لاکھ کوشش کروں طاقت سے اُس مظلوم راجکماری کی مدد نہیں کر سکتا۔ مگر مدد کرنا یہی تو نہیں ہے کہ میں اپنی تلوار کو بے نیام کر کے دشمنوں پر حملہ آور ہو جاؤں۔ مدد کرنے کے اور بھی طریقے ہیں، ایسا ہی ایک طریقہ میں نے بھی سوچا ہے، جس پر عمل کر کے ہم بے چاری راجکماری کو قید سے چھڑا سکتے ہیں، لیکن سچی بات یہ ہے کہ تمہاری مدد کے بغیر میں راجکماری کی معمولی سی مدد بھی نہیں کر سکتا۔"

عورت فوراً بولی ——— "میں قبل ازیں آپ سے وعدہ کر چکی ہوں کہ آپ جو حکم دیں گے، اُس کی تعمیل کرنے کی ہر امکانی کوشش کروں گی۔ اب کہیئے کہ وہ مدد کا طریقہ کیا ہے؟"

پروہت بولا ———

"وہ طریقہ یہ ہے کہ میں رامائن کی چند کتھائیں ایک کاغذ پر لکھنے کے بعد تمہیں دوں گا۔ تم وہ کاغذ راجکماری تک پہنچا دینا اور اسے کہنا کہ ہر رات ان کتھاؤں کو اپنی قیام گاہ کے کسی کونے میں بیٹھ کر پڑھتی رہے۔ اشور نے چاہا تو جلد ہی وہ اپنی قید سے چھوٹ جائے گی۔ ہر رات کتھائیں پڑھنے کے بعد وہ پرماتما کے حضور گڑگڑا کر اپنی رہائی کی پرارتھنا بھی کیا کرے گی تو مجھے یقین ہے کہ آئندہ دس روز میں اسے قید و بند کی اذیت سے نجات مل جائے گی۔"

عورت بولی ——— "بھئی خوب آپ نے شاندار طریقہ سوچا ہے لیکن یہ میرے لئے بڑی آسان بات ہے۔ لائیے کاغذ لکھ دیجئے، میں ابھی راجکماری کو دے آتی ہوں۔"

پروہت نے کہا ——— "مگر بیٹی! یہ یاد رہے کہ تمہارے علاوہ کسی دوسرے انسان کو اس راز کا پتہ نہیں لگنا چاہیئے۔"

عورت نے کہا ——— "آپ مجھ پر بھروسہ رکھیں اور مطمئن رہیں، کسی دوسرے کو اس کی خبر نہ ہوگی۔ میں دوسروں سے چھپا کر راجکماری کو کاغذ دوں گی اور انہیں زبانی بھی آپ کا پیغام پہنچا کر سب کچھ سمجھا دوں گی۔"

یہ سُن کر پروہت کی خوشی کا ٹھکانہ نہ رہا اور وہ عورت کو دعائیں دینے لگا۔ پھر فوراً اٹھا اور عورت سے مخاطب ہو کر بولا ——— "تم یہیں ٹھہرو۔ میں ابھی کاغذ لکھ کر لے آتا ہوں" ——— اور یہ کہہ کر وہ اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا اور کمرے میں پہنچ کر ایک تھیلے سے قلمدان اور کاغذ نکال کر کچھ لکھنے میں محو ہو گیا۔ اس کے ساتھیوں نے جب پوچھا کہ عورت سے کیا کیا باتیں ہوئی ہیں تو اس نے یہ کہا کہ آپ سب لوگ کچھ دیر رُک جائیں، میں اس ضروری کام سے فراغت پا کر آپ کو ذرا ذرا سی بات بتا دوں گا، لیکن اس وقت ایک ایک لمحہ قیمتی ہے، مجھ سے کچھ نہ پوچھیئے۔" یہ سُن کر اس کے ساتھی پروہت خاموشی سے اُسے کاغذ پر کچھ لکھتے ہوئے دیکھتے رہے۔ اُس نے کاغذ پر چند سطور لکھیں انہیں پڑھا اور کاغذ کی تہیں بناتا ہوا کمرے سے باہر آ گیا اور بڑی احتیاط سے چاروں طرف دیکھ کر اُس آگ کی طرف بڑھنے لگا۔ اس دوران سامنے والے کمروں کے پاس سے کسی نے قنات کے ادھر پہنچ کر بآوازِ بلند پکارا ——— "امینہ! پانی گرم ہو گیا ہے تو لے کر آ جاؤ۔"

"جی آئی" ——— عورت نے جواب میں بلند آواز سے کہا اور آفتابہ

اٹھا کر کھڑی ہو گئی۔

پروہت کاغذ ہاتھ میں تھامے آواز سن کر راہ میں ٹھٹھک کر رُکا ہوا تھا کہ امینہ لپک کر اس کے قریب پہنچی اور کچھ کہے سُنے بغیر اس کے ہاتھ سے کاغذ لے کر چلتی بنی۔ پروہت اس کی اس تیزی سے سخت متعجب ہوا اور اسی تعجب کے عالم میں فکرمند سا لوٹ کر سر جھکائے ہوئے اپنی جگہ پر آ بیٹھا۔ بوڑھا پروہت جو اس وقت تک اس کے اس طرزِ عمل پر حیرت زدہ سا تھا۔ اب اسے فکرمند دیکھ کر خاموش نہ رہ سکا اور بولا:۔۔۔۔۔۔

"پتہ نہیں تم ابتداء ہی سے متفکّر رہنے کے کیوں عادی ہو اور اس وقت تمہارے فکرمند نظر آنے کی کیا وجہ ہے۔ کچھ پتہ بھی تو چلے آخر کیا معاملہ ہے"؟

مگر تیسرا پروہت بدستور سر جھکائے خاموش بیٹھا رہا۔ اس پر اس کے دونوں دوسرے ساتھیوں نے بھی اس فکرمندی کا سبب پوچھا تو اس نے پہلے تفصیل سے سارا واقعہ بیان کیا۔ پھر بولا:۔۔۔۔۔۔

"میرے فکر و تردّد کی وجہ یہ ہے کہ اب تک تو کسی کو ہماری اصلیت کا علم نہ تھا لیکن اب میں نے اپنا راز خود اپنی قلم سے ایک کاغذ پر لکھ کر ایک ناقص العقل عورت کے سپرد کر دیا ہے۔ میں ڈرتا ہوں کہ اگر اس عورت نے اس کاغذ کے سلسلے میں لاپرواہی سے کام لیا اور یہ کسی اور کے ہاتھ آ گیا یا پھر خود یہی عورت ہماری تباہی کے درپے ہو جائے تو پھر ہماری شامت آ جائے گی۔ ہم زندہ درگور ہو جائیں گے اور اس کا سبب میں خود ہوں گا۔ واقعی بزرگوں نے سچ کہا ہے کہ "پہلے تولو پھر بولو"۔ ہر کام کے ہر پہلو پر اچھی طرح غور و فکر کر لو پھر وہ کام کرو، لیکن میں جلد بازی سے کام لے چکا ہوں۔ دراصل اس عورت سے اپنے گوہرِ مقصود یعنی راجکماری کی موجودگی کا سُن کر میں بہت

زیادہ گھبرا گیا تھا اور اپنی اس گھبراہٹ کے تحت معاملہ کے سب پہلوؤں پر غور کرنے سے قاصر رہا تھا۔ مجھ سے شدید غلطی ہو گئی کہ میں نے ایک عورت پر خواہ مخواہ اعتماد کر کے اسے اپنا رازدار بنانے میں عجلت سے کام لیا۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ میری اس غلطی کا کیا نتیجہ نکلتا ہے"۔ پھر اُس نے دوسرے پروہت پر نظریں جما کر کہا ۔۔۔۔۔۔ "خیر جو ہونا تھا ہو چکا، بمصداق گذشتہ را صلوات اور آئندہ را احتیاط۔ ہمیں چاہیئے کہ گذشتہ غلطیوں کو بھول جائیں اور آئندہ احتیاط سے کام لیں۔ احتیاط کا تقاضا یہ ہے کہ ہم سب اسی وقت اس مندر سے نکل کر ساتھ والی پہاڑی کی کسی کھائی کو اپنا مسکن بنا لیں اور سب کی نظروں سے چھُپ کر اپنی جانیں بچانے کی کوشش کریں۔ مندر سے فرار اور کھائی میں چھُپنے میں مصلحت یہ ہے کہ اگر ہمارا راز کسی طرح فاش بھی ہو جائے تو ہم ان ملیچھوں کے ہاتھ نہ آئیں گے"۔

یہ سُن کر دوسرے پروہت نے فوراً کہا ۔۔۔۔۔۔ "آپ کا دماغ تو بڑا زرخیز ہے آپ خوب سوچتے ہیں مگر آپ یہ بھول گئے ہیں کہ مندر کے دروازے پر چاق و چوبند پہرہ دار موجود ہیں جو آپ کو کسی طرح باہر نکلنے ہی نہیں دیں گے۔ پھر آپ پہاڑی کی کھائی میں کس طرح بیٹھیں گے"؟

بوڑھا پروہت بولا ۔۔۔۔۔۔ "شاید آپ کو خبر نہیں ہے کہ صرف دروازے پر ہی پہرہ نہیں، بلکہ سارے مندر کو سواروں نے اپنے گھیرے میں لے رکھا ہے"۔

تیسرا پروہت بولا ۔۔۔۔۔۔ "آخر کوئی تدبیر تو سوچنی ہی پڑے گی۔ اگر مندر سے باہر جانے کا کوئی راستہ ہو اور ہم کسی طرح پہاڑی پر چڑھ سکیں۔ خواہ یہ کام کس قدر مشکل ہی کیوں نہ ہو، ہم سے جس طرح بن پڑے گا ہم کوشش کر کے پہاڑی پر چڑھ جائیں گے اور وہاں کسی محفوظ کھائی وغیرہ میں چھپ جائیں گے"۔

یہ سُن کر بوڑھا پروہت بولا ۔۔۔۔۔۔ "مندر سے باہر نکلنے کا دوسرا کوئی راستہ

نہیں اور پہاڑی دیکھنے سے پتہ چلتا ہے کہ اس کے ہر طرف بلند مقامات تک پتھروں کو تراش تراش کر دیوار کی مانند ہموار کیا گیا ہے جس کے باعث نہ تو ادھر سے کوئی اوپر چڑھ سکتا ہے اور نہ اُدھر سے نیچے اُتر سکتا ہے۔"

تیسرے پروہت نے کہا ——— "کیوں نا ہم مندر کی فصیل کے کسی کونے سے کمند لگا کر اُتر جائیں، اس طرح ہمارا مسئلہ حل ہو جائے گا اور ہم رات بھر ڈر اور خوف سے پریشان ہونے سے بچ جائیں گے۔"

دوسرا پروہت بولا ——— "میں تمہارے خیال سے متفق ہوں۔ میں خود بھی یہی کہنے والا تھا۔ آیئے چلیں، اب اس کام میں دیر نہ کی جائے۔"

بوڑھا پروہت قدرے غصہ سے بولا ——— "اور میرا کیا ہوگا؟"

یہ سُن کر تیسرا پروہت بولا ——— "آپ کو پریشان ہونے کی ضرورت نہیں، ٹھاٹھ سے اپنے کمرے میں سو جائیں۔"

بوڑھا پروہت بولا ——— "یہ بھی آپ نے خوب کہی۔ آپ تو ان بلیچھوں کو شکوک و شبہات میں مبتلا کر کے مزے سے چلتے بنیں اور میں خواہ مخواہ ان کے شکنجے میں پھنس جاؤں۔ کیا آپ کا یہی انصاف ہے"؟

"بھئی آپ کا ہمارے معاملہ سے کوئی تعلق نہیں" ——— تیسرا پروہت بولا ——— "وہ آپ کو بلاوجہ پریشان نہیں کریں گے۔"

"آپ بھی کیا خوب کہہ رہے ہیں" ——— بوڑھا پروہت بولا ——— "اگر انہوں نے مجھ سے دریافت کیا کہ اپنے مہمانوں کے بارے میں بتاؤ کہ کہاں غائب ہو گئے ہیں تو میں یہی جواب دوں گا نا کہ میں واقف نہیں ہوں اور یہ ناواقفیت کا اظہار میرے مجرم ہونے کے ثبوت میں کافی سمجھا جائے گا۔ پھر وہ لوگ مجھے یا تو قتل کر ڈالیں گے یا تا زندگی قید میں رکھیں گے۔ آپ تو ان کی قیدی کو رہا کرانے کی کوششوں میں ناکامی کے بعد صاف

نکل جائیں اور میں بے گناہ خواہ مخواہ پھنس جاؤں، ٹھیک کہا ہے بزرگوں نے کہ یہ نیکی کا زمانہ نہیں ہے۔ نیکی کا جواب ہمیشہ بدی میں ملتا ہے۔"

تیسرا پروہت بولا ——— "بس اب یہی ہو سکتا ہے کہ آپ بھی ہمارے ہمراہ چلیں۔"

بوڑھا پروہت غصّہ سے بولا ——— "یہ کیسے ممکن ہے کہ میں خود ہی ہمیشہ کے لئے اس مندر کو چھوڑ جاؤں۔"

تیسرا پروہت بولا ——— "بھئی آپ سے ہمیشہ کے لئے مندر چھوڑنے کو کون کہہ رہا ہے۔ جب یہ لوگ اس مندر سے چلے جائیں ... تو آپ واپس آ کر مندر کو سنبھال لیں۔"

بوڑھا پروہت جھنجلا کر بولا ——— "آپ بھی کمال کی باتیں کر رہے ہیں۔ غالباً آپ نے مجھ کو بھی ایک ناقص العقل عورت سمجھ لیا ہے۔ جسے آپ اُلو بنا کر پھسلانے میں کامیاب ہو جائیں گے۔ ذرا یہ تو سوچیے میں آج یہاں سے فرار ہو گیا تو پھر کبھی کیسے یہاں واپس آ سکتا ہوں۔"

تیسرا پروہت بولا ——— "میرے بزرگ پروہت، آپ خواہ مخواہ ناراض ہو رہے ہیں، غالباً آپ اس وقت دوسرے خیالات میں کھوئے ہوئے ہیں۔ آپ پر کوئی بھی شک نہ کرے گا، ہمارا راز فاش ہونے کے بعد آپ سے پوچھ گچھ کی جائے اور ہمارے بارے میں پوچھا جائے تو آپ یہ کہہ کر بری الذمہ ہو سکتے ہیں کہ میں تو اپنے کمرے میں سو رہا تھا، مجھے پتہ نہیں کہ اُن لوگوں نے خفیہ خفیہ کیا کارروائی کی اور کب چُپ چاپ چھپتے چھپاتے بھاگ نکلے۔"

بوڑھا پروہت بولا ——— "کیا یہ کہہ کر میں بری الذمہ قرار پا سکتا ہوں جناب اگر آپ دانا اور ہوشیار آدمی ہیں تو میں بھی اس قدر بے وقوف اور احمق نہیں ہوں کہ اپنی اچھائی

بُرائی کو سمجھنے سے قاصر رہوں اور آپ کے ارادوں کو نہ سمجھوں۔"

ایک طرف تو پردہتوں میں بحث مباحثہ جاری تھا اور دوسری طرف امینہ نے آفتابہ میں گرم کئے ہوئے پانی میں کچھ عام سرد پانی ملا کر پہلے تو راجکماری کا منہ اور ہاتھ دُھلائے پھر اس کام سے فارغ ہو کر پانچ سات منٹ اِدھر اُدھر گزارے اور پھر راجکماری کے کمرہ میں آگئی۔ یہ کمرہ بڑے سلیقے سے آراستہ کیا گیا تھا۔ کئی خوشنما قیمتی قالین ساتھ ساتھ بچھے ہوئے تھے۔ کمرے میں چار کافوری شمعیں روشن تھیں، جس سے سارا کمرہ جگمگا رہا تھا۔ راجکماری ایک بیش قیمت عنابی مخمل کی مسند پر بیٹھی ہوئی تھی اور اس کے قریب امینہ بھی مؤدب بیٹھی تھی۔ امینہ نے موقع غنیمت جان کر پروہت کا قصہ چھیڑ دیا اور اس کی ابتداء اس طرح کی ——— سب سے پہلے اُس نے بند دروازے پر نظر ڈالی۔ پھر بولی:۔

"حضور! مجھے کچھ عرض کرنا ہے۔ مگر میں ڈرتی ہوں کہ خدانخواستہ اگر میرا راز فاش ہو گیا تو میں جیتے جی مر جاؤں گی اور کسی خوفناک مصیبت اور عذاب میں گرفتار ہو جاؤں گی۔"

"تمہیں مجھ سے ڈرنے کی ضرورت نہیں" ——— راجکماری نے کہا ——— "میں کبھی تمہارا راز فاش نہیں کروں گی۔"

امینہ بولی ——— "اب میری عزت و آبرو کے نگہبان اللہ میاں اور آپ ہیں، خدانخواستہ کہیں حضور کی خیر خواہی میں میری جان ہی نہ جاتی رہے۔"

"بھئی! میں کہہ تو رہی ہوں" ——— راجکماری نے کہا ——— "کہ میں کسی پر تمہارا راز افشا نہ کروں گی اور میری وجہ سے تمہیں کوئی نقصان نہ پہنچے گا۔ البتہ تمہیں اس کا خیال رکھنا چاہیئے کہ مجھے فضول، بے کار اور بے ہودہ باتوں سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔"

امینہ بولی ——— "یہ کبھی نہ ہوگا کہ میں حضور سے کوئی بے کار، فضول اور بے ہودہ بات کروں، مجھ میں اس کی جرأت نہیں ہے۔ میں اس وقت آپ کی خدمت میں ایک

نہایت ضروری اور کارآمد بات عرض کرنا چاہتی ہوں۔"

راجکماری نے کہا ——— "ٹھیک ہے اب تم کہو، کیا کہنا چاہتی ہو، میں غور سے سُن رہی ہوں۔"

امینہ بولی ——— "حضور! کچھ دیر پہلے میں آگ کے قریب بیٹھی آفتابہ میں پانی گرم کر رہی تھی کہ اتفاقاً وہ مقدس پروہت جن کی اس مندر میں سکونت ہے، میرے قریب آکر بیٹھ گئے۔ میں نے ان کی طبیعت کا حال پوچھا تو انہوں نے خوش ہو کر دعائیں دیں اور کہا کہ اس وقت ان کے پاؤں میں سخت درد ہے اور سخت تکلیف میں ہیں۔ یہ سُن کر میں نے از راہِ انسانی ہمدردی انہیں تسلّی و تشفّی دی تو ہمارے درمیان بات چیت ہونے لگی اور اثنائے گفتگو حضور کا ذکرِ خیر بھی ہوا۔ آپ کی قید کا سُن کر ان کے آنسو بہنے لگے۔ وہ انتہائی رقیق القلب انسان ہیں، آپ کا قصہ سُن کر اس قدر بے قرار ہو گئے کہ بڑی مشکل سے میں نے سمجھا بُجھا کر ان کی بے قراری دُور کی۔ وہ بار بار جوش میں آجاتے تھے اور یہ کہتے تھے کہ اس ہندو راجکماری کی مدد کرنا میرا فرض ہے اور میں اپنی جان دے کر بھی راجکماری کی مدد کرنے پر آمادہ ہوں۔ لیکن میں تنہا اتنے آدمیوں کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ میری کوشش سے بے گناہ راجکماری کو رہائی نہیں مل سکتی۔ پھر کافی دیر کی سوچ بچار کے بعد انہوں نے رامائن کی چند کتھائیں ایک کاغذ پر لکھ کر مجھے دیں اور یہ کاغذ آپ تک پہنچانے کے لئے کہا اور اس کے ساتھ زبانی یہ پیغام دیا کہ راجکماری ان کتھاؤں کو ہر رات اپنی قیام گاہ کے کسی کونے میں بیٹھ کر پڑھتی رہے۔ پھر انہیں پڑھنے کے بعد وہ پرماتما کے حضور گڑگڑا کر اپنی رہائی کی پرارتھنا بھی کرے تو آئندہ دس روز میں قید و بند کی اذیت سے نجات پا سکتی ہے" ——— پھر امینہ نے کاغذ نکالا اور راجکماری کے سپرد کر دیا۔

راجکماری نے شمع کی روشنی میں کاغذ کی تحریر پر نظر ڈالی تو پہلے تو ازحد حیران ہوئی۔ پھر اس کاغذ کو پڑھ کر اپنے تکیے کے نیچے چھپا دیا اور امینہ کی طرف نظر اٹھا کر حیرت سے دیکھا

اور بولی :——

"امینہ ! مجھے تمہاری اس جرأت اور ہوشیاری پر سخت حیرت ہے کہ تم نے کس سلیقے اور ہوشیاری سے اس کام کو سرانجام دیا ہے۔ میں تم سے بہت خوش ہوں اور آج سے تمہیں اپنی رازدار سمجھوں گی۔ خدا نے چاہا تو شاید کبھی میں تمہاری اس رفاقت کا صلہ دینے کے قابل ہو جاؤں۔ خیر اب کافی رات گذر چکی ہے۔ تم بھی جا کر کچھ دیر سو لو اور مجھے بھی نیند آ رہی ہے، اب میں بھی آرام کرتی ہوں، کل پھر ہمیں سارا دن سفر میں گزارنا ہوگا۔ اس لئے اب کچھ دیر آرام کرنا ضروری ہے۔"

امینہ نے سلام کیا اور کمرے کے باہر آ گئی۔ امینہ کی روانگی کے فوراً بعد راجکماری نے تکیے کے نیچے سے وہ کاغذ نکال کر دوبارہ پڑھنا شروع کیا اور اسے پڑھ کر دل ہی دل میں سوچا۔ مکند لال بڑا ہوشیار آدمی ہے۔ پروہت بن کر مسلمانوں کو دھوکہ دینے میں کامیاب ہو گیا ہے۔ واقعی وہ میرے والد محترم کا سچا خیرخواہ اور جاں نثار ساتھی ہے۔ اپنی جان کی بازی لگا کر اکیلا ہی اپنے دشمنوں میں آ گیا ہے۔ یہ واقعی بڑی جرأت کا کام ہے، جو مکند لال ہی کر سکتا ہے۔ مگر یہ بات میری سمجھ میں نہیں آ رہی کہ اس اکیلے آدمی کی کوششوں سے میں کیسے رہا ہو سکتی ہوں۔ اس نے اپنے خط میں لکھا ہے کہ میں اپنی رہائی کے لئے تیار رہوں۔ وہ دہلی پہنچ کر مجھے کسی نہ کسی طریقے سے رہا کرا لے گا۔ یہ یقیناً اس کی غلط فہمی ہے۔ اس کا دہلی پہنچنا کارے دارد والی بات ہے۔ یہ کوئی ایسی آسان بات نہیں ہے۔ اگر یہ بھی فرض کر لیا جائے کہ وہ مکر و فریب کو بروئے کار لا کر دہلی پہنچ جاتا ہے تو یہ بالکل ناممکن ہے کہ دہلی میں وہ میرے قریب تک پھٹک سکے۔ یہاں میں ایک قطعی غیر محفوظ جگہ موجود ہوں اور میرے ساتھ چند آدمیوں کے علاوہ کوئی بھی نہیں ہے۔ اگر وہ مجھے یہاں قید سے نہیں چھڑا سکا، تو یہ کیسے ممکن ہے کہ وہ مجھے قلعہ دہلی سے رہا کرا لے۔ اس کی تمام کوششوں کا یہی نتیجہ ظاہر ہوگا کہ وہ پھر قنوج کی لشکر گاہ میں جائے گا اور میرے والد کو یہ اطلاع دے گا کہ راجکماری

زندہ ہے اور قلعہ دہلی میں قید ہے۔ اس صورت میں جبکہ سلطان محمد غوری غزنی سے روانہ ہو کر منزلیں مارتے ہوئے دہلی کی طرف بڑھ رہے ہیں، جہاں سے وہ اپنے نمائندہ ہندوستان قطب الدین ایبک اور دوسرے حامیوں کے ساتھ قنوج پر حملہ آور ہوں گے۔ یہ کسی طرح بھی ممکن نہیں ہے کہ میرے والد محض مجھے رہا کرانے کے لئے لشکر گاہ قنوج سے نکل کر دہلی پر حملہ آور ہوں۔ پھر یہ بھی ممکن نہیں کہ میں اپنی بے کسی اور مصیبت کے ایّام میں اپنے ساتھ مہربانی اور محبت سے پیش آنے والے سردار کمال الدین سمرقندی کے ساتھ فریب سے کام لوں، حالانکہ سردار کمال نے اس وقت میری عزت افزائی کی جب انقلابِ زمانہ سے میں ذلیل و خوار ہو رہی تھی۔ وہ مجھ سے محبت کرتے تھے۔ مجھ پر عاشق تھے لیکن محض اس خیال سے میری طرف نظر اٹھا کر نہ دیکھتے تھے کہ کہیں مجھے ناگوار نہ گزرے۔ لیکن آج یہ کیفیت ہے کہ میں ان کے لئے اپنی جان تک دے سکتی ہوں، پھر میں تو انہیں اپنی محبت کا حال بھی بتا چکی ہوں۔ کیا میری یہ باتیں جھوٹ تھیں؟ نہیں، میں اب بھی انہیں پہلے کی مانند محبت کرتی ہوں اور اُن پر دل و جان سے فدا ہوں، وہ اس وقت بھی میری نظروں کے سامنے ہیں اور اُن کا حُسنِ خداداد میرے دل پر اپنے مقناطیسی اثرات مرتب کر رہا ہے اور میں ان کی اپنے لئے پیار و محبت کی باتیں سُن رہی ہوں۔ اُن کی پُرخلوص باتیں میرے دل میں اپنا گھر بنا چکی ہیں، لیکن اُن کا حسین چہرہ مجھے اس وقت اداس کیوں نظر آ رہا ہے۔ کیا انہیں اس خط کا حال معلوم ہو گیا ہے اور انہوں نے یہ سمجھا ہے کہ میں اُن سے بے وفائی کی مرتکب ہو رہی ہوں۔ عزیز از جان کمال! دیکھو، مجھے خواہ مخواہ شرمندہ نہ کرو۔ واقعی میں قصوروار ہوں کہ میں نے تمہارے دشمن کے خط کا مطالعہ کر کے اُسے اپنے تکیے کے نیچے رکھ لیا ہے۔ حالانکہ میرا فرض تھا کہ اس خط کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے آگ میں جھونک دیتی۔ لیکن میں یہ نہ کرتی تو کیا کرتی، مصلحت کا تقاضا یہی تھا۔ اس سے یہ قیاس کرنا درست نہ ہوگا کہ خط نے تمہاری محبت کو میرے دل سے دُور کیا ہے۔ میں ایک ہی دل رکھتی تھی جو

تمہیں نذر کر چکی ہوں۔ اب دنیا میں خواہ کوئی بھی انقلاب آجائے، میرے دل سے تمہاری محبت کو نکالنے سے قاصر رہے گا۔ کوہ ہمالیہ اپنی جگہ سے ٹل سکتا ہے لیکن یہ ناممکن ہے کہ میرے دل سے تمہاری محبت نکل جائے۔ میں اپنے عہد پر قائم ہوں اور ہمیشہ قائم رہوں گی اور تمہیں زندگی بھر خلوصِ دل سے محبت کرتی رہوں گی۔ کندلال کا خط تو کوئی اہمیت ہی نہیں رکھتا۔ اگر مجھے روئے زمین کی بادشاہت دے دی جائے اور یہ کہا جائے کہ تمہاری محبت سے دستبردار ہو جاؤں تو میں صاف انکار کر دوں گی اور تمہاری محبت کو سینے سے لگائے تمہارے ساتھ ایک جھونپڑی میں بھی گزر بسر کر لوں گی۔

راجکماری اپنے خیالات کے ساتھ ساتھ پرواز کر رہی تھی کہ اُسے دروازے پر کسی کے قدموں کی آہٹ محسوس ہوئی۔ اُس نے نظر اٹھا کر دروازے کی سمت دیکھا تو سکینہ دروازے سے گزر کر کمرے میں داخل ہو رہی تھی۔ راجکماری نے اسے دیکھا تو اس کی زبان سے بے ساختہ نکلا:۔

"سکینہ! تم عین وقت پر آئی ہو، میں تمہاری ہی منتظر بیٹھی تھی۔"

سکینہ بولی ——— "میرا تو خیال تھا کہ آپ آرام کر رہی ہیں، اس لئے میں خواہ مخواہ سامنے کے کمرے میں بیکار بیٹھی رہی۔ اگر مجھے علم ہوتا کہ آپ بیدار ہیں تو میں فوراً آپ کے پاس آجاتی۔"

راجکماری نے کہا ——— "میں نے سونے کی کوشش ضرور کی تھی لیکن کامیاب نہ ہو سکی۔ اب میرا جی گھبرا رہا تھا۔ اگر تم کچھ دیر اور میرے پاس نہ آئیں تو میں خود تمہیں بلا لیتی۔"

"واقعی اس ویرانے میں آپکی طبیعت گھبرا رہی ہوگی" ——— سکینہ نے کہا ——— "آپ کو آج سے قبل ایسے ویرانے اور بے آباد مقام میں رات بسر کرنے کا کبھی

اتفاق نہ ہوا ہوگا۔"

راجکماری نے کہا ——— "نہیں یہ بات تو نہیں ہے بلکہ میں کسی اور خیال کے تحت سخت پریشان ہوں۔"

سکینہ بولی ——— "کیا آپ اپنی اس پریشانی کا حال مجھے بتا سکتی ہیں؟"

"سکینہ! میں تمہاری سچائی اور اچھی صفات کی گرویدہ ہوں" ——— راجکماری نے کہا ——— "اور تمہیں اپنی سچی بہی خواہ اور رازدار ہمدرد سہیلی کا درجہ دیتی ہوں۔ میں تم سے کوئی بات چھپانا پسند نہیں کرتی۔ میں جب سے اس مندر میں پہنچی ہوں اور مجھے جب سے اُس بوڑھے پروہت کی باتیں سننے کا اتفاق ہوا ہے، میں اسی وقت سے دل ہی دل میں عجیب و غریب خیالات کے تانے بانے بُننے میں مصروف ہوں اور اب تک اُسی الجھن میں گرفتار ہوں۔ میں نے جب سے اُس بوڑھے پروہت کے یہ الفاظ سُنے ہیں کہ مندر میں میرے بعض ہم مذہب اور ہم وطن میرے مہمان ہیں تو اُسی وقت سے میں پروہت اور اس کے مہمانوں کو اپنا دشمن سمجھنے لگی ہوں۔ میرا اندازہ ہے اور یہ کبھی غلط نہیں ہو سکتا کہ بوڑھا پروہت اور اس کے مہمان اچھے لوگ نہیں ہیں اور ہو نہ ہو یہ لوگ مسلمانوں کے خلاف مذموم سرگرمیوں میں مصروف ہیں اور کوئی نہ کوئی گڑبڑ ضرور ہے۔"

"کوئی گڑبڑ نہیں، یہ محض آپ کے توہمات ہیں" ——— سکینہ نے کہا ——— "آپ مطمئن ہو کر آرام کریں۔ چونکہ آپ اپنی گرفتاری کا تازہ واقعہ دیکھ چکی ہیں اس لئے آپ کی طبیعت میں شکوک و شبہات پیدا ہو گئے ہیں اور آپ دوسروں کو بھی مشکوک سمجھ رہی ہیں۔ لیکن اب آپ مطمئن رہیں اور کسی مخالف سے خوفزدہ نہ ہوں، وہ بیچارا پروہت ہماری مخالفت کیا کرے گا۔ وہ تو خود ڈر و خوف سے مندر کے دروازہ پر کھڑا کانپ رہا تھا اور اس کی زبان سے الفاظ تک ادا نہ ہو رہے تھے۔"

"سکینہ! یہی تو ہماری غلطی ہے" ——— راجکماری نے کہا ——— "اس پروہت کی یہی حرکتیں ثابت کرتی ہیں کہ دال میں کچھ کالا کالا ضرور ہے۔ وہ چونکہ چور ہے اس لئے ڈر و خوف سے کانپ رہا تھا کہ کہیں اس کی مذموم حرکتوں کا راز فاش نہ ہو جائے۔"

"میں تو پروہت کا گورکھ دھندا سمجھنے سے قاصر ہوں" ——— سکینہ نے کہا ——— "مگر آپ جو کہہ رہی ہیں لازماً اس میں بھی صداقت ہوگی۔ لیکن میں سمجھتی ہوں کہ ہمیں اس پروہت اور اس کے مہمانوں کو ذرا سی بھی اہمیت نہیں دینی چاہیئے، کیونکہ یہ لوگ ہمارے خلاف کچھ بھی تو نہیں کر سکتے۔"

"کر سکتے ہیں اور بہت کچھ کر سکتے ہیں" ——— راجکماری نے کہا ——— "دشمن کو کمزور سمجھ کر نظر انداز نہیں کرنا چاہیئے، تم اسی وقت سردار نظام الدین کے پاس جاؤ اور اسے میرا یہ پیغام پہنچا دو کہ میں چاہتی ہوں کہ وہ مندر میں موجود پروہت اور اس کے مہمانوں کو فوراً گرفتار کر لیں۔"

"میں آپ کے حکم کی تعمیل کرتی ہوں" ——— سکینہ نے کہا ——— "اور سردار نظام الدین تک آپ کا پیغام پہنچا دیتی ہوں، لیکن میں سمجھتی ہوں کہ سردار نظام شاید آپ کے اس حکم کی تعمیل نہ کر سکیں۔"

"کیوں؟" ——— راجکماری نے فوراً پوچھا

"پروہت مذہبی رہنما ہوتے ہیں" ——— سکینہ نے کہا ——— "اور وہ مقدس مذہبی لوگوں کے خلاف کارروائی پسند نہیں کر سکتے۔"

"تم میری طرف سے انہیں تاکید کر دینا" ——— راجکماری نے کہا ——— "اور کہنا کہ اس معاملے میں نرمی اور مہربانی سے کسی صورت کام نہ لیں۔ اگر ان لوگوں کی گرفتاری ظلم ہے تو یہ ظلم میں قبول کرتی ہوں اور اس کی جواب دہ ہوں گی۔ لیکن اس وقت وہ میرے کہنے پر ہر صورت میں عمل کریں، کیونکہ اسی میں سب مسلمانوں کی بہتری

ہے، اگر انہوں نے میری بات نہ مانی اور اپنی مرضی سے کام کیا اور بوڑھے پروہت اور اس کے ساتھی پروہتوں کو چھوڑ دیا تو میں بری الذمہ ہوں گی اور برے نتائج کی ساری ذمہ داری ان پر عائد ہوگی۔"

یہ سُن کر سکینہ خاموشی سے اٹھی اور سردار نظام الدین کے پاس آ گئی جو اُس وقت پہرہ داروں سے الگ خود بھی مندر کے صحن میں ٹہل رہا تھا، سکینہ نے اسے سلام کیا اور جب وہ اس کی طرف متوجہ ہو گیا تو جو کچھ راجکماری نے کہا تھا، سکینہ نے بالتفصیل اسے کہہ دیا۔ سردار نظام الدین نے کچھ دیر اس معاملہ پر غور کیا۔ پھر سکینہ سے مخاطب ہو کر بولا ——— "سکینہ! تم میری طرف سے راجکماری صاحبہ کو کہہ دینا کہ میں آپ کے حکم کی تعمیل کروں گا اور صبح روانگی کے وقت بوڑھے پروہت اور اس کے مہمانوں کو اپنے ساتھ دہلی لے چلوں گا۔"

یہ سُنتے ہی سکینہ سلام کر کے رخصت ہوئی تو سردار نظام الدین اپنے ہمراہ چھ مسلح سپاہیوں کو لے کر پروہت کے کمرے کی طرف چلا۔ اس وقت کمرے کے دروازے پر مکند لال اور لال بہادر کھڑے کانا پھوسی میں مصروف تھے۔ معاً ان کی نظر سردار نظام الدین اور ان کے مسلح سپاہیوں پر پڑی اور ان کو اپنی جانب آتے دیکھ کر دونوں سخت گھبرا گئے۔

مکند لال نے جھک کر لال بہادر سے کہا ——— "پرماتما اس بوڑھے احمق کا ستیاناس کرے اس نے ہمیں یہ جگہ نہ چھوڑنے دی۔ اب ہم جس مصیبت سے بھاگنا چاہتے تھے، وہ سر پر آ پہنچی ہے۔ بوڑھے خبیث نے اپنی موت کا سامان بھی کیا اور ہمیں بھی قاتلوں کے سپرد کر دیا۔"

سردار نظام الدین نے قریب پہنچ کر کہا ——— "کیوں جناب! ہمارے میزبان وہ بوڑھے پروہت اپنے کمرے میں ہیں۔ ہم لوگ اس وقت ان کی خدمت میں حاضری کے لئے آئے ہیں۔"

مکند لال بڑی مشکل سے اپنی گھبراہٹ پر قابو پا کر بولا ——— "وہ اسی کمرے میں موجود ہیں اور ابھی بیدار ہیں، آیئے کمرے میں چلتے ہیں۔"

سردار نظام الدین کی آواز سنتے ہی وہ بوڑھا پروہت خود ہی سہما ہوا کمرے سے باہر آ گیا تو سردار نظام نے اسے دیکھ کر بڑے ادب و احترام سے کہا ——— "جناب معافی کا خواستگار ہوں کہ اس وقت ایک خاص ضرورت کے تحت دوبارہ آپ کو زحمت دے رہا ہوں۔"

بوڑھا پروہت بولا ——— "فرمایئے کیا خدمت ہے؟ میں ہر خدمت کے لئے تیار ہوں۔"

سردار نظام نے کہا ——— "میری خواہش ہے کہ آپ مع اپنے مہمانوں کے صبح ہمارے ساتھ دہلی چلیں، آپ کو تکلیف تو ہوگی، لیکن مجھے امید ہے کہ آپ وہاں چند روز ہمارے مہمان کی حیثیت سے مقیم رہ کر ہمیں خدمت کا موقع دیں گے۔"

مکند لال بوڑھے پروہت سے مخاطب ہو کر بولا ——— "آپ تو واقف ہی ہیں کہ ہم لوگ مزید ایک دن بھی کہیں مقیم نہیں رہ سکتے۔ ہم آج شام آپ سے رخصت بھی حاصل کر چکے ہیں، کیونکہ اب ہمیں جلد سے جلد اپنے ٹھکانے پر پہنچنا ہے۔"

سردار نظام نے کہا ——— "آپ ہماری خاطر دو تین روز مزید اپنا سفر ملتوی کر کے ہمارے ساتھ چلیں تو آپ کی مہربانی ہوگی۔"

مکند لال بولا ——— "آپ ہمیں تو معاف ہی رکھیں، ہم کسی بھی مجبوری کے تحت ہرگز اپنے سفر کو ملتوی نہیں کر سکتے۔"

سردار نظام بولا ——— "مجھے افسوس ہو رہا ہے کہ آپ میری دعوت کو رد کر رہے ہیں، مگر میں کبھی نہ مانوں گا۔ آپ کو مجھے میزبانی کا موقع مہیا کرنا ہی پڑے گا۔"

لال بہادر غصّہ سے بولا ——— "مسلمان ہمارے ساتھ اسی طرح زیادتیاں کرتے

رہے ہیں، میں بخوبی واقف ہوں کہ آپ ہمیں دعوت نہیں دے رہے، گرفتار کر کے اپنے ہمراہ لے جانا چاہتے ہیں، لیکن ہم جیتے جی اپنی گرفتاری قبول نہیں کریں گے۔"

یہ کہنے کے ساتھ ہی لال بہادر نے خنجر بلند کیا اور سردار نظام الدین کے سینے میں جھونک دیا۔ سردار نظام الدین کا جسم زرہ میں محفوظ تھا، اس لئے لال بہادر کا وار بے کار ثابت ہوا۔ لال بہادر نے پہلے کی سی تیزی کے ساتھ دوسرا وار کیا تو سردار نظام ایک لحہ قبل جست کر کے بائیں طرف کئی قدم کے فاصلے پر پہنچ گیا۔ اب مکند لال کے ہاتھ میں بھی خنجر چمک رہا تھا اور اس کا غلام بھی ننگی تلوار ہاتھ میں لئے اپنے آقا کی حفاظت کے لئے مستعد ہو چکا تھا۔ اس کے بعد تینوں ایک ساتھ سردار نظام پر حملہ آور ہوئے۔ اس وقت تک سردار نظام ان لوگوں سے لڑائی کے لئے تیار نہ تھا لیکن اب اسے اپنی حفاظت کے لئے کچھ نہ کچھ تو کرنا ہی تھا۔ اس نے اپنی تلوار کھینچ کر لال بہادر پر وار کر کے اس کی پیش قدمی کو روکنا چاہا۔ لیکن لال بہادر بڑی ہوشیاری سے اس کے وار سے بچ گیا اور پھر لال بہادر نے غصہ سے آگ بگولا ہو کر برابر سے پھر خنجر کا وار کیا۔ اس بار سردار نظام کی تلوار لال بہادر کے خنجر سے ٹکرا گئی تو جھنکار کی آواز ابھری اور لال بہادر کے خنجر کا بڑا حصّہ ٹوٹ کر دور جا گرا۔ مکند لال کے غلام نے لپک کر آگے بڑھتے ہوئے اپنی تلوار لال بہادر کو دینی چاہی لیکن سردار نظام کی تلوار نے اُسے اس کی مہلت نہ دی۔ سردار نظام کی تلوار کے وار نے اس کا ہاتھ کلائی کے پاس سے قلم کر دیا تھا اور تلوار زمین پر گر کر سردار نظام کے قبضے میں آ چکی تھی۔ مکند لال پہلے ہی سے سردار نظام کے ایک سپاہی سے مقابلہ کر رہا تھا اور اپنے تابڑ توڑ حملوں سے سپاہی کو کئی زخم بھی لگا چکا تھا، قریب تھا کہ مکند لال غالب آ جائے کہ اپنے دوست لال بہادر اور اپنے غلام کا حشر دیکھ کر اُس کا ہاتھ سُست پڑ گیا۔ ادھر اس ہنگامے سے بلند ہونے والے شور و غل کو سُنکر دوسرے سپاہی بھی آ گئے اور آخر کار اپنے فرار کو ناممکن سمجھتے ہوئے مکند لال نے جھنجھلاہٹ کے عالم میں اپنے ہاتھ سے خنجر پھینک کر

بآوازِ بلند کہا :-

"اے ظالم آدمی ! ہم خود کو تیرے حوالے کرتے ہیں۔ جس قدر جی چاہے ہم پر ظلم کر لینا۔ لیکن یہ یاد رکھنا کہ ہم بے گناہوں کو ستانے کی پاداش میں ایک روز پرماتما تمہیں بھی سزا دے گا۔"

یہ سُن کر سردار نظام نے اپنے سپاہیوں کو پکار کہا :-

"خبردار ! اب کوئی سپاہی ان پروہتوں کو تکلیف نہ پہنچائے۔"

یہ کہہ کر سردار نظام نے اپنی تلوار میان میں ڈال لی۔ مکند لال اور اس کے دوست لال بہادر اور غلام نے خود کو سردار نظام کے حوالے کر دیا تھا۔ مگر بوڑھا پروہت نظر نہ آ رہا تھا۔ سردار نظام کے حکم سے کئی سپاہیوں نے شمعیں لے کر سارے کمروں اور مندر کے ہر کونے کھدرے کو چھان مارا لیکن بوڑھے پروہت کا کہیں سراغ نہ ملا۔ مندر کا بڑا دروازہ بند تھا اور اس پر ابتدا ہی سے سپاہی پہرہ دے رہے تھے اور کسی ایک لمحہ بھی دروازے پہرے سے خالی نہ رہے تھے۔ سب لوگ حیران تھے کہ بوڑھا پروہت کہاں غائب ہو گیا ہے، اُسے زمین نگل گئی ہے یا آسمان نے کھا لیا ہے۔ پتہ نہیں کیا بات تھی کہ وہ بوڑھا پروہت سب کی نظروں کے سامنے سے غائب ہو چکا تھا۔ سردار نظام نے بتایا کہ لال بہادر کی طرف اشارہ کر کے اس پروہت نے جب مجھ پر دوسری بار حملہ کیا تھا تو وہ بوڑھا پروہت بھاگ کر اپنے کمرے میں چلا گیا تھا۔ ایک اور سپاہی کا بھی یہی بیان تھا۔ دوسرے سپاہیوں نے بیک زبان کہا کہ وہ اس طرح حملہ آوروں اور بوڑھے پروہت کو گھیرے میں لئے ہوئے تھے کہ بوڑھے پروہت کے لئے اپنے کمرے میں بھاگ جانے کے علاوہ کوئی چھپنے کی جگہ نہ تھی۔ لازماً بوڑھا پروہت اپنے کمرے میں گیا ہے لیکن حیرت تو یہ ہے کہ اپنے کمرے میں جانے کے بعد وہ کہاں گیا۔ زمین میں سما گیا یا آسمان پر اُڑ گیا۔

سردار نظام نے اس بحث و مباحثہ کو ختم کرنے کے ارادہ سے کہا ——

"اب اس قصہ کو ختم کریں، یہ سمجھیں کہ ایک شیطان تھا جس نے فتنہ برپا کیا اور پھر غائب ہو گیا۔"

اس کے بعد سردار نظام نے سپاہیوں سے مخاطب ہو کر کہا —— "ان پروہتوں کو لے جاؤ اور اپنی حراست میں رکھو، لیکن کسی کو اذیت نہ دی جائے۔ پتہ نہیں انہیں کیا سوجھی کہ ہمارے مقابلے پر آ گئے۔ میں اسے ان کی بے وقوفی اور دلیرانہ پن سمجھتا ہوں، ہماری ان کی دشمنی تو ہے نہیں۔"

ایک سپاہی بولا —— "جناب ! رات قریب الاختتام ہے اور کچھ دیر بعد صبح ہوا چاہتی ہے، اگر آپ پسند فرمائیں تو ہم روانگی کی تیاری کریں۔"

سردار کمال نے جواب دیا —— "ضرور تیاری کرنی چاہیئے، کیونکہ آج کی منزل کل کی بہ نسبت قدرے بڑی بھی ہے۔"

اس حکم کے ملتے ہی سپاہیوں نے مکند لال، لال بہادر اور غلام کو (جس کی کلائی پر مرہم لگا کر خون بند کیا گیا تھا اور پٹی باندھ دی گئی تھی) دروازے کے قریبی کمرے میں بٹھایا اور چند سپاہی کمرے کے دروازے پر ان کی حفاظت کے خیال سے موجود رہے، باقی سپاہیوں نے سفر کے انتظامات شروع کر دیئے۔ راجکماری نے قنات کے پاس کھڑے ہو کر لڑائی کی کارروائی کو حیرت کے ساتھ دیکھا تھا۔ سکینہ اور خواجہ سرا اس کے قریب کھڑے رہے تھے۔ جب سپاہی مکند لال اور لال بہادر کو لے کر قنات کے قریب سے گزرے تو راجکماری نے ایک خواجہ سرا کی آڑ سے ان قیدیوں کے چہروں پر نظر ڈالی تو بے ساختہ اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے، جنہیں وہ پی گئی اور اپنی اس کیفیت کا کسی پر اظہار نہ ہونے دیا۔ پھر وہ اپنے کمرے میں آ گئی اور ایک خواجہ سرا کو بلا کر کہا :-

"تم سردار نظام الدین کی خدمت میں جاؤ اور میری طرف سے پوچھو کہ میں فکرمند ہوں کہ کہیں خدانخواستہ ان بے وقوفوں کے ہاتھ سے آپ کو کوئی نقصان

تو نہیں پہنچا۔ اپنے ایک سپاہی کے زخمی ہونے پر مجھے بڑا افسوس ہوا ہے اور میں سمجھتی ہوں کہ آپ اس جانباز سپاہی کی قدر کریں گے۔"

خواجہ سرا فوراً سردار نظام الدین کے پاس پہنچا اور راجکماری کی طرف سے سردار کی مزاج پرسی کرنے کے بعد وہ سب کچھ کہہ دیا جو راجکماری نے اسے کہا تھا۔ سردار نظام الدین نے خوش ہو کر بڑے اچھے انداز میں راجکماری کا شکریہ ادا کیا۔ پھر خواجہ سرا سے کہا کہ اب جہاں تک جلد ہو سکے یہاں سے روانگی کا اہتمام کرو، کیونکہ بس اب نصف گھنٹہ بعد سورج طلوع ہونے ہی والا ہے۔ خواجہ سرا، سردار نظام کی ہدایت کے تحت روانگی کے لئے رخصت ہو گیا تو کچھ دیر بعد ایک سوار نے سردار نظام کو مطلع کیا کہ سارا سامان سفر مکمل ہو چکا ہے۔ اس وقت چونکہ نمازِ فجر کا وقت ہو چکا تھا، اس لئے سردار نظام الدین اور اُس کے سارے ہمراہیوں نے نمازِ فجر پڑھی، پھر قافلہ اس مندر سے دہلی کی طرف روانہ ہو گیا۔

———— ☆ ————

باب ۱۱

والیٔ قنوج کی شکست

ترائن کی دونوں جنگوں میں جے چند والیٔ قنوج پرتھوی راج چوہان کے ہمراہ نہ تھا، کسی خاندانی چپقلش کے تحت وہ دونوں ایک دوسرے کے مخالف تھے، اس لئے جب پرتھوی راج کی سلطان غازی محمد غوری سے ترائن کے مقام پر دو جنگیں ہوئیں تو جے چند نے پرتھوی راج کی مدد نہ کی تھی۔ لیکن ترائن کی دوسری جنگ میں پرتھوی راج کی شکست اور موت سے جے چند متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔ کیونکہ وہ پرتھوی راج کا بھائی بھی تھا، راجپوت تھا، ہندو تھا اور ہندوستانی بھی۔ پھر جب سلطان محمد غوری غزنی واپس چلا گیا تو اس کے نمائندے جرنیل ملک قطب الدین ایبک نے قلعوں پر قلعے فتح کرنے شروع کر دیئے تو جے چند نے مسلمانوں سے شدید خطرہ محسوس کیا اور جنگ کی تیاری شروع کر دی۔ میرٹھ کے راجہ کی شکست اور دہلی کی فتح نے جے چند کو مزید آگ بگولہ کر دیا، کیونکہ اسی نے راجہ میرٹھ اور راجہ دہلی کو سرکشی کی ترغیب دی تھی۔ جے چند نے جنگ کی تیاری شروع کی تو ملک قطب الدین ایبک نے یہ خبر سلطان محمد غوری کو غزنی بھیج دی اور سلطان محمد غوری نے پہلے قطب الدین ایبک سے بمقام دہلی ملنے اور پھر قنوج پر حملہ کرنے کے ارادہ سے ہندوستان کا رخ کیا۔ ۵۹۰ ہجری میں سلطان محمد غوری نے اپنی فوج کے ساتھ غزنی سے کوچ کیا۔

۱۱۹۴ء کے ایک دن سلطان محمد غوری منزلیں مارتا ہوا دہلی آپہنچا۔ یہاں اُس کے غلام اور ہندوستان میں نمائندے ملک قطب الدین ایبک نے اس کا شاندار استقبال کیا۔ چند روز قیام کے بعد جب سلطان محمد غوری نے دہلی سے قنوج کی جانب پیش قدمی کی تو قطب الدین ایبک، اس کا لشکر اور دوسرے مسلمان حاکموں کے لشکر اس کی رکاب میں تھے۔ موضع چندوار کے نواح میں جے چند اپنے باجگزار اور حلیف راجاؤں کی افواج کے ساتھ مقیم تھا۔ اس کے بالمقابل سلطان محمد غوری کا لشکر موجود تھا۔ لشکرِ اسلام اپنے مرکز سے بہت دُور اجنبی ملک میں تھا اور جے چند کی فوج اپنے وطن میں تھی۔ جہاں اسے ہر قسم کی امداد مل سکتی تھی۔ جے چند کے لشکر کی تعداد مسلمان فوج کے مقابلہ میں کئی گنا زیادہ تھی۔ لشکرِ کفار کے ساتھ تین سو سے زائد جنگی ہاتھی بھی تھے۔

سُلطان محمد غوری نے حملے سے پہلے اپنی فوج کے سامنے ایک ولولہ افروز تقریر کی اور کہا:۔

"بھائیو! یہ ملک ہی نہیں ہر ملک ہمارا ہے اس لئے کہ ہمارے خدا کا ہے۔ ہمارے اس ملک میں ہمارا ایک طاقتور دشمن سے مقابلہ ہے۔ جو ہمیں طوفانی سمندر کی لہروں کی مانند گھیر سکتا ہے۔ ہمارے دُشمن کے پاس ہر قسم کا سامانِ جنگ موجود ہے۔ کھانے پینے کی چیزیں افراط سے ہیں، پھر دشمن لشکر کی تعداد بھی ہماری بہ نسبت بہت زیادہ ہے۔ لیکن یقین رکھو کہ فتح تمہاری ہے۔ کثیر لشکرِ کفار تمہاری تلواروں کی کاٹ کے سامنے ٹھہر نہیں سکے گا۔ کفار کو اپنی فوج، ساز و سامان اور ہاتھیوں پہ ناز ہے۔ مگر ہمارا بھروسہ صرف خدا پر ہے۔ ہار جیت اسی کے ہاتھ میں ہے"

"بھائیو! خدا کے حکموں پر چلو گے اور دین کا جھنڈا اس سرزمین میں

گاڑ دو گے تو خدا کی بارگاہ سے تمہیں بہت بڑا انعام ملے گا۔ خداوند کریم تمہیں دنیا اور آخرت میں سُرخروئی بخشے گا۔ میں لشکرِ کفار پر حملہ کر رہا ہوں جو میرا بھائی آج کے جہاد میں حصّہ لے کر اس دنیا اور آخرت میں سرخروئی حاصل کرنے کا متمنّی ہو وہ میرا ساتھ دے۔"

اور اپنی تقریر ختم کر کے سلطان محمد غوری نے اپنے گھوڑے کا رُخ لشکرِ کفّار کی طرف کر کے اسے ایڑ لگائی اور لشکرِ کفّار میں گھس کر اپنی شمشیر زنی کے جوہر دکھانے لگا۔ تقریر سُنتے ہی مسلمانوں کے حوصلے بھی بلند ہو گئے تھے اور وہ کفار پر حملہ کرنے کے لئے بے تاب ہو رہے تھے۔ جلد ہی دونوں لشکر مقابل میں آ گئے اور گھمسان کا رَن پڑا۔ کفار اپنے لشکر کی کثرت کے سبب میدان میں جم کر مقابلہ کر رہا تھا تو لشکرِ اسلام کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے انعام میں فتح حاصل ہونے کا یقین تھا اس لئے وہ بھی اپنی عالی حوصلگی کے باعث میدان میں جما ہوا تھا۔ جنگ جاری تھی کہ جے چند کی آنکھ میں تیر لگا جس نے اس کی جان لے لی اور وہ ہاتھی سے مُردہ ہو کر گر پڑا۔ یہ دیکھ کر جے چند کی سپاہ کے حوصلے ٹوٹ گئے اور راجپوت میدانِ جنگ سے بھاگ نکلے اور فتح نے مسلمانوں کے قدم چومے۔ ہندوؤں کا وسیع پیمانے پر قتلِ عام ہوا۔ عورتوں اور بچّوں کی تو جان بخشی ہو گئی، لیکن فوج کے سپاہیوں کی گردنیں ماری جاتی رہیں حتیٰ کہ زمین کفّار کے سپاہیوں کا بوجھ اٹھانے سے بیزار ہو گئی۔

قنوج کی تسخیر کے بعد سلطان محمد غوری کو پتہ چلا کہ جے چند والیٔ قنوج نے جنگ سے پہلے اپنے سارے خزانے اَنسی کے قلعہ میں چھپا دیئے تھے تاکہ شکست کی صورت میں اپنے ان خزانوں سے مزید فوج بھرتی کرے اور پھر مسلمانوں کو ہندوستان سے دھکیل کر باہر نکال دے، سلطان محمد غوری نے اس اطلاع کے فوراً بعد اَنسی کے قلعہ پر چڑھائی کر دی۔ اَنسی جلد ہی سرنگوں ہو گیا اور خزائن سلطان کے قبضہ میں آ گئے۔ سلطان

شہاب الدین محمد غوری چونکہ ایک راسخ العقیدہ مسلمان تھا، اس لئے مسلمان ہونے کے باعث اُس کی خواہش تھی کہ جن مقامات اور ملکوں پر چڑھائی کر کے فتح حاصل کرے وہاں اسلام کی اشاعت بھی ضرور کرے۔ سلطان نے بنارس میں تقریباً ایک سو مندروں کو منہدم کرایا اور اُن کی جگہ مسجدیں تعمیر کرائیں۔

ابن اثیر نے لکھا ہے کہ سلطان محمد غوری نے جے چند والیٔ قنوج کے جن ہاتھیوں پر قبضہ کیا تھا، اُن میں ایک جنگلی وحشی ہاتھی بھی تھا۔ ایک شخص نے دیکھا کہ سلطان کے سامنے تمام ہاتھی لائے گئے تو تمام نے سرِ اطاعت خم کر دیا مگر ایک ہاتھی اکڑا رہا۔

سلطان محمد غوری یہاں سے غزنی واپس چلا تو چودہ ہزار اونٹ اس کے ساتھ تھے، جن پر خزانہ لدا ہوا تھا اور وہ بوجھ تلے ہانپ رہے تھے۔

ایک ہندو مؤرخ کے بقول جے چند والیٔ قنوج کو شکست دینے کے بعد سلطان محمد غوری ہندوستان کے سیاسی اور مذہبی مرکز یعنی قنوج اور بنارس کا بھی فرمانروا ہو گیا تھا۔

سلطان بہت سے مالِ غنیمت کے ساتھ اپنے دار الخلافہ غزنی کی طرف روانہ ہوا تو ملک قطب الدین ایبک کو بدستور دہلی ہی میں رہنے دیا۔

باب ۱۲

ایک عجیب و غریب انسان

ملک قطب الدین ایبک جب ادھر مصروفِ پیکار تھا تو اس کا ایک سردار اختیار الدین محمد بن بختیار خلجی بہار اور بنگال کی تسخیر کا منصوبہ بنا رہا تھا۔ جلد ہی یہ خبر آئی کہ بختیار خلجی نے بہار پر قبضہ کر لیا ہے۔ اس کے کچھ عرصہ بعد جب دہلی کے گلی کوچوں میں یہ مشہور ہوا کہ اختیار الدین محمد بن بختیار خلجی نے محض اٹھارہ گھوڑ سواروں کے ساتھ بنگال کے دو دار الحکومتوں میں سے ایک ناڈیا یا ندیا پر قبضہ کر لیا ہے تو یہ قصہ راجکماری رتن بائی کے کانوں تک بھی پہنچا اور اس نے سکینہ سے دریافت کیا کہ یہ اختیار الدین محمد بن بختیار خلجی کون ہے؟ لیکن سکینہ خود اس کے مفصّل حالات سے ناواقف تھی۔ اُسے صرف یہ معلوم تھا کہ ملک قطب الدین ایبک والیٔ دہلی نے بختیار خلجی کو اس کی کامیابی پر مبارکباد بھی دی ہے اور اس کے لئے ایک بیش قیمت خلعت بھی بھیجی ہے۔ بختیار خلجی کے بارے میں اسے مزید یہ علم تھا کہ وہ اٹھارہ گھوڑ سواروں کے ساتھ شہر ناڈیا میں داخل ہوا تھا تو اہلِ شہر نے یہ گمان کیا تھا کہ وہ گھوڑوں کا سوداگر ہے اور تجارت کی غرض سے آیا ہے۔ اس طرح وہ راجہ بنگال کے محل کے صدر دروازے تک پہنچ گیا تھا۔ راجہ کو جب شکست ہوئی تھی تو اس کا سارا خزانہ، ساری بیویاں کنیزیں، خدّام اور عورتیں حملہ آور کے قبضہ میں آ گئی تھیں اور جب بختیار خلجی کی اصل فوج پہنچی تھی تو سارا شہر اس کا مطیع ہو گیا تھا۔

راجکماری نے سکینہ سے کہا کہ وہ بختیار خلجی کے مفصّل حالات معلوم کر کے اُسے بتائے۔ سکینہ نے خواجہ سراؤں کی معرفت بختیار کے مفصّل حالات معلوم کئے اور ایک روز راجکماری کو ان حالات سے مطلع کرنے کے لئے بولی :۔

"اختیار الدین محمد بن بختیار خلجی ہندوستان میں بادشاہِ اسلام سلطان محمد غوری کے نمائندے ملک قطب الدین ایبک کا ایک سردار ہے۔ ابتدا میں یہ ایک نہایت معمولی انسان تھا۔ اس نے گزر بسر کے لئے سب سے پہلے غزنی میں سپاہی بھرتی ہونا چاہا، مگر اُسے بھرتی کے ناقابل قرار دے کر مسترد کر دیا گیا۔ وہ غزنی سے مایوس و نامراد دہلی آگیا۔ مگر دہلی میں بھی اسے فوج میں بھرتی ہونے میں ناکامی ہوئی اور وہ بدایوں کی طرف روانہ ہو گیا۔ اس مرحلہ پر اُسے اسلامی حکومت کی مشرقی سرحد پر بہت تھوڑی سی زمین دے دی گئی۔ چونکہ مہم جوئی محمد بن بختیار خلجی کی سرشت میں داخل تھی۔ اس لئے اس نے اپنے طور پر کچھ سوار بھرتی کر لئے اور ان کے سردار کی حیثیت سے بڑی بڑی باتیں سوچنے میں محو ہو گیا۔"

"کیا باتیں سوچنے میں محو ہوا؟" ——— راجکماری نے سوال کیا۔

اس کے جواب میں سکینہ بولی ——— "راجکماری جی وہ چونکہ ایک جواں مرد اور عالی ہمت انسان تھا۔ اس لئے تاج و تخت کے سوا کسی دوسری سوچ کو اپنے قریب نہ پھٹکنے دیتا تھا۔ ۱۱۹۷ء میں محمد بن بختیار خلجی دو سو سواروں کو اپنے ہمراہ لے کر بہار پر حملہ آور ہوا اور قلیل سے عرصہ میں سارے علاقے پر قبضہ کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ ان ایّام میں ملک قطب الدین ایبک، سلطان محمد غوری کی طرف سے ہندوستان میں اس کا نائب السلطنت تھا۔ اُسے محمد بن بختیار کے اس بے نظیر کارنامے کی خبر ہوئی، تو اُس نے بختیار خلجی کو ایک اعلیٰ درجے کا خلعت عطا کیا اور ساتھ ہی اُسے اُس کے فتح کئے ہوئے علاقہ کی حکومت بھی سونپ دی۔

اب محمد بن بختیار خلجی کو اپنی شجاعت و بہادری کے جوہر نمایاں کرنے کا پورا پورا موقع مل گیا۔۔۔۔ اس نے ایک فوج ترتیب دی اور بنگال کے راجہ رائے لکشمن سین کی راج دھانی ندیا پر حملہ کرنے کے لئے روانہ ہوا۔ اس کی بہادری اور شجاعت کی شہرت اس حصّۂ ملک کے دُور دراز گوشوں تک پہلے ہی پہنچی ہوئی تھی، وہ ندیا پر حملہ آور ہونے کے لئے اس برق رفتاری سے روانہ ہوا کہ فوج اس کا ساتھ نہ دے سکی اور وہ صرف اٹھارہ آدمیوں کے ساتھ ندیا کے قلعے کے دروازے پر جا پہنچا۔ اس نے اپنی فوج کا انتظار کرنے کی بجائے حملہ کرنے کو ترجیح دی اور قلعے کے دروازے پر حفاظت کے لئے مامور پہرہ داروں پر حملہ آور ہو گیا۔ وہ سمجھتا تھا کہ اس کے ہمراہیوں کی قلیل تعداد پر کوئی غور نہ کرے گا بلکہ سبھی یہ خیال کریں گے کہ حملہ آور کے ساتھ بڑی بھاری فوج ہے اس لئے وہ بلا خوف و خطر قلعے پر حملہ آور ہو گیا ہے۔ بختیار خلجی کے اس خیال کی صداقت ثابت ہو گئی۔"

راجکماری نے اس کی بات کاٹ کر کہا ——— "ابھی تم نے بتایا تھا کہ شہر کے لوگوں نے اُسے گھوڑوں کا سوداگر سمجھا تھا۔"

سکینہ نے اس کے جواب میں کہا ——— "ہاں بی بی! شہریوں نے اسے گھوڑوں کا سوداگر سمجھا تھا، لیکن اہلِ قلعہ نے یہی سمجھا کہ اس کے ساتھ بھاری فوج ہے" ——— سکینہ نے کہا اور پھر اپنی بات جاری رکھی ——— وہ بولی :۔

"راجا رائے لکشمن سین اس وقت کھانا کھانے میں مصروف تھا، اُس نے کھانا کھاتے ہوئے باہر سے لوگوں کی چیخ و پکار سُنی تو حواس باختہ ہو گیا اور اسی عالم میں محل کے عقبی دروازے سے ننگے پاؤں بھاگ نکلا اور سُنار گاؤں[1] پہنچ کر رُکا۔ سُنار گاؤں ایک بڑا اور مشہور شہر تھا۔ راجا رائے لکشمن سین کی اس پہلی شکست نے اسے اس

[1] سُنار گاؤں آج کے ڈھاکہ شہر سے لگ بھگ تیرہ میل دُور تھا۔

قدر مایوس کیا تھا کہ پھر وہ کہیں بھی جم کر لڑ نہ سکا تھا۔ نتیجہ میں نہایت قلیل عرصہ میں محمد بن بختیار خلجی کا بہار کی طرح سارے بنگال پر قبضہ ہو گیا۔"

سکینہ قدرے رک کر پھر بولی ——— "ملک قطب الدین ایبک کا سردار اختیار الدین محمد بن بختیار خلجی ایک عجیب و غریب انسان ہے۔ وہ سیدھا کھڑا ہو تو اس کے ہاتھ گھٹنوں تک پہنچتے ہیں۔ اس کے لمبے ہاتھ بہار اور بنگال کو اپنے قبضہ میں لے چکے تو اس کا حوصلہ اس قدر بڑھ گیا کہ اس نے تسخیر تبت کا منصوبہ بنایا اور ہمالیہ کے اُس پار تبت پر چڑھائی کر دی۔ اس کے ساتھ دس ہزار گھوڑ سوار تھے۔ وہ اُس نئی مہم پر نکلا تو راجہ کامروپ والیٔ آسام سے ایک یہ معاہدہ کر چکا تھا کہ راجہ محمد بن بختیار خلجی کو تبت کی مہم کے دوران مفید مشورے دے گا اور اس کی راہ روکنے کی کوشش نہیں کرے گا، اس مہم کے راستہ میں ایک دریا تھا جس سے گزرنے کے لئے بختیار خلجی نے پتھروں کا ایک پُل تعمیر کرایا۔ پھر ایک دستہ فوج اس پُل کی حفاظت کے لئے متعین کیا اور دریا کو عبور کر کے تبت کی طرف روانہ ہوا۔ یہ بات کوئی شخص حتمی طور پر نہیں بتاتا کہ وہ اپنی اس مہم کے آغاز میں کس سمت سے تبت کے کس حصّے کی طرف بڑھا تھا۔ پندرہ روز کی مسافت کے بعد اس نے خود کو ایک قلعہ کے سامنے پہنچا دیا۔ یہ قلعہ ایک میدانی علاقے میں واقع تھا جہاں گنجان آبادی موجود تھی اور سارے علاقہ میں گُندھ کھیتی باڑی ہوتی تھی۔ خلجی نے حملہ کیا تو قلعہ والوں کے ساتھ شہر والے بھی مقابلہ پر آ گئے۔ گو خلجی نے تمام دن ڈٹ کر مقابلہ کیا مگر اُسے بھاری نقصان پہنچا اور آخر کار اُسے پسپائی اختیار کرنی پڑی۔ وہ پسپا ہو کر لوٹا تو اُس نے دیکھا کہ مقامی باشندے سڑکوں کو بُری طرح برباد کر چکے تھے اور سڑکوں پر ایسی رکاوٹیں کھڑی کر چکے تھے کہ وہ آمد و رفت کے ناقابل ہو چکی تھیں۔ لوگوں نے اپنی کھیتیاں تک جلا ڈالی تھیں تاکہ خلجی کی فوج کو جانوروں کے لئے چارہ اور اپنے لئے

ایندھن دستیاب نہ ہو۔ اس صورت احوال کے تحت خلجی کی فوج کو مجبوراً گھوڑوں کے گوشت سے پیٹ بھرنا پڑا۔

"اختیار الدین محمد بن بختیار خلجی نے آتی بار راستہ میں پتھروں سے جو پُل بنایا تھا، واپسی کے موقع پر اُس نے اُس پُل کے اوپر سے اپنی فوج کو گزارنے کا منصوبہ ترتیب دے رکھا تھا۔ وہ اُس پُل کے قریب پہنچا تو دیکھا کہ وہ پُل بھی تباہ ہو چکا ہے اور فوج کو دریا پار جانے کے لئے کشتیاں میسّر نہیں ہیں۔ اس موقع پر ستم ظریفی یہ ہوئی کہ آسام کے ہندو راجہ کامروپ نے اپنے اور خلجی کے مابین ہوئے معاہدے کی دھجیاں بکھیر دیں اور پسپا ہونے والی فوج پر دھاوا بول دیا۔ خلجی کے لشکری ڈٹ کر لڑتے رہے لیکن کثیر تعداد ہندو فوج نے انتہائی قلیل لشکرِ اسلام کی کوئی پیش نہ چلنے دی اور خلجی کے سپاہیوں کو دریا میں دھکیل دیا۔ اختیار الدین محمد بن بختیار خلجی ایک انتہائی سخت جان آدمی تھا۔ وہ گرتا پڑتا لگ بھگ سو سواروں کی معیت میں زندہ و سلامت لکھنوتی پہنچ ہی گیا۔ اس کی فوج تہس نہس ہو گئی تھی۔"

"وہ لکھنوتی پہنچا تو کل کا فاتح آج کے شکست خوردہ انسان کی حیثیت اختیار کر چکا تھا۔ وہ لکھنوتی کے گلی کوچوں سے گزرا تو اُس نے کسی سے آنکھیں چار نہ کیں کیونکہ ہر گلی کوچے میں رہنے والوں کی بیوگان اور کُنبہ کے دوسرے افراد اُسے لعن طعن کر رہے تھے۔"

یہ کہہ کر سکینہ خاموش ہوئی تو راجکماری رتن بائی بختیار خلجی کے حالاتِ زندگی سُن کر بہت متاثر ہوئی اور بولی ——— "کیا بختیار خلجی کا کسی شاہی خاندان سے تعلق ہے؟ وہ کس بادشاہ کا بیٹا یا پوتا ہے؟"

سکینہ نے جواب دیا ——— "جیسا کہ میں بتا چکی ہوں، وہ ایک معمولی انسان ہے۔ اس کا کسی شاہی خاندان سے کوئی تعلق نہیں، نہ وہ کسی بادشاہ کا بیٹا یا پوتا ہے۔ بختیار خلجی تو خیر ایک معمولی انسان ہے۔ دینِ اسلام نے غلاموں تک کو تاجِ شاہی

پہنا دیئے ہیں۔ ہمارے سپہ سالار اعظم لشکرِ اسلام ہند ملک قطب الدین ایبک ایک غلام ہیں جنہیں اُن کے آقا سلطان محمد غوری نے ایک سوداگر سے خریدا تھا۔ یہ اسلام ہی کی برکت ہے کہ ایک مسلمان غلام ہندوستان کا سب سے بڑا حاکم بن گیا ہے اور درجنوں ہندو راجاؤں کو میدانِ کارزار میں شکستِ فاش دے کر اپنا مطیع بنا چکا ہے۔"

"سُنا ہے قطب الدین ایک انصاف پسند حاکم ہے اور اپنی رعایا کی مشکلات کو دُور کرنے کے لئے ہر لمحہ آمادہ رہتا ہے" ——— راجکماری نے کہا۔

سکینہ بولی ——— "ملک قطب الدین ایبک واقعی ایک انسان دوست، انصاف پسند حاکم ہے۔ سُنا ہے کہ وہ ایک بار سوار ہو کر باہر جا رہا تھا کہ ایک آدمی سامنے آیا اور اس کے گھوڑے کی باگ پکڑ کر اسے روکنے کے بعد بولا کہ جب تک تم میرا انصاف نہ کرو گے میں تمہیں تمہاری جگہ سے جنبش تک نہ کرنے دوں گا۔ یہ سُن کر قطب الدین ایبک نے اُسی وقت اُسی جگہ قاضی کو طلب کر لیا۔ قاضی آگیا تو ایبک نے کھڑے کھڑے اپنے سامنے فریادی کا فیصلہ کروا کر اُس کی دادرسی کر دی تو آگے روانہ ہوا۔"

"سُنا ہے قطب الدین ایبک عادات و خصائل کے لحاظ سے بھی ایک اچھا آدمی ہے کیا یہ بات سچ ہے"؟ ——— راجکماری نے دوسرا سوال کیا۔

سکینہ اس کے جواب میں بولی ——— "آپ نے جو کچھ سُنا ہے وہ واقعی درست ہے۔ ہندوستان کا سب سے بڑا حاکم ہونے کے باوجود اُس نے سادگی اور عام لوگوں سے بے تکلفی کو فراموش نہیں کیا۔ اسے دہلی اور لاہور وغیرہ شہروں میں جن لوگوں کے بیمار ہونے کی اطلاع مل جائے، وہ خواہ امیر ہو یا غریب، وہ سب کی مزاج پرسی کرنے کے لئے ان کے گھروں میں جاتا ہے۔ کوئی مر جائے تو اس کے جنازے کی نماز وہ خود پڑھاتا اور میّت کے دفنانے میں بھی شرکت کرتا ہے۔ وہ اپنے ہر ملاقاتی سے وہ امیر ہو یا غریب، بے تکلّف ملاقات کرتا ہے اور اُس تک جو شکایت پہنچ جائے وہ اُس

پر خود پوری پوری توجہ کر دیتا ہے اور انصاف کا کوئی تقاضا پورا کرنے میں کسی چھوٹے بڑے، طاقتور اور کمزور میں کوئی فرق نہیں رکھتا۔ اس کی رحمدلی کا یہ عالم ہے کہ اس کا جانی دشمن بھی اُس کے پاس آجائے تو وہ اُسے خوشی سے معاف کر دیتا ہے اور اس کی سخاوت تو یہاں تک پہنچی ہوئی ہے کہ لوگ اُسے "لکھ داتا" کے خطاب سے یاد کرتے ہیں، وہ علماء و فضلاء کا بھی بڑا قدردان ہے۔ اُن کے ساتھ بڑے ادب و احترام کے ساتھ پیش آتا ہے اور متعدد عالموں کو تو اس نے اپنے دربار کی زینت بنا رکھا ہے اور ان پر اپنی عنایات کی مسلسل بارش کرتا رہتا ہے۔ حُسن النظامی اور فخر الدین جیسے عظیم صاحبِ قلم اُس کی سرپرستی میں عظمت کی انتہائی بلندیوں پر پہنچے ہوئے ہیں، وہ اپنی مملکت میں امن و امان کے قیام نیز رعایا کی فلاح و بہبود کی خاطر کوئی دقیقہ نہیں اٹھا رکھتا۔ اُس نے اسلام کے مفاد کی خاطر قابلِ قدر خدمات سرانجام دی ہیں اور اس کے احکامات کی تعمیل میں اسلامی اصولوں کی خوب خوب اشاعت عمل میں لائی گئی ہے۔ اس نے ایک مسجد کی تعمیر اجمیر میں اور دوسری کی دہلی میں شروع کرا رکھی ہے۔ وہ ایک عظیم عسکری رہنما بھی ہے۔ اس نے بہت سی جنگوں میں فتوحات حاصل کی ہیں اور اسے اب تک کسی جنگ میں شکست نہیں ہوئی، مختصر الفاظ میں یوں سمجھ لیں کہ ملک قطب الدین ایبک ایک عظیم انسان ہے، اس کی ذات میں جو خوبیاں بھری ہوئی ہیں، ان کا مفصل ذکر پھر کبھی کروں گی۔"

یہ کہہ کر سکینہ خاموش ہو گئی تو راجکماری رتن بائی نے اُس کا شکریہ ادا کیا کہ اس نے اُسے بڑی معلومات فراہم کی ہیں۔

———

باب ۱۳

راجکماری کی بے قراری اور فرار

راجکماری رتن بائی کو ملک قطب الدین ایبک کے نئے دار الحکومت اندر پرستھ سے ملحق سردار کمال الدین سمرقندی کے قصر میں آئے پورا ایک ماہ گزر چکا ہے اور اس مدّت کے دوران چار پانچ روز کے علاوہ اُس کی حالت یہ رہی ہے کہ وہ سارا دن اپنے کمرے میں منہ لپیٹے پڑی رہتی ہے۔ سکینہ کے پر زور اصرار پر اگر کبھی وہ اُٹھ کر ٹہلتی ہوئی پائیں۔ باغ تک جاتی بھی ہے تو کچھ دیر باغ میں گھومنے کے بعد پہلے کی طرح اُداس اُداس کمرے میں چلی آتی ہے۔ اب اُس کے مزاج میں نہ تو وہ پہلے کی سی شگفتگی ہے اور نہ چہرے پر وہ تازگی ہے، اُسے سکینہ سے بہت پیار تھا۔ میرٹھ میں قیام کے دوران اُس کو سکینہ کے بغیر چین نہ آتا تھا۔ وہ بڑی دلچسپی اور محبت کے ساتھ پہروں اُس سے باتوں میں مصروف رہا کرتی تھی۔ مگر اب وہی سکینہ ہے کہ گھنٹوں اُس کے قریب بیٹھی رہتی ہے اور راجکماری اپنے خیالوں میں اس حد تک کھوئی رہتی ہے کہ اُسے یہ بھی معلوم نہیں ہوتا کہ اس کے قریب کون بیٹھا ہے۔ اگر سکینہ خود کوئی بات شروع کر کے اُس کی توجہ اپنی طرف مبذول کراتی ہے تو وہ مجبوراً بڑی بے دلی سے دو چار جملے کہہ کر خاموش ہو جاتی ہے اور پھر دوبارہ اُس سے بیگانہ سی ہو جاتی ہے۔ راجکماری کی یہ کیفیت دیکھ کر سکینہ سخت پریشان ہے اور یہ سوچتی ہے کہ خدانخواستہ اگر راجکماری کی یہی حالت رہی تو اس کا

امکان ہے کہ وہ دیوانی ہو جائے یا پھر اپنی زندگی ہی سے محروم ہو جائے۔ سکینہ نے بارہا جرأت کر کے راجکماری سے اُس کی پریشانی اور درماندگی کا سبب پوچھا ہے مگر راجکماری نے ہمیشہ یہ کہہ کر ٹال دیا ہے کہ کوئی بات نہیں ہے۔ صرف یہ ہوا ہے کہ میں چونکہ نئی جگہ آئی ہوں اس لئے اُداس ہوں، پھر تمہارے آقا سردار کمال الدین سمرقندی کا یہ قصر اندر پرستھ کی آبادی سے قدرے ہٹ کر الگ تھلگ جگہ واقع ہے، اس لئے مجھے یہ جگہ اجاڑ جاڑ اور بے رونق سی محسوس ہوتی ہے اور میرا جی گھبرانے لگتا ہے۔ تم میری اداسی کا خیال نہ کرو، آہستہ آہستہ اس جگہ کا قیام میری اداسی کا خاتمہ کر دے گا۔

بات دراصل یہ تھی کہ اوّل تو راجکماری فطرتاً شرمیلی تھی۔ دوسرے وہ سکینہ کا بہت ادب و احترام کرتی تھی۔ سکینہ چونکہ ایک سنجیدہ اور باوقار خاتون ہے اور اس کے شفقت آمیز اور متانت سے بھرپور برتاؤ نے راجکماری کو شگفتہ مزاجی کی حد سے زیادہ اس کے ساتھ بے تکلّف ہونے کی اجازت نہیں دی۔ اس لئے یہ کسی طرح ممکن نہ تھا کہ راجکماری کھُل کر اپنی دلی بے چینی کا حال اسے سُنا دیتی۔ اس کے برعکس حقیقت یہ تھی کہ سکینہ کو راجکماری کی اداسی اور بے چینی کے راز کا علم تھا۔ مگر وہ خود اس راز کو افشا کرنا پسند نہ کرتی تھی، جس کا نتیجہ یہ برآمد ہوا تھا کہ راجکماری کی حالت روز بروز خراب ہوتی جا رہی تھی، وہ اپنے دل کا حال کسی سے بیان کر کے اپنے دُکھ درد کو بہلانے سے قاصر تھی۔ اس لئے دل ہی دل میں گھُٹ گھُٹ کر اپنی حالت کو خراب سے خراب تر کرتی جا رہی تھی۔ یوں تو وہ ہر وقت اُداس اور غمگین رہتی تھی، مگر آج شام ہی سے اس کی بے قراری شباب پر پہنچی ہوئی تھی۔ جب رات ہو گئی اور سب سو گئے تو وہ بیدار تھی اور دل بہلانے کے لئے اپنی مسہری پر بیٹھی پہلو کی کھڑکی سے اِدھر اُدھر دیکھ رہی تھی۔ کافی دُور آبادی میں بعض گھروں میں تو روشنی نظر آتی تھی لیکن بیشتر علاقے پر تاریکی چھائی ہوئی تھی۔ درختوں کے جھُنڈ دُور سے سیاہ ہی نظر آتے تھے۔ شب کے سنّاٹے میں ماحول پر وحشت برستی محسوس ہوتی تھی،

گاہے گاہے ہوا کے جھونکے دُور کے درختوں کو حرکت دیتے تھے تو منظر خوفناک بن جاتا تھا۔ کیونکہ ابھی تک جو خوفناک سیاہ سیاہ شکلیں بے حس و حرکت دکھائی دیتی تھیں۔ اب گویا ان میں جان پڑ جاتی تھی۔ جب یہ وحشت انگیز نظارہ راجکماری کے دل پر اثر انداز ہونے لگتا ہے تو وہ اُدھر سے منہ پھیر کر اپنے اسی حسین و جمیل تصوّر میں کھو جاتی ہے۔ جس میں ہمیشہ غرق رہتی ہے۔ اس کی مسہری کے قریب سکینہ بھی ایک پلنگڑی پر گہری نیند میں ڈوبی ہوئی ہے۔ راجکماری حسرت سے اُسے دیکھتی ہے اور دل میں کہتی ہے کہ ایک میں ہوں کہ شام سے اب تک بے قراری کے عالم میں جاگ رہی ہوں اور ایک یہ ہیں کہ ان کا دن بھی آرام و سکون سے گزرتا ہے اور رات بھی خوابِ خرگوش کے مزے لیتے ہوئے بسر ہوتی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کو اپنے دل پر اختیار ہے جبکہ میں اپنے دل کے اختیار میں ہوں۔ آہ یہ میرا دل ہی تو ہے جس نے مجھے کہیں کا نہیں رکھا۔ مجھے کیا علم تھا کہ میرا دل ہی میرے ساتھ یہ سلوک کرے گا۔ کاش میرے دل کو میری جوانی پر رحم آجائے اور یہ مجھے چار روزہ زندگی چین سے بسر کرنے دے۔ آہ! یہ میرا دل ہی ظالم ہے جو مجھ خانماں برباد کی مصیبتوں کا سبب بنا ہوا ہے۔ اسی طرح دل سے باتیں کرتے ہوئے یکایک راجکماری کے رنج و غم اور اضطراب میں اس قدر اضافہ ہو گیا کہ بے ساختہ اس نے ایک آہ کھینچی اور زار و قطار رونے لگی۔ اس نے طبیعت کو سنبھالنے کی بڑی کوشش کی لیکن ناکام رہی۔ جب اس کی بے قراری میں کسی طرح کمی نہ ہوئی تو اس خیال کے تحت کہ قریب سوئی سکینہ جاگ جائے گی اور مجھے اس حالت میں دیکھے گی تو سخت ندامت ہوگی۔ اُس نے چاہا کہ شمع کو گل کر دے۔ مگر وہ جوں ہی مسہری سے اُتر کر کھڑی ہوئی یکبارگی اس کی آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا گیا۔ اُسے چکر آیا اور وہ غش کھا کر زمین پر گر پڑی۔ اس کے ساتھ ہی اُس کے گرنے کی دھڑم سے آواز آئی تو فوراً سکینہ بیدار ہو گئی۔ اس نے راجکماری کو زمین پر گرے دیکھا تو اس کے ہاتھ پاؤں پھول

گئے۔ پھر ایک لمحہ بعد اس نے جلدی سے تکیہ اٹھا کر راجکماری کے سر کے نیچے رکھا اور حیرت سے اس کے چہرے کو دیکھا۔ وہ گھبرا کر چاہتی تھی کہ بلند آواز سے کسی کو پکارے، مگر پھر خود ہی کچھ سوچنے کے بعد خاموش رہی اور فوراً گلاب کا کنٹر اٹھا کر اس کے چہرے پر چھینٹے دینے لگی۔ ساتھ ہی اُس نے تھوڑا سا گلاب پنکھے پر چھڑکا اور پنکھے سے راجکماری کو ہولے ہولے ہوا دینے لگی۔ پنکھا جھلتے ہوئے سکینہ آہستہ آہستہ قرآن پاک کی مختلف آیات کا وِرد کرتی رہی اور راجکماری پر دم کرتی رہی۔ کچھ دیر بعد راجکماری کو قدرے ہوش آیا اور اس کی آنکھیں کھل گئیں۔ اس کے چہرے پر اس قدر ضعف طاری تھا کہ برسوں کی بیمار معلوم ہوتی تھی۔ ہوش میں آتے ہی راجکماری نے چاہا کہ اُٹھ کر بیٹھے۔ اس خیال سے اس نے بڑی دھیمی آواز میں سکینہ سے کہا کہ اُسے ذرا سنبھالے تو وہ اپنی مسہری پر جا بیٹھے، کیونکہ اس وقت اس میں خود اٹھ کھڑے ہونے کی طاقت نہیں ہے۔

سکینہ نے فوراً کہا ——— "آپ کچھ دیر یہیں آرام سے لیٹی رہیں، جب طبیعت ذرا سنبھل جائے تو اٹھنے کا ارادہ کریں۔"

راجکماری نے جواب کہا ——— "میں چاہتی ہوں کہ مجھے کوئی اس حالت میں نہ دیکھے اس لئے مجھے اٹھا کر میری مسہری پر پہنچا دو۔"

سکینہ بولی ——— "افسوس صد افسوس! تمہاری دل کی لگی نے تمہیں اس درجہ کو پہنچایا ہے۔ پتہ نہیں آگے کیا ہوگا ——— تمہیں یوں گھُٹ گھُٹ کر اپنی جان نہ دینی چاہیئے، میں کئی روز سے تمہاری یہ حالت دیکھ کر حیران و پریشان ہوں کہ کیا کروں اور کیا نہ کروں۔"

راجکماری نے سکینہ کے منہ سے یہ جملے سُنے تو شرم سے نظریں جھکا لیں۔ پھر ضبط نہ کر سکی اور کسی اضطراری حرکت کے تحت اُٹھ کر سکینہ کے گلے سے لپٹ کر رونے لگی۔ سکینہ خود ایک رقیق القلب عورت تھی۔ راجکماری کی اس حالت سے اس کا دل بھی بھر آیا، لیکن

وہ اپنے آنسوؤں کو پی کر بولی :۔

"بہن ! تم خود کو کیوں ہلاک کر رہی ہو، اپنی جوانی پر رحم کھاؤ اور اپنے دل کو سنبھالو، جان ہے تو جہان ہے ۔ اس کے علاوہ میرے خیال میں تو اس قدر پریشانی اور رنج و غم کی کوئی وجہ نہیں ہے ۔ دہلی میں چند روزہ قیام کے بعد جہاں تم پسند کرو گی، وہیں تمہارا قیام ہوگا، اللہ جانے تم کن توہمات کا شکار ہو اور تم نے خواہ مخواہ اپنی زندگی کو کیوں تلخ بنا رکھا ہے"۔

"آہ بہن ! جس پر گزرتی ہے وہی اس سے بخوبی واقف ہوتا ہے" ——— راجکماری نے کہا ——— "اپنے دکھ درد سے صرف میں ہی واقف ہوں"۔

"آخر مجھے بھی تو پتہ چلے" ——— سکینہ نے کہا ——— "کہ کس بات نے میری بہن کو غمزدہ کر رکھا ہے"؟

"خیر میں تم ہی پر چھوڑتی ہوں" ——— راجکماری نے کہا ——— "خود ہی انصاف کرو کہ آخر مجھے یہاں دہلی میں کیوں رکھا گیا ہے ۔ افسوس ! میں نے اپنی ناسمجھی کے تحت اپنا دلی راز ظاہر کر دیا تھا اور اپنی سادہ لوحی سے دھوکہ کھا گئی ہوں ۔ نہ میں اپنی زبان سے اپنی محبت کا اظہار کرتی اور نہ کسی کی نظروں سے گر جاتی ۔ اب ساری عمر اسی بے قراری کی کیفیت میں بسر ہوگی"۔

"بہن ! میری بات کا برا نہ مان جانا" ——— سکینہ نے کہا ——— "اب کسی کے ساتھ بھلائی کرنے کا زمانہ نہیں رہا ۔ ذرا غور تو کرو کہ تمہاری قوم نے مسلمانوں سے بار بار بدعہدی کی ہے، نہتے پُرامن مسلمان شہریوں کو قتل کیا ہے، قید میں ڈالا ہے، عورتوں اور بچوں تک کو معاف نہیں کیا ۔ مگر اس کے باوجود جب تم ایک قیدی کی حیثیت سے یہاں لائی گئیں، تو تمہاری عزت و آبرو کو کس طرح تحفظ دیا گیا ۔ تمہارا ادب و احترام کیا گیا ۔ شہزادیوں کی مانند تمہاری قدر کی گئی ۔ تمہارے لئے راحت و سکون کے

سارے سامان فراہم کئے گئے ۔ لونڈیوں اور غلاموں کو تمہاری خدمت کے لئے مقرر کیا گیا ۔ حتیٰ کہ تمہیں یہ اختیار بھی دیا گیا کہ تم چاہو تو اپنے ملک و قوم میں چلی جاؤ اور پسند کرو تو یہاں رہو، تم اپنی پسند اور مرضی سے یہاں رہی ہو اور اب اس احسان اور ہمدردی کا یہ صلہ دے رہی ہو کہ اپنے ساتھ انتہائی شریفانہ سلوک کرنے والے کو مکّار اور فریبی قرار دے رہی ہو ۔ اب میں بڑے احترام کے ساتھ تم سے پوچھتی ہوں کہ تم ہی انصاف سے کہو کہ تمہارے ساتھ مکر و فریب کرنے کی ضرورت ہی کیا تھی ۔ تم مسلمانوں کے قبضہ میں تھیں، تم پر انہیں اختیار حاصل تھا ۔ ایسی صورت میں ان کو تمہیں دھوکہ دینے یا تمہاری خوشامد کرنے کی کیا ضرورت تھی، میری اس وقت کی سچی باتیں تمہیں بُری معلوم ہوں گی، مگر میں سچ کہہ رہی ہوں کہ اس وقت تو میں تمہاری شکی طبیعت سے سخت خوفزدہ ہوگئی ہوں، خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ جب تم اس قدر بدگمان ہو کہ تمہارا دل بدگمانیوں سے بھرپور رہے تو کوئی تم سے اچھی توقعات کیسے وابستہ کر سکتا ہے"۔

راجکماری نے سکینہ کے گلے میں باہیں ڈال کر کہا ——— "میری عزیز بہن ! میری باتوں کا بُرا نہ مانو، مجھے اپنے دل پر اختیار نہیں رہا ۔ اللہ جانے مجھے جنون ہوگیا ہے یا کیا ہوا ہے، مجھے بار بار یہی خیال آتا ہے کہ آخر مجھے یہاں کیوں پھینک دیا گیا ہے ۔ میں لاکھ اپنے دل کو سمجھاتی ہوں مگر ۔ ۔ ۔ ۔"

"مجھے تمہاری خوشامد کرنی ہوتو میں یہی کہوں کہ یہ بات نہیں ہے" ——— سکینہ نے کہا ——— "مگر میں دل سے تمہیں اپنی بہن مان چکی ہوں اس لئے تمہاری خوشامد کرنے کی بجائے تمہیں سچی بات کہوں گی ۔ سچی بات یہی ہے کہ تمہاری جو کیفیت ہے اُس سے تو یہی ظاہر ہوتا ہے کہ تم میں جنون کے آثار پیدا ہوگئے ہیں ۔ بھلا تم ہی انصاف سے بتاؤ کہ اگر کسی مصلحت کے تحت تمہیں دہلی بھیجا گیا ہے تو اس میں کیا

حرج ہے۔ میرٹھ میں چونکہ زیادہ مسلمان فوج نہ تھی، اس لئے اگر تمہارے قیام کے لئے دہلی کو منتخب کیا گیا ہے تو یہ بھی تو ان ہی کا گھر ہے، جس میں تم رہ رہی ہو۔ اگر تم یہ کہو کہ سردار کمال الدین سمرقندی تمہارے ہمراہ دہلی کیوں نہیں آئے تو مجھے خوب اچھی طرح یاد ہے کہ انہوں نے بتایا کہ سلطان غازی محمد غوری غزنی سے منزلیں مارتے ہوئے دہلی تشریف لا رہے ہیں، جہاں سے ہوتے ہوئے وہ قنوج پر حملہ کریں گے، اس لئے ملک قطب الدین ایبک نے انہیں لاہور اس پیغام کے ساتھ بھیجا تھا کہ صوبیدار لاہور اپنی فوج کے ساتھ دہلی پہنچ جائے، سو سردار کمال کو لاہور جانا تھا، اس لئے وہ تمہارے ساتھ دہلی نہیں آئے۔"

راجکماری نے سکینہ کی بات کاٹ کر کہا ——— "چلو یہ تو ٹھیک ہے، لیکن آپ کے سردار کمال نے یہ کیا غضب ڈھایا کہ لاہور سے دہلی بھی آئے، لیکن مجھ سے ملاقات تک نہیں کی اور پھر سلطان محمد غوری کے لشکر کے ساتھ قنوج چلے گئے ——— پھر قنوج کی فتح کے بعد انہیں دہلی واپس لوٹنا چاہیئے تھا لیکن وہ آج تک دہلی نہیں لوٹے حالانکہ قنوج کی فتح کو کافی دن گذر چکے ہیں۔"

سکینہ بولی ——— "اچھا تو تم اس غلط فہمی میں مبتلا ہو۔ لو میں تمہاری غلط فہمی دُور کرتی ہوں۔ بہن ہوا یہ تھا کہ سردار کمال لاہور پہنچے تو صوبیدار لاہور نے کہا کہ وہ خود دو چار روز بعد دہلی روانہ ہو جائے گا، اس لئے سردار کمال اس کے ساتھ ہی دہلی چلیں۔ پھر جب صوبیدار لاہور ابھی تیاریوں ہی میں مصروف تھا کہ سلطان غازی محمد غوری لاہور پہنچ گئے۔ اب صوبیدار لاہور اور سردار کمال کا فرض تھا کہ سلطان محمد غوری کے ساتھ ہی دہلی روانہ ہوں۔ اس طرح سردار کمال پہلے دہلی نہ آسکے۔ وہ سب سلطان کے ساتھ لاہور سے روانہ ہونے کے بعد دہلی سے دو منزلیں پیچھے ہی تھے تو سلطان نے سردار کمال کو اپنے ہراول دستہ کا افسر بنا کر یہ حکم دیا کہ وہ دشمن کے جاسوسوں کی نظروں سے بچتے کے لئے دہلی نہ جائیں اور دہلی کے ایک طرف سے چپ چاپ گزر جائیں اور قنوج کے

نواح میں چندر واڑہ میں ہوشیاری سے لشکرِ کفار کا جائزہ لیں، کچھ آدمی بھیس بدل کر ممکن ہو تو لشکرِ کفار میں بھی جائیں اور ساری اطلاعات کی فراہمی کے بعد سلطان غوری کو چندواڑہ سے ایک منزل پہلے ملیں تاکہ سلطان ان اطلاعات کی روشنی میں جنگی منصوبہ بندی کرے۔ یہ وہ مجبوری تھی جس کے سبب سردار کمال کو لاہور سے دہلی آنا نصیب نہیں ہوا اور وہ سلطان محمد غوری کے حکم کی تعمیل میں سیدھے چندر واڑہ پہنچے جہاں انہوں نے دشمن کے کمزور پہلوؤں کو اپنی آنکھوں سے دیکھا اور اپنے آدمیوں کو بھیس بدلوا کر دشمن کے لشکر میں بھیجنے کے بعد ایسی کارآمد باتیں معلوم کیں، جن کی سلطان غازی محمد غوری کو ضرورت تھی، اس کے بعد سلطانی حکم کے تحت سردار کمال سلطان غوری کو چندر واڑہ سے ایک منزل پہلے ملے اور اپنی کارگزاری پیش کی۔ جس پر سلطان نے اظہارِ خوشنودگی فرمایا اور سردار کمال کو اپنے ساتھ رکھا۔ حملۂ قنوج کے دوران بھی سردار کمال، سلطان غوری کے ہمراہ اس کے رسالے میں رہے۔ جہاں انہوں نے اپنی عسکری قابلیت کا شاندار مظاہرہ کیا۔ جسے سلطان محمد غوری نے بھی دیکھا اور فتح قنوج کے بعد ملک قطب الدین ایبک سے اس کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ وہ سردار کمال کی شایانِ شان قدر کریں۔"

سکینہ کی طویل گفتگو کے اس مرحلہ پر راجکماری نے ایک بار پھر اس کی بات کاٹی اور بولی ——— "یہ تو ٹھیک ہے آپ جو کہہ رہی ہیں۔ لیکن فتح قنوج کے بعد تو سردار کمال دہلی آسکتے تھے، لیکن وہ پھر بھی دہلی نہ آئے، کیوں، آخر کیوں"؟

سکینہ نے مسکرا کر کہا ——— "تمہاری یہی بے قراری ہے جو تمہیں خراب کر رہی ہے، تم میری مکمل بات تو سنتی نہیں، ہاں تو میں بتا رہی تھی کہ فتح قنوج کے بعد سلطان محمد غوری نے سردار کمال کی شجاعت کو سراہا اور پھر انسی پر حملہ کے دوران بھی سردار کمال سلطان کے ہمراہ رہے۔ بنارس پر حملہ کے دوران بھی سردار کمال سلطان کے ہم رکاب تھے۔ پھر جب ایک مرحلہ پر سلطان محمد غوری، ملک قطب الدین ایبک کو بدستور ہندوستان

میں اپنے نمائندے کی حیثیت سے چھوڑ کر غزنی کے ارادہ سے روانہ ہوئے، تو اس خواہش کا اظہار کیا کہ سردار کمال کچھ دُور تک اُن کے ساتھ چلیں اور پھر ملک قطب الدین کے پاس لوٹ آئیں۔ اب تازہ صورت احوال یہ ہے کہ سردار کمال، سلطان محمد غوری کے حکم کی تعمیل میں ان کے ہمراہ غزنی کے راستہ پر جا رہے ہیں۔ سلطان محمد غوری جب اور جہاں چاہیں گے، اپنی مرضی سے سردار کمال کو واپس لوٹنے کی اجازت دیں گے۔ اس کے بعد سردار کمال لوٹیں گے اور دہلی آئیں گے۔ اس صورت میں میرا خیال ہے کہ سردار کمال پر دہلی نہ لوٹنے کی ذمہ داری عائد نہیں کی جا سکتی۔ وہ صورتِ حال کے تقاضے کو نظر انداز نہیں کر سکتے تھے۔ نہ تو لاہور سے لوٹ کر چندر واڑہ کے نواح کی بجائے دہلی آ سکتے تھے اور نہ اس پر قادر تھے کہ فتح قنوج کے فوراً بعد دہلی لوٹ آتے۔"

"بہن سکینہ! تمہیں میرے سر کی قسم" ——— راجکماری نے کہا ——— "سچ کہو کہیں یہ سب کچھ تم میری دلجوئی کے لئے تو نہیں کہہ رہیں، کیا حقیقت یہی ہے جو ابھی ابھی تم نے بیان کی ہے"؟

سکینہ نے مسکراتے ہوئے کہا ——— "اللہ جانے میرا یہ خیال غلط ہے یا درست۔ چونکہ تم نے اپنے سر کی قسم دی ہے اس لئے میں اپنی سمجھ اور علم کے مطابق صرف یہی کہہ سکتی ہوں کہ اگر تمہارا دل صاف ہے اور تم ہمارے امیر کو خلوصِ دل سے پیار کرتی ہو تو بمصداق دل کو دل سے راہ ہوتی ہے، ہمارے امیر بھی تمہیں سچے دل سے پیار کرتے ہوں گے، اگر تمہاری محبت میں محض ظاہریت اور کھوکھلاپن ہے تو لامحالہ ہمارے امیر کی محبت بھی جھوٹی اور سطحی ہو گی۔"

راجکماری نے افسردہ ہو کر کہا ——— "خدا کے لئے مجھے نہ ستاؤ اور جو میں نے پوچھا ہے سچ سچ کہہ دو۔"

سکینہ بولی ——— "نہیں اب تم اپنے دل سے اپنے سوال کا جواب لو، میں جواب نہ دوں گی۔ بس یہی کہہ سکتی ہوں کہ اگر تم کسی کو پیار کرتی ہو تو لازماً وہ بھی تمہیں پیار کرتا ہو گا۔"

راجکماری (ناز و ادا سے) ——— "میں تو کسی سے پیار نہیں کرتی۔"

سکینہ ہنستے ہوئے بولی ——— "پھر تمہیں کسی سے کوئی شکایت نہیں ہونی چاہیئے۔"

راجکماری نے فوراً کہا ——— "شکایت تو ہو گی۔ ہمیں دُکھ درد کے حوالے کر کے آپ چین کی بانسری بجا رہے ہیں۔"

"میں اس کا جواب نہیں دے سکتی" ——— سکینہ نے کہا ——— "یہی دعا کرتی ہوں کہ تمہاری ان سے جلد ہی ملاقات ہو جائے تاکہ تم خود اُن سے دل کھول کر شکائتیں کر سکو اور دیکھو کہ وہ تمہاری شکایات کے جواب میں کیا عذر پیش کرتے ہیں۔"

"یہی تو مشکل ہے، اب ان سے ملاقات آسان نہیں" ——— راجکماری نے کہا ——— "کیونکہ قسمت کے لکھے کو کوئی نہیں مٹا سکتا۔ ہونے والی بات ہو کر رہتی ہے۔ اور ہاں میں یہ کیوں کہوں کہ تمہارے دانا و فرزانہ امیر خود بھی زندگی بھر افسوس کرتے رہیں گے۔ مگر خیر انہوں نے میرے حق میں جو کیا اچھا ہی کیا۔ خدا انہیں خوش و خرم رکھے۔ میری تو یہی دعا ہے۔"

"میں تمہارے ان جملوں کا مطلب نہیں سمجھ سکی" ——— سکینہ نے کہا ——— "ذرا صاف صاف بتاؤ کہ بات کیا ہے۔ غالباً تم اسی بات سے پریشان ہو۔"

راجکماری بولی ——— "اب میرا بتانا بے سُود ہو گا۔ جو ہو گا تم خود دیکھ لو گی۔"

سکینہ نے کہا ——— "تمہیں اللہ کی قسم ہے۔ کچھ تو بتا دو۔ بھئی یہ تو کچھ

اور یہی بات نکلی۔"

راجکماری نے آہ بھر کر کہا ——— "بات جو کچھ بھی ہے۔ میں کہتی ہوں کہ تقدیر پر کسی کا بس نہیں چلتا، تقدیر میں جو لکھا ہو، ہو کر رہتا ہے۔"

"تمہاری باتوں سے پتہ چلتا ہے کہ تم بہت مایوس ہو" ——— سکینہ نے کہا ——— "کیا تم نے خدانخواستہ دل میں کوئی دوسرا فیصلہ کر رکھا ہے۔ خدارا کہیں ایسا غضب نہ کرنا۔ میں قسمیہ کہتی ہوں کہ سردار کمال الدین کو تم سے سچّی محبت ہے۔ وہ ایک سچے اور غیّور نوجوان ہیں۔ انہوں نے تم سے جو کچھ کہا تھا سو فیصد درست تھا۔ میں یہ تو ہرگز نہ کہوں گی کہ وہ تمہاری خاطر اپنی جان تک دے سکتے ہیں۔ کیونکہ وہ ایک سچے مسلمان ہیں، جن کے مذہب میں خودکشی حرام ہے اور وہ مذہبی احکام کے بڑے پابند ہیں، وہ اپنی محبت تک کو بھی اپنے مذہبی احکامات پر ترجیح نہیں دے سکتے۔ مگر تمہاری جدائی سے یہ ہوگا کہ ان کی زندگی حرام ہو جائے گی اور اس ظلم کی جو تم اُن پر اور اپنے نفس پر کرو گی۔ تمہیں قیامت کے روز جواب دہی کرنی ہوگی۔"

"نہیں نہیں، میں انہیں کبھی فراموش نہیں کر سکتی" ——— راجکماری نے کہا ——— "اور نہ جان بوجھ کر تکلیف پہنچا سکتی ہوں۔ میں کوئی دیوانی ہوں جو ایسا کروں گی۔"

سکینہ نے پوچھا ——— "پھر تمہارے رنج و غم کی کیا وجہ ہے"؟

راجکماری بولی ——— "ابھی یہ بتانے کا موقع نہیں آیا۔ جب آیا تمہیں ضرور بتاؤں گی" ——— پھر یک لخت راجکماری نے چونک کر کہا ——— "بہن سکینہ! سنو تو یہ شور شرابا کیسا ہے جو تیز سے تیز تر ہوتا جا رہا ہے۔"

وہ دونوں اٹھ کر کھڑکی کے پاس آ کھڑی ہوتی ہیں اور کان لگا کر کچھ سننے کی کوشش کرتی ہیں لیکن کچھ سُن نہیں پاتیں۔ یہ بالائی کمرہ جس میں وہ دونوں ہیں، الگ تھلگ جگہ

واقع ہے اور آبادی سے خاصا دُور ہے۔ اسے اندر پرستھ سے ملانے والی سڑک خاصی چوڑی ہے اور اس پر چار سوار بآسانی صف باندھ کر نقل و حرکت کر سکتے ہیں۔ رات قریب الاختتام ہے۔ شور و غُل میں لحہ بہ لحہ اضافہ ہوتا جا رہا ہے اور وہ دونوں خواتین ڈر و خوف سے سہمی جا رہی ہیں۔ جب کچھ دیر تک اس شور و غل کا سبب معلوم نہ ہوا اور وہ کچھ سُننے اور دیکھنے سے قاصر رہیں تو انہوں نے کھڑکی چھوڑ دی اور کمرے میں بیٹھ کر اسی شور شرابے کے بارے میں گفتگو کرنے لگیں۔ ابھی چند ہی منٹ گزرے تھے کہ امینہ ڈری سہمی اور بدحواس ہانپتی کانپتی کمرے میں داخل ہوئی۔ راجکماری اور سکینہ اُس کی یہ حالت دیکھ کر اور زیادہ خوفزدہ ہو گئیں کہ پتہ نہیں کیا مصیبت نازل ہوئی ہے۔ امینہ نے قریب پہنچ کر بلند آواز میں کہا:۔

"حضور غضب ہو گیا۔"

"کچھ منہ سے بولو آخر کیا ہوا"؟ ——— راجکماری نے کہا۔

امینہ نے کہا ——— "حضور ہند و فوج آ گئی ہے۔"

"کیا یہ شور شرابا اسی کا ہے"؟ ——— راجکماری نے استفسار کیا۔

"جی ہاں حضور! ہمارے قصر کی حفاظت کے لئے جن فوجی سواروں کو مقرر کیا گیا ہے" ——— امینہ نے کہا ——— "وہی مسلمان فوجی ہند و فوج سے مقابلہ کر رہے ہیں اور اُسے روکے ہوئے ہیں، بڑی خونریز جنگ جاری ہے۔"

راجکماری نے پوچھا ——— "تمہیں یہ باتیں کیسے معلوم ہوئیں"؟

"سردار نظام الدین نے آپ کو مطلع کرنے کے لئے ایک سوار بھیجا تھا" ——— امینہ نے کہا ——— "جو خواجہ سرا کافور کو یہ واقعہ بتا گیا ہے اور کافور نے مجھے حضور کی خدمت میں بغرض اطلاع بھیجا ہے۔"

راجکماری نے سکینہ سے مخاطب ہو کر کہا ——— "بہن دیکھو وہی ہوا جس کا

خدشہ تھا۔ اب تم سمجھ گئی ہو نا۔"

سکینہ اس وقت کچھ ایسی حیرت زدہ ہوئی کہ کچھ بھی جواب نہ دے سکی۔

راجکماری نے امینہ سے کہا ـــــ "تم جاؤ اور کافور کو فوراً اپنے ہمراہ لے آؤ۔"

امینہ فوراً روانہ ہوگئی تو راجکماری پھر سکینہ سے مخاطب ہوئی ـــــ "میں اسی دن سے خوفزدہ تھی جو آگیا ہے۔ میں نے پہلے ہی تمہیں کہا تھا کہ اب شاید ہی سردار کمال الدین سے میری ملاقات ہو سکے۔"

"مجھ پر تو اس وقت حیرتوں کا پہاڑ ٹوٹ پڑا ہے" ـــــ سکینہ نے کہا ـــــ "میری تو سمجھ میں نہیں آرہا کہ یہ کیا معاملہ ہے۔ ہندو فوج کا یہاں آنا ایک حیرت انگیز امر ہے اور مزید حیرت یہ ہے کہ آپ کو پہلے سے اس واقعہ کے پیش آنے کا کیوں یقین تھا اور آپ یہ بات حتمی طور پر کس طرح کہہ رہی تھیں کہ یہ واقعہ ضرور رونما ہوگا۔"

"ذرا صبر سے کام لو" ـــــ راجکماری نے کہا ـــــ "اس طرح رفتہ رفتہ تمہیں سب باتوں کا علم ہو جائے گا۔"

"میں اس وقت موقع محل کی مناسبت سے اصرار نہیں کرتی" ـــــ سکینہ نے کہا ـــــ "ورنہ میں اس راز کے بارے میں آپ سے ضرور پوچھتی۔"

"کیوں سکینہ! اب تمہاری رائے میں کیا ہوگا؟" ـــــ راجکماری نے پوچھا۔

سکینہ نے سر جھکا کر کہا ـــــ "وہی ہوگا جو اللہ تعالیٰ کو منظور ہوگا۔"

"افسوس! اب میری وجہ سے یہاں قتلِ عام ہوگا" ـــــ راجکماری نے کہا ـــــ "افسوس! وہ مسلمان جنہوں نے مجھ پر احسانات کئے ہیں، خواہ مخواہ موت کے گھاٹ اتر جائیں گے۔"

"اللہ تعالیٰ کی جو مرضی ہو" ـــــ سکینہ نے کہا ـــــ "جو مصلحت اور مشیت

ہو، وہی اس کے بندوں کے حق میں مناسب اور بہتر ہے۔"

"بلاشک و شبہ ہمیں بڑی مصیبت کا سامنا کرنا پڑے گا" ـــــ راجکماری نے کہا۔

"آپ کو پریشان ہونے کی ضرورت نہیں" ـــــ سکینہ نے کہا ـــــ "اوّل تو اس حملہ کے بارے میں نہیں کہا جا سکتا کہ اس کا کیا نتیجہ نکلے گا۔ دوسرے مسلمان فاتح ہوں یا شکست کھا جائیں، دونوں صورتوں میں آپ کو کوئی نقصان نہ پہنچے گا۔"

"وہ کیسے؟" ـــــ راجکماری نے پوچھا۔

"یوں کہ اگر ہندو فوج فتح حاصل کرے اور اس قصر پر قابض ہو جائے تو آپ اپنی قوم میں جائیں گی اور وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہو جائیں گے" ـــــ سکینہ نے کہا ـــــ "اور اگر مسلمانوں نے انہیں شکست دے کر بھگا دیا تو آپ پھر بھی اسی آرام و سکون سے رہیں گی جس میں اب رہ رہی ہیں اور آئندہ آپ کو انشاء اللہ العزیز اس سے زیادہ آرام و سکون میسّر ہوگا۔"

"جو کچھ بھی ہوگا دیکھا جائے گا" ـــــ راجکماری نے کہا ـــــ "جو میرا حال ہوگا وہی تمہارا بھی ہوگا۔ کیونکہ میں جب تک زندہ ہوں تمہیں خود سے جدا نہ ہونے دوں گی۔"

"میں نے آپ سے الگ ہونے کے لئے تو نہیں کہا" ـــــ سکینہ نے کہا ـــــ "میں نے تو محض آپ کو مطمئن کرنے کے لئے ایک حقیقت بیان کی تھی کہ آپ کو بالکل پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔"

"اس وقت میں جس قدر پریشان ہوں، وہ میں ہی جانتی ہوں" ـــــ راجکماری نے کہا ـــــ "میں دونوں طرف سے پریشان ہوں، ایک طرف میری قوم ہے، تو دوسری طرف وہ مسلمان جو میرے محسن ہیں۔"

ابھی گفتگو جاری ہی تھی کہ امینہ، کافور کو اپنے ہمراہ لے آئی، راجکماری نے دونوں کو بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ دونوں بیٹھ گئے۔ چونکہ کافور، راجکماری کی زبان سے ناواقف تھا، اس لئے سکینہ نے ترجمان کے فرائض ادا کئے اور سکینہ کی وساطت سے دونوں کے درمیان اس طرح گفتگو ہوئی:۔

"کافور! تمہیں کچھ علم ہے کہ ہندوؤں کی کس قدر فوج ہے؟" ——— راجکماری نے پوچھا ——— "اور ان کا افسرِ اعلیٰ کون ہے"؟

"ابھی پتہ نہیں چل سکا کہ ان کے افسرِ اعلیٰ کا نام کیا ہے" ——— کافور نے کہا ——— "اور ابھی یہ بھی حتمی طور پر معلوم نہیں ہو سکا کہ ہندو فوج کی کتنی تعداد ہے، ابھی تو ہمارے سواروں نے انہیں سڑک پر روک رکھا ہے۔ تاہم معلوم ہوتا ہے کہ کثیر تعداد ہندو فوج نے ہمارے قصر پر حملہ کیا ہے۔ خیر ذرا سورج طلوع ہو تو سب باتوں کا پتہ چل جائے گا۔ فی الوقت تو ہمارے چار سو سوار جو قریب ہی خیمہ زن تھے، ان کا مقابلہ کر رہے ہیں"۔

"اس وقت اندر پرستھ کے قلعہ میں ہماری کتنی فوج موجود ہے"؟ ——— راجکماری نے استفسار کیا۔

"مجھے معلوم ہے کہ اس وقت اندر پرستھ کے قلعہ میں چار ہزار پیادہ و سوار موجود ہیں" ——— کافور نے کہا ——— "فوج کا بڑا حصہ سپہ سالارِ اعظم ملک قطب الدین ایبک کے ساتھ کفار کے مختلف قلعوں کو فتح کرنے کے لئے دہلی سے دور جا چکا ہے۔ قلعے میں موجود سپاہ کے بارے میں پتہ چلا ہے کہ بڑی تیزی سے جنگ کے لئے تیار ہو رہی ہے"۔

"کیا ہماری فوج قلعہ بند ہو کر جنگ کرے گی یا میدان میں نکل کر دشمن سے مقابلہ کرے گی"؟ ——— راجکماری نے پوچھا۔

"اس بارے میں ابھی کوئی فیصلہ نہیں کیا جا سکا ——— کافور نے کہا ——— "لیکن میں سمجھتا ہوں کہ ہماری فوج قلعہ بند ہو کر لڑنا پسند نہیں کرے گی۔ ہمارے قصر کے اندر آنے کا جو واحد راستہ ہے، اسی پر لڑائی ہو رہی ہے۔ اس صورت میں ہماری فوج اس جگہ سے ہٹ کر دشمن کو اندر نہ آنے دے گی۔ میرا خیال ہے اسی جگہ لڑائی ہوتی رہے گی، کیونکہ اس جگہ دشمن قدرے بے بس ہے اور اپنی پوری طاقت کو کسی طرح استعمال نہیں کر سکتا۔ کیونکہ جگہ کی تنگی آڑے آ رہی ہے"۔

"تمہارے بیان سے پتہ چلتا ہے" ——— راجکماری نے کہا ——— "کہ ہماری حالت تسلی بخش ہے، ہندو فوج ہمارے قصر میں داخل ہونے سے قاصر ہے"۔

"انشاء اللہ العزیز چند روز جنگ کے بعد ہندو فوج حوصلہ ہار دے گی" ——— کافور نے کہا ——— "اور آخر کار ناکام ہو کر واپس چلی جائے گی۔ اس وقت وہ چار سو سوار جو ملک قطب الدین ایبک کی فوج میں شامل ہونے کے لئے اجمیر سے آئے تھے اور سردار نظام الدین نے انہیں ہمارے قصر کے قریب خیموں میں ٹھہرا لیا تھا، اس وقت ان کی یہاں موجودگی بڑے کام آئی۔ صرف چار سو سواروں نے ہزاروں ہندو سپاہیوں کو آگے بڑھنے سے روک رکھا ہے، ورنہ بلاشک وشبہ ہندو فوج قصر کے قریب آ جاتی اور ہم مجبوراً محصور ہو کر لڑتے"۔

"اب تم سردار نظام الدین کے پاس جاؤ" ——— راجکماری نے کہا ——— "اور انہیں میری طرف سے کہہ دو کہ براہِ کرم مجھے لڑائی کی تازہ صورت حال سے مطلع کرتے رہیں"۔

"کافور! تم سردار نظام الدین سے یہ بھی کہنا" ——— سکینہ نے کہا ——— "کہ اگر ممکن ہو تو وہ کسی قریبی قلعہ سے اسلامی فوج کی مدد حاصل کر لیں تاکہ ہماری قلیل فوج کو مدد مل جائے"۔

"ہمیں ان باتوں میں دخل نہ دینا چاہیئے" ——— راجکماری نے کہا ———
"شاید وہ بُرا مان جائیں کہ اب ناقص العقل عورتیں بھی ہمارے عسکری معاملات میں ہمیں مشورے دینے لگی ہیں"۔

"سردار نظام الدین کچھ کہنے سے بُرا نہ منائیں گے" ——— خواجہ سرا کافور نے کہا ——— "لیکن میرے خیال میں بھی بہتر یہی ہے کہ ہم یہ معاملہ انہی پر چھوڑ دیں۔ یقیناً وہ خود جہاں تک ممکن ہوا، ہندو فوج کے حملے سے بچاؤ کے لئے کچھ تدبیر کریں گے" ——— یہ کہہ کر کافور چلا گیا۔

آفتاب طلوع ہوا تو قلعہ اندر پرستھ میں موجود چار ہزار سوار بھی آ پہنچے، گھمسان کی جنگ شروع ہوگئی۔ سردار نظام الدین نے اپنے چار ہزار چار سو پیادہ و سواروں کو بڑی خوبی سے کثیر تعداد ہندو لشکر سے لڑایا، ہندوؤں کو کافی جانی نقصان پہنچا لیکن مسلمانوں کو حیرت تھی کہ اس بار ہندوؤں کے دلوں میں خدا جانے کس قسم کا جوش و خروش بھرا تھا کہ وہ کثیر جانی نقصانات اٹھانے کے باوجود بدستور حملے کر رہے تھے اور سردار کمال الدین سمرقندی کے قصر میں داخل ہونے کی بھرپور کوشش میں محو تھے۔ شام تک جنگ جاری رہی اور سردار نظام الدین ہزاروں ہندوؤں کو قتل کرنے کے ساتھ ساتھ سینکڑوں کو زندہ گرفتار کرنے میں بھی کامیاب ہوگیا۔ غروبِ آفتاب کے بعد جنگ بند ہوگئی اور ہندو لشکر سڑک کے اطراف میں خیمہ زن ہوگیا۔ سردار نظام الدین کے فوجی بھی لشکر کفار کے بالمقابل خیمہ زن ہوگئے اور سردار نظام الدین نے قصرِ کمال میں اپنے قیام کے الگ تھلگ حصہ میں پہنچ کر پہلا کام یہ کیا کہ قلعہ اندر پرستھ میں بھیجے ہوئے ہندو قیدیوں میں سے تین چار کو اپنے سامنے طلب کر لیا۔ قیدی آ گئے تو سردار نظام الدین نے ان میں سے ایک سب سے کم عمر ہندو قیدی کو ہر طرح کی تسلی و تشفی دے کر دریافت کیا:۔

"تمہاری فوج کا افسرِ اعلیٰ کون ہے"؟

"ہرچندر رائے"۔

"کیا خود ہرچندر رائے اس فوج میں شامل ہے" ——— سردار نظام الدین نے پوچھا ——— "جو ہم سے جنگ آزما ہے"۔

"جی ہاں، مہاراج ہرچندر رائے کے ساتھ فوج کے دوسرے بڑے افسر بھی ہمارے لشکر میں موجود ہیں" ——— قیدی نے بتایا۔

"تمہاری حملہ آور فوج کی تعداد کتنی ہے" ——— سردار نظام الدین نے استفسار کیا۔

قیدی نے جواب دیا ——— "پندرہ ہزار سوار ہیں اور آج کل میں مزید پندرہ ہزار فوج پہنچنے والی ہے"۔

"کیا تم کو کچھ پتہ ہے کہ اس جوش و خروش سے یہاں کیوں حملہ کیا گیا ہے"؟ ——— سردار نظام الدین نے پوچھا۔

"ہمیں بتایا گیا ہے کہ چند روز قبل کسی مسلمان افسر کی بی بی دہلی آ رہی تھی اور اس کے ہمراہ کافی سوار تھے اور ایک فوجی افسر بھی تھا۔ راہ میں ان لوگوں نے رات کو ایک مندر میں قیام کیا" ——— قیدی نے بتایا ——— "اور مندر کے آدمیوں پر یہ ظلم و ستم روا رکھا کہ جب وہاں سے روانہ ہوئے تو مندر میں لوٹ مار مچا دی۔ ہماری مقدس کتابوں رامائن وغیرہ کو آگ لگا دی اور تین پروہتوں کو گرفتار کر کے اپنے ساتھ لے گئے"۔

سردار نظام الدین نے حیران ہو کر کہا ——— "میں یہ تسلیم نہیں کر سکتا کہ مسلمانوں نے کسی مندر میں داخل ہو کر ایسا ظلم و ستم کیا ہو، اگر یہ واقعہ رونما ہوتا تو لازماً مجھے اس کی اطلاع مل جاتی"۔

"ممکن ہے آپ کو علم نہ ہو" ——— قیدی نے کہا ——— "لیکن میں جو عرض کر رہا ہوں وہ بالکل درست ہے۔ فسادیوں نے آپ تک یہ خبر پہنچنے نہیں دی"۔

"مجھے یہ بیحد ناپسند ہے کہ ہندوؤں کے کسی متبرک مقام میں فساد کیا جائے اور مذہبی رہنماؤں پر خواہ مخواہ ظلم کیا جائے۔ میں کل صبح اس معاملے کی تحقیق کروں گا"

سردار نظام الدین نے کہا ——— "مگر یہ تو بتاؤ کہ تمہیں یہ واقعہ کیسے معلوم ہوا۔؟"

"اس مندر میں چار پروہت تھے" ——— قیدی نے کہا ——— "تین تو مسلمانوں نے گرفتار کر لئے تھے، البتہ چوتھا جان بچا کر باگ نکلا تھا اور اسی نے قلعہ بدایوں (بدایوں) پہنچ کر جہاں قنوج کی شکست خوردہ بچی کھچی فوج موجود ہے اور دوسرے ہندو راجاؤں کی فوج جمع ہو رہی ہے، یہ واقعہ فوج کے ذمہ دار افسروں سے بیان کیا تھا جس پر مہاراج ہرچند رائے اسی وقت چپ چاپ اپنے سواروں کے ساتھ دہلی روانہ ہو گئے تھے اور آتی بار یہ تاکید بھی کر آئے تھے کہ ان کے پیچھے پیچھے امدادی فوج بھیج دی جائے، بس زیادہ سے زیادہ کل دوپہر تک وہ فوج بھی یہاں پہنچ جائے گی"۔

"عجیب و غریب واقعہ ہے جو میری سمجھ میں نہیں آ رہا" ——— سردار نظام الدین نے کہا ——— "یہ بتاؤ کیا وہ چوتھا پروہت بھی فوج کے ہمراہ ہے"۔

"وہ پروہت بدایوں سے ایک منزل تک تو ہمارے ہمراہ تھا مگر اس کے بعد اجازت لے کر چلا گیا" ——— قیدی نے کہا ——— "شاید اپنے مندر کی طرف چلا گیا ہو یا کہیں اور کا رُخ کیا ہو۔ میں اس بارے میں حتمی طور سے بتا نہیں سکتا"۔

گفتگو ختم کر کے سردار نظام الدین نے قیدی کو دوبارہ قلعہ اندر پرستھ میں بھیج دیا اور محافظوں کو بطورِ خاص تاکید کی کہ ان قیدیوں کو آرام سے رکھا جائے۔ پھر سردار نظام الدین نے اپنے دل میں خیال کیا کہ میں نے ایک عورت کی رائے پر عمل کر کے بہت بُرا کیا۔ خواہ مخواہ اُن پروہتوں کو گرفتار کر لیا جس کے نتیجہ میں شکست خوردہ ہندو لشکر میں بھی جوش و خروش پھیل گیا ہے اور اب انہیں مندر لوٹنے کی جھوٹی داستان

سُنا کر ان کے مذہبی جوش کو اُبھارا گیا ہے اور مسلمانوں کے مقابلے میں لا کھڑا کیا گیا ہے خدا جانے اس جنگ کا کیا نتیجہ نکلے۔ ہمارے پاس قلیل فوج ہے اور ہمیں کہیں سے امداد ملنے کی بھی امید نہیں، اس کے برعکس ہندو فوج کی تعداد ہماری بہ نسبت کئی گنا زیادہ ہے اور پھر ان کی کثیر تعداد امدادی فوج بھی آ رہی ہے۔ اب کون جانے کہ اس جنگ کا کیا نتیجہ نکلے۔ دراصل اس معاملے میں ہمارا ہی قصور ہے۔ ہم نے اپنی طرف سے خواہ مخواہ ایک بات پیدا کی اور بے قصور پروہتوں کو گرفتار کر کے اپنے ہمراہ لے آئے۔

سردار نظام الدین نے اپنی موجودہ نازک صورتِ حال کا جائزہ لیا اور یہی مناسب خیال کیا کہ ان تینوں پروہتوں کو چندر رائے کے حوالے کر دیں اور کسی طرح اس ہندو لشکر کو واپس بھیج دیں۔ کیونکہ انتہائی قلیل تعداد مسلمان فوج کے ساتھ کثیر تعداد ہندو لشکر کے مقابلے کا یہی نتیجہ برآمد ہو سکتا ہے کہ ہمارے ہزاروں سپاہی دشمن کے ہاتھوں مارے جائیں یا زخمی ہو جائیں۔ بے شک ہمیں تینوں پروہتوں کو چندر رائے کے حوالے کر دینا چاہیئے، یقیناً چندر رائے خوش ہو جائے گا، کیونکہ آج اس کی فوج کا کافی نقصان ہوا ہے اور وہ شام کو ناکامی کے ساتھ خیمہ زن ہوئی ہے۔ غالباً اب ہندو سپاہیوں کے جوش و خروش میں بھی قدرے کمی آ گئی ہو گی اور وہ صلح کو غنیمت جان کر اپنے قیدیوں کو لینے کے بعد لوٹ جائیں گے۔

سردار نظام الدین نے سوچا کہ وہ کس کو ہرچند رائے کے پاس بھیج کر صلح کی تفصیلات طے کرے، یہ سوچ کر اس نے اپنے افسروں میں سے فرداً فرداً ہر ایک کے بارے میں غور کیا اور چند قابل افسروں کو سفارت کے لئے چُن لیا۔ لیکن پھر آپ ہی آپ اس نے اپنے اس خیال کو مسترد کر دیا اور یہ فیصلہ کیا کہ وہ اسی ہندو قیدی کو اپنا نمائندہ بنا کر ہندو لشکر میں بھیجے گا، جس نے اسے مندر میں لوٹ مار وغیرہ کا واقعہ سنایا ہے۔ اس کی رائے میں کسی مسلمان کو ہندو لشکر میں بھیجنا ہلاکت میں ڈالنا تھا۔ جنگ جاری تھی، ممکن

تھا ہر چندر رائے صلح کی تجویز کو مسترد کر دیتا اور مسلمان سفیروں کو قید کر لیتا یا پھر موت کے گھاٹ اتار دیتا۔ اس خیال کے آتے ہی سردار نظام الدین نے اُسی ہندو قیدی کو بھیجنے کا مصمم ارادہ کر لیا۔ وہ چونکہ مندر کے واقعہ سے لاعلمی ظاہر کر چکا تھا۔ اس لئے اس وقت ہندو قیدی کو بھیجنا نامناسب خیال کر کے اُس نے اِس معاملہ کو صبح پر اٹھا رکھا۔ پھر سردار نظام الدین دوسرے ضروری امور سے فارغ ہو کر اپنے کمرہ میں چلا گیا۔ ایک تو وہ دن بھر کا تھکا ہوا تھا، دوسرے اب اسے اطمینان تھا کہ غالباً ہر چندر رائے صلح پر راضی ہو جائے گا۔ اس لئے وہ مطمئن ہو کر سو گیا۔ علی الصبح بیدار ہو کر اس نے سب سے پہلے تو نمازِ فجر پڑھی۔ پھر اُس ہندو قیدی کو طلب کر کے بولا:۔

"رات تمہاری روانگی کے بعد مندر کے واقعہ کی تحقیق کی گئی تو اصل واقعہ کا علم ہوا جو یہ ہے کہ ایک رات کچھ مسلمانوں نے اُس مندر میں قیام کیا تھا۔ وہ وہاں کسی قسم کا فتنہ و فساد پیدا کرنے یا ہنگامہ برپا کرنے کا ارادہ نہ رکھتے تھے، مگر وہاں کے پروہتوں نے خواہ مخواہ خود جھگڑا کیا اور مسلمانوں پر بلاوجہ حملہ بھی کر دیا۔ جس پر مسلمانوں نے مجبوراً انہیں مغلوب کر کے قید کر لیا اور اپنے ہمراہ لے آئے۔ اب تم واقف ہی ہو کہ ہم نے سب قیدیوں کے آرام و سکون کا خاص خیال رکھا ہے۔ بہرحال اب ہم ماضی کی چپقلش کو بھول کر ان پروہتوں کو تمہارے سپرد کئے دیتے ہیں۔ تم انہیں اپنے ہمراہ لے جاؤ اور ہر چندر رائے کے حوالے کر دو۔ غالباً ہر چندر رائے نے انہی قیدیوں کو چھڑانے کے لئے حملہ کیا ہے۔ میں پرانے تین قیدی اور تمہارے ساتھی سارے نئے قیدی رہا کر رہا ہوں۔ اس کے بعد تم لوگ جو چاہے کرو، خواہ اپنے قیدی لے کر واپس چلے جاؤ، خواہ ہمارے ساتھ جنگ جاری رکھو۔ ہمیں دونوں صورتیں قبول ہیں۔"

قیدی مسرت سے بے تاب ہو کر بولا ——— "ہم سچے دل سے آپ کے اس احسان کو مانتے رہیں گے اور شکریہ ادا کرنے کے ساتھ ہمیشہ آپ کو دعائیں دیتے رہیں گے اور مجھے یقین کامل ہے کہ مہاراج ہر چندر رائے بھی آپ کے اس حُسنِ سلوک سے متاثر ہوں گے اور قیدیوں کی رہائی کے بعد اپنے مدعا میں کامیاب ہو کر بخوشی واپس جانے میں کوئی عذر نہ کریں گے۔"

"مجھے اس کی پرواہ نہیں ہے کہ وہ واپس جاتے ہیں یا مجھ سے جنگ کرتے رہتے ہیں" ——— سردار نظام الدین نے کہا ——— "اگر انہوں نے جنگ جاری رکھی تو انشاء اللہ العزیز کل کی طرح آج بھی بھاری جانی نقصان برداشت کریں گے اور آخر کار یہی ہو گا کہ ایک روز انہیں بے نیل و مرام واپس جانا پڑے گا۔ میں احتیاطاً کئی مسلمان صوبیداروں کو اپنی مدد کے لئے لکھ چکا ہوں۔ جلد ہی ہمیں بھی مدد مل جائے گی اور یہاں بھاری مسلمان لشکر جمع ہو جائے گا۔"

"اب ہماری آپ سے لڑائی کی کوئی وجہ باقی نہیں رہی" ——— قیدی نے کہا ——— "اس لئے مجھے پورا یقین ہے کہ مہاراج ہر چندر رائے بلا تامل جنگ کو ختم کر کے اپنی لشکر گاہ بداؤں لوٹ جائیں گے۔"

سردار نظام الدین نے اپنے ایک خادم سے مخاطب ہو کر کہا ——— "تم فوراً قلعہ میں جاؤ اور اُن تینوں پروہتوں اور اُن سب قیدیوں کو جو کل قید ہو کر آئے تھے، ایک حفاظتی دستہ فوج کے ساتھ اپنے ہمراہ لے آؤ۔"

یہ حکم سُن کر خادم چلا گیا اور جلد ہی تینوں پروہت اور سارے قیدی سردار نظام الدین کے سامنے پیش کر دیئے گئے۔ سردار نظام الدین کے اشارے سے اس قیدی نے جس سے سردار نظام الدین نے گفتگو کی تھی اور جو پہلے سے ان کے ساتھ یہاں موجود تھا، اُن سارے قیدیوں کو رہائی کی خوشخبری سُنائی، جسے سُن کر لال بہادر سب سے آگے بڑھ کر سردار

نظام الدین کے ساتھ بڑے ادب و احترام اور عاجزی سے مخاطب ہوا۔

"حضور! ہم سب آپ کے انتہائی ممنون ہیں اور آپ کو یقین دلاتے ہیں کہ ہم ہمیشہ آپ کے حُسنِ سلوک کو یاد رکھیں گے اور پھر کبھی آپ کے خلاف جنگ آزما نہ ہوں گے۔"

سردار نظام الدین، لال بہادر سے گفتگو کرتا ہوا سب کو اپنے ہمراہ لے کر اُس سڑک پر پہنچا جہاں کل دن بھر جنگ جاری رہی تھی۔ یہاں ٹھہر کر سردار نظام الدین نے سارے قیدیوں سے مصافحہ کیا اور سب کو الوداع کہہ کر رخصت کر دیا۔ سارے قیدیوں نے خوشی سے "مہاراج نظام الدین کی جے" کے نعرے بلند کئے اور سردار نظام الدین کو دعائیں دیتے ہوئے اپنی خیمہ زن فوج کی طرف بڑھ گئے۔ ابھی ابھی آفتاب طلوع ہوا تھا اور ابھی جنگ شروع ہونے کے آثار بھی نہ تھے کہ سارے قیدی اپنی لشکر گاہ کے قریب پہنچ گئے۔ طلایہ کے سواروں نے ان سب کو دیکھتے ہی خوشی سے بے تاب ہو کر نعرے بلند کئے اور سب کو اپنے ہمراہ لے کر لشکر گاہ میں آ گئے۔ ہرچند رائے کل کی ناکامی پر رنج و غم میں ڈوبا ہوا آج کی فکر میں گرفتار بیٹھا ہوا تھا کہ اچانک ایک فوجی افسر نے اس کے خیمہ میں داخل ہو کر سلام کیا اور بولا ——

"مہاراج! مبارک ہو۔"

"کیسی مبارک؟" —— اس نے حیران ہو کر پوچھا۔

"مہاراج! پرماتما کی کرپا سے آج اپنے آپ مسلمانوں نے مکند لال، لال بہادر اور ان سپاہیوں اور افسروں کو جنہیں کل قیدی بنا لیا گیا تھا، رہا کر دیا ہے اور وہ سارے لوگ لشکر گاہ میں آ گئے ہیں۔"

ہرچند رائے اپنی جگہ سے اٹھ کر خوشی سے بولا —— "کیا یہ خبر واقعی سچی ہے، کیا مکند لال اور لال بہادر واقعی زندہ و سلامت ہیں"؟

یہ کہہ کر ہرچند رائے بے تابی کے عالم میں اپنے خیمہ سے باہر آ گیا اور سامنے سے مکند لال اور لال بہادر کو اپنے خیمے کی طرف آتے دیکھ کر ان کی طرف لپکا، وہ بھی اسے دیکھ کر اس کی طرف دوڑ پڑے۔ قریب پہنچ کر ہرچند رائے نے ان دونوں کی طرف اپنے ہاتھ پھیلا دیئے، لیکن مکند لال اور لال بہادر اپنے مذہبی اصولوں کی روشنی میں ادب و احترام کے خیال سے اس کے سامنے سجدے میں گر گئے اور اُس کے پاؤں پکڑ لیئے، ہرچند رائے نے جھک کر دونوں کو اٹھایا اور ان کے سروں کو اپنے سینہ سے لگا کر اپنے خیمہ کی طرف چلا۔ خیمہ میں داخل ہو کر ہرچند رائے نے انہیں بٹھایا۔ پھر ان کے قریب بیٹھ کر بے ساختہ پوچھا:۔

"مکند لال! کیا تم راجکماری رتن بائی کا کھوج لگانے میں کامیاب ہو گئے ہو، بتاؤ وہ کہاں ہے اور کس حال میں ہے"؟

"راجکماری جی پرماتما کی کرپا اور آپ کے بلند اقبال کی بدولت بالکل راحت و آرام سے ہیں۔ انہیں صرف مہاراج کی جدائی کا تو رنج و غم ضرور ہے، باقی اور کسی قسم کی کوئی تکلیف نہیں، راجکماری جی قلعہ اندر پرستھ کے قریب قصرِ سردار کمال الدین میں بڑی شان و شوکت سے زندگی بسر کر رہی ہیں۔ کنیزیں اور خواجہ سرا ہر وقت ان کی خدمت میں حاضر رہتے ہیں، غالباً مسلمانوں کو علم ہو گیا ہے کہ وہ راجکماری ہیں اور اُن کا تعلق شاہی خاندان سے ہے، اس لئے ان کی عزت و احترام کا بطور خاص خیال رکھا جاتا ہے اور ان کی ہر طرح دلجوئی بھی کی جاتی ہے اور خاطر داری بھی۔"

"یہ پرماتما کی کرپا ہے کہ اُس نے ملیچھ ظالم مسلمانوں کے دلوں میں اُس بے گناہ لڑکی کے لئے نرمی و مہربانی پیدا کر دی ہے" —— ہرچند رائے نے کہا —— "لیکن میرا یہ بھی خیال ہے کہ مسلمان ہم سے خوفزدہ رہتے ہیں، اس لئے راجکماری سے اچھا برتاؤ کر رہے ہیں کہ شاید کبھی یہ اچھا برتاؤ ہمارے لئے مفید ثابت ہو۔"

یہ سُن کر مکند لال بولا ——— "مہاراج! آپ یہ بالکل درست فرما رہے ہیں"۔
لال بہادر، مکند لال سے مخاطب ہو کر بولا ——— "میرا خیال ہے کہ ایسا نہیں ہے"۔

مکند لال نے فوراً کہا ——— "کیوں نہیں ہے، لازماً یہی بات ہے۔ تم تو دیکھ ہی چکے ہو کہ مسلمانوں نے ہم قیدیوں کے ساتھ کتنا اچھا سلوک کیا ہے اور ہمارے ساتھ کس نرمی اور مہربانی سے پیش آتے تھے"۔

"بھئی میں جو کہہ رہا ہوں وہ سچ ہے" ——— ہرچند رائے نے کہا ——— "یہ قوم نہایت خود غرض اور مطلب پرست واقع ہوئی ہے"۔

لال بہادر پھر کچھ کہنا چاہتا تھا مگر مکند لال نے اسے موقع نہ دیا اور خود مندر کی مکمل کہانی بیان کر دی، جسے سُن کر ہرچند رائے سخت متعجب ہو کر بولا ——— "یہ بات میری سمجھ میں نہیں آئی کہ آخر مسلمان تم سے بدگمان کیوں ہو گئے اور تمہیں کیوں قید کر لیا۔"؟

"بظاہر تو ہمیں اس کی وجہ معلوم نہیں ہوئی۔ لیکن ہمارا خیال ہے کہ شاید اُس کنیز نے جسے ہم نے خط لکھ کر دیا تھا، ہمارا راز فاش کر دیا ہو"۔

"نہیں، یہ ہرگز نہیں ہوا" ——— لال بہادر نے کہا ——— "اگر وہ خط مسلمانوں کو مل جاتا تو وہ ہمیں کبھی زندہ نہ رہنے دیتے، لازماً موت کے گھاٹ اُتار دیتے"۔

"واقعی تم نے یہ تو ٹھیک کہا" ——— مکند لال نے کہا ——— "مجھے خود یہ شبہ ہے کہ مسلمان درحقیقت ہماری طرف سے بدگمان ہو گئے تھے یا کوئی اور بات تھی۔ انہوں نے خود تو ہمیں گرفتار کرنے اور ہمارے ساتھ جنگ کرنے کا ارادہ ظاہر نہیں کیا تھا بلکہ جنگ کی ابتدا خود ہم نے کی تھی اور انہیں مجبوراً ہمارے ساتھ لڑنا

پڑا تھا ———!"

"چلو یہ تو اچھا ہی ہوا کہ تمہیں دشمنوں کے ظلم و ستم سے چھٹکارا مل گیا۔ ورنہ یہ حقیقت ہے کہ تم بُری طرح اُن کے جال میں پھنس گئے تھے" ——— ہرچند رائے نے کہا ——— "لیکن مکند لال! اب یہ بتاؤ کہ راجکماری کو ان کی دستبرد سے کس طرح بچایا جا سکتا ہے۔"؟

"قصرِ کمال الدین چونکہ ایک محفوظ مقام پر واقع ہے" ——— مکند لال نے کہا ——— "اس لئے راجکماری کی رہائی ایک مشکل کام ہے۔ پھر ہم اس مقام پر زیادہ کوشش بھی نہیں کر سکتے۔ ہم اس جگہ زیادہ دیر تک مسلمانوں سے جنگ بھی نہیں کر سکتے، کیونکہ ان کے متعدد قلعے قریب قریب ہیں، جہاں سے ان کی امداد کے لئے لازماً فوجیں روانہ ہو چکی ہوں گی"۔

"کچھ بھی ہو" ——— ہرچند رائے نے کہا ——— "میں اپنی بیٹی کو مسلمانوں کی قید سے ضرور رہا کراؤں گا"۔

"میں نے راجکماری کی رہائی کے لئے ایک تدبیر سوچی ہے" ——— مکند لال نے کہا۔

"تم قصرِ کمال الدین کے مکمل حالات، مسلمانوں کی فوج کی تعداد اور دوسرے حالات سے بخوبی واقف ہو" ——— ہرچند رائے نے کہا ——— "بتاؤ کیا تدبیر ہے۔"؟

"مہاراج نے کل ملاحظہ فرمایا ہے کہ مسلمانوں سے کھُلی جنگ میں ہمیں کامیابی نہیں ہوئی" ——— مکند لال نے کہا ——— "قصرِ کمال کا صرف ایک راستہ وہی سڑک ہے جس پر مسلمان ہمیں آگے بڑھنے نہیں دیتے۔ اب ہم صرف مسلمانوں کو دھوکہ دے کر فتح حاصل کر سکتے ہیں اور راجکماری کو قید سے رہا کرا سکتے ہیں۔ میری تجویز یہ

ہے کہ مسلمان یہ سمجھتے ہیں کہ آپ نے ان پر محض اس لئے حملہ کیا ہے کہ تین پروہتوں کو ان کی قید سے رہا کرائیں اور مندر میں روا رکھی جانے والی زیادتیوں کا انتقام لیں۔ اب آپ کوئی قاصد بھیج کر بظاہر ان سے صلح کرلیں اور اپنی ساری فوج کو واپس لیجانے کا اظہار کریں اور بظاہر فوج کو لے کر واپس چلیں اور شام تک فوج کو آہستہ آہستہ بڑاؤں کے راستہ پر واپس لے جاتے رہیں، چار چھ میل چل کر لوٹیں اور رات کو اچانک یہاں واپس پہنچ کر حملہ کر دیں۔ مسلمان اس صلح سے مطمئن ہو کر آرام کر رہے ہوں گے اور مجھے یہ یقین ہے کہ میں بلا روک ٹوک قصرِ کمال میں پہنچ کر راجکماری کو رہا کرالوں گا۔ ہمارا مقصد محض راجکماری کی رہائی ہے، قلعہ اندرپرستھ کی فتح نہیں۔ اس لئے ہم خواہ مخواہ جنگ کو طول نہیں دیں گے۔ راجکماری کو رہا کرا کر فوراً بڑاؤں روانہ ہو جائیں گے۔"

"تم نے بڑی اچھی تدبیر سوچی ہے" ——— ہرچندر رائے نے کہا ——— "راجکماری کی رہائی کے لئے اس سے عمدہ تدبیر سوچی ہی نہیں جا سکتی۔"

اس کے بعد خوب اچھی طرح سمجھا بجھا کر نکند لال اور لال بہادر کے مشورے سے ہرچندر رائے نے سردار نظام الدین کے پاس اُسی کم سن قیدی کو بھیجا جو سردار نظام الدین سے باتیں کر چکا تھا۔ اس نے ہرچندر رائے کی طرف سے صلح کا پیغام دے کر شکریہ ادا کیا کہ مسلمانوں نے تینوں پروہتوں اور دوسرے قیدیوں کو رہا کر دیا ہے۔ دو تین گھنٹے میں صلح کی کارروائی مکمل ہو گئی، ہرچندر رائے کی فوج نے کوچ کی تیاریاں مکمل کرلیں اور جب وہ کم سن سابق قیدی کامیاب ہو کر سردار نظام الدین کے پاس سے واپس آیا تو ایک مسلمان افسر اور بہت سے مسلمان سوار بھی اس کے ساتھ تھے اور جب ہندو لشکر کو کوچ کا حکم ملا اور وہ کوچ کر گیا تو مسلمان افسر اور سوار قصرِ کمال الدین لوٹ گئے۔ ہندو فوج آہستہ آہستہ آگے بڑھتی رہی اور شام تک بمشکل دو تین میل کی مسافت طے کر سکی۔ لیکن جوں ہی رات کا اندھیرا پھیلا، ساری ہندو فوج واپس ہوئی اور قصرِ کمال کی طرف چل پڑی

اور برق رفتاری سے قصرِ کمال الدین کو جانے والی سڑک کو ایک طرف چھوڑ کر قصرِ کمال کے سامنے پہنچ گئی۔

سردار نظام الدین نے قصرِ کمال کے باہر بدستور ایک سو مسلح سپاہی حفاظت کے لئے متعین کر رکھے تھے، جنہوں نے ہرچندر رائے کے حملہ کا جواب دیا اور قصرِ کمال کے سامنے خونریز لڑائی چھڑ گئی۔ قصر میں سردار نظام الدین کو ہندوؤں کے اس فریب کی اطلاع دی گئی تو اُسے اس دغابازی پر سخت حیرت بھی ہوئی اور وہ اپنے کئے پر پشیمان بھی ہوا کہ ہندوؤں سے دھوکہ کھا گیا۔ مگر اب پشیمانی بے کار تھی، وہ سخت گھبراہٹ کے عالم میں ایک عقبی دروازے سے باہر نکل کر تین سو خیمہ زن سواروں کو لے کر قصر کے کھلے پھاٹک کی طرف روانہ ہوا۔ لیکن ہرچندر رائے نے پھاٹک کے قریب پہنچ کر اس تیزی اور جوش و خروش سے حملہ کیا کہ جو ایک سو مسلمان وہاں موجود تھے اور اندر باہر آ جا رہے تھے، اس ناگہانی حملے سے حواس باختہ ہو گئے اور ہزاروں ہندو لشکری پہلے ہی حملے میں مسلمانوں کو قتل اور زخمی کرتے ہوئے قصر کے کھلے پھاٹک میں گھس گئے اور ہرچندر رائے نکند لال کی رہنمائی میں سیدھا راجکماری کی قیام گاہ کا رُخ کیا۔ ہندو فوج بھی بہادری سے ان کے پیچھے آگے بڑھتی رہی۔

قصرِ کمال میں اس واقعہ نے ہلچل مچا دی۔ راجکماری اپنے کمرے میں سخت پریشان بیٹھی سکینہ سے گفتگو میں محو تھی اور بار بار یہ کہہ رہی تھی ——— "افسوس سردار نظام الدین نے بڑی غلطی کی اور فریب کا شکار ہو گیا۔ اُن پروہتوں کو رہا کرنے کے باوجود جنگ ختم نہ ہوئی۔ بلکہ اب اس لئے صورتِ حال بہت نازک ہو گئی ہے کہ وہ پروہت قصر کے کونے کونے سے بخوبی واقف ہیں اور عین ممکن ہے کہ وہی لوگ ہندو لشکر کو ابھار کر یہاں لائے ہوں، ورنہ صلح کر کے واپس جانا اور پھر دغابازی کر کے لوٹ آنا اور رات کے وقت حملہ کرنا بالکل خلافِ اصول اور خلافِ قیاس بات ہے۔"

"ممکن ہے آپ کی بات درست ہو" ——— سکینہ نے کہا ——— "مگر سردار نظام الدین نے سڑک پر اپنی فوج کو سابق حالت میں قائم رکھ کر اور قصر پر بھی پہرہ بٹھا کر بڑی دانائی کی بات کی ہے۔ اس لئے میرا خیال ہے کہ ہندو لاکھ کوشش کریں قصرِ کمال میں داخل ہونے میں کامیاب نہیں ہو سکتے۔"

"سردار نظام الدین نے خود رائی سے اُن پروہتوں اور قیدیوں کو رہا کر کے ہندوؤں کے حوصلے بلند کئے ہیں" ——— راجکماری نے کہا ——— "وہ سمجھتے ہوں گے کہ مسلمان کمزور ہیں، ہم سے ڈرتے ہیں، انہیں شکست دینا آسان ہے اور پھر پروہتوں کی وساطت سے اب تو وہ قصر کے حال سے بھی اچھی طرح واقف ہیں، اس لئے ہم سخت خطرات میں گھر گئے ہیں۔"

ابھی یہ گفتگو ہو ہی رہی تھی کہ خواجہ سرا کافور اور کئی کنیزیں گھبرائی ہوئی کمرے میں داخل ہوئیں اور راجکماری سے مخاطب ہو کر کہا:۔

"حضور! ہندو فوج قصر میں گھس آئی ہے اور حرم سرا کی طرف آ رہی ہے۔ اب ہم سب کی موت آ گئی ہے۔"

یہ سُن کر سکینہ اور راجکماری سخت گھبرائیں، لیکن راجکماری نے حوصلہ نہ ہارا، بولی ——— "سب خواجہ سراؤں اور کنیزوں کو میری طرف سے کہہ دو کہ سب لوگ کوٹھے کھدروں میں چھپ کر بیٹھ جائیں اور خدا کی رضا پر شاکر رہیں، ہر ایک یہی ظاہر کرے کہ وہ ہندی زبان سے ناواقف ہے اور اس سے کچھ پوچھا جائے تو زبان سے ناواقف ہونے کے بہانہ کی آڑ میں کچھ نہ بتائے۔"

جب خواجہ سرا اور کنیزیں چلی گئیں تو راجکماری نے بڑی تیزی سے اپنا صندوق کھول کر وہی لباس نکال کر جلدی سے پہنا، جو تقریباً مردانہ تھا اور جسے پہنے ہوئے وہ میرٹھ سے فرار کے موقع پر گرفتار ہوئی تھی۔ پھر اس نے کمر سے ایک پیٹی کس کر باندھی اور

اُس میں تلوار لگا لی۔ اس کے بعد اُس نے اپنے سر کے بالوں کا ایک اُونچا سا جُوڑا باندھا اور سر پر ایک بڑی سی خوشنما چادر کچھ اس طرح سے لپیٹ لی کہ دیکھنے والے اسے عمامہ سمجھیں۔ پھر اُس نے قلمدان اور کاغذ اٹھا کر ایک پرچہ لکھا اور اسے سکینہ کے ہاتھ میں دے کر بولی:۔

"تم اسی جگہ بیٹھی رہنا اور اس جگہ سے ہرگز کہیں اور نہ جانا۔ جب بھی کوئی ہندو افسر تمہارے پاس آئے اور تم سے کچھ پوچھے تو اُسے اشارے سے بتانا کہ تم ہندی زبان سے ناواقف ہو اور پھر میرا یہ رُقعہ اُسے دے دینا۔ وہ تم کو کسی صورت نہ ستائے گا، نہ تم پر کوئی ظلم کیا جائے گا۔ مجھے اس قصر میں چھپنے کے لئے کوئی مناسب جگہ مل گئی تو میں وہاں چھپ جاؤں گی ——— اگر میں چھپ نہ سکی اور مجبوراً مجھے ظاہر ہونا پڑا، تو میں خود اپنی زبانی تمہاری سفارش کر دوں گی۔ میں نہ ہوئی تو میرا یہ رُقعہ تمہیں تحفظ دے گا۔ دونوں صورتوں میں تمہیں کوئی نقصان نہ پہنچے گا۔ بہرحال میں اب تم سے رخصت ہو رہی ہوں۔ الوداع، خدا حافظ"

قدرے توقف کے بعد راجکماری دوبارہ بولی:۔

"اور ہاں، کمال صاحب کو میری زبانی کہنا کہ قسمت کے ہاتھوں مجبور ہو کر جا تو رہی ہوں، لیکن زندگی بھر کے لئے دل میں تمہاری محبت لئے جا رہی ہوں۔"

یہ کہہ کر راجکماری کمرے سے باہر نکل گئی ——— سکینہ اس دوران دم بخود رہی تھی اور سخت حیرت سے راجکماری کی کارروائیوں کو دیکھتی رہی تھی۔ اس کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے، لیکن زبان بند تھی۔ راجکماری کی روانگی کے بعد بھی سکینہ پر حیرت طاری رہی۔ راجکماری نے کمرے سے باہر نکل کر دیکھا تو ساری حرام سرا پر

خاموشی طاری تھی۔ غلام اور کنیزیں سبھی کونوں کھدروں میں چھپ گئے تھے اور سب دہشت زدہ سے تھے کہ دیکھئے اب کیا ہو۔ راجکماری نے بلا تاخیر سارے کمروں اور دالانوں میں جلتی شمعیں گل کر دیں اور صرف اپنے کمرے میں جہاں سکینہ بیٹھی تھی، شمعیں روشن رہنے دیں۔ اب سارے حرم سرا میں دُور سے دیکھنے پر راجکماری کے کمرے میں تو روشنی نظر آتی تھی، باقی ہر سو اندھیرا چھایا ہوا تھا۔ حرم سرا میں اندھیرے کی حکمرانی راجکماری کے منصوبہ کا حصّہ تھی۔ اب وہ مطمئن ہو کر ڈیوڑھی سے ملحقہ وسیع دالان میں آئی اور صحنچی کے ایک کونے میں دیوار سے چپک کر کھڑی ہو گئی۔ یہ دالان ڈیوڑھی کے عین متصل واقع تھا۔ اس لئے غالباً راجکماری کے علاوہ کوئی دوسرا خوفزدہ کسی کونے کھدرے میں چھپا معلوم نہ ہوتا تھا کیونکہ راجکماری کسی طرف سے کوئی آہٹ محسوس نہ کرتی تھی۔ اُسے دیوار سے چپکے ابھی کچھ ہی دیر ہوئی تھی کہ ڈیوڑھی پر شور و غُل بلند ہوا اور ہندوؤں کے جیکارے اس کے کانوں میں بلند ہونے لگے ——— "مہاراج ہر چندر رائے کی جے" ——— یہ نعرے سُن کر راجکماری ڈر و خوف سے سہم گئی۔ پھر جلد ہی تبر دں سے دروازہ چیرنے کی آوازیں بلند ہوئیں تو راجکماری کی خوفزدگی کا یہ عالم تھا کہ کاٹو تو لہو نہیں بدن میں ——— پھر جب جلد ہی دروازے کی رکاوٹ دُور ہو گئی اور ہندو سپاہی جے، جے پکارتے ہوئے اندر گھُس آئے تو قریب تھا کہ مارے ڈر و خوف اور اضطراب راجکماری کے دل کی حرکت بند ہو جائے اور وہ کسی بے جان شے کی مانند زمین پر گر جائے کہ عین اس وقت راجکماری نے اپنے خوفزدہ دل کو قوی کیا اور ہمت و جرأت سے کام لیتے ہوئے یک لخت تلوار میان سے کھینچ لی اور اندھیرے میں آہستہ آہستہ قدم اُٹھاتی ہوئی سپاہیوں کے مجمع عام کی طرف بڑھی اور بڑی پھُرتی و ہوشیاری سے ہندو سپاہیوں کے مجمع میں آ کر مل گئی۔ سارے حرم سرا کے صحن میں اس وقت ہندو سپاہی

بھرے ہوئے تھے اور سینکڑوں سپاہیوں کی نظریں راجکماری کے کمرے پر جمی ہوئی تھیں جہاں روشنی نظر آ رہی تھی۔ ہر چندر رائے، مکند لال، لال بہادر اور دوسرے فوجی افسروں کے ساتھ راجکماری کے کمرے میں داخل ہوا تو راجکماری موقع غنیمت جان کر مردانہ لہجے میں ہٹو، بچو کہتی ہوئی حرم سرا سے باہر آ گئی اور باہر کھڑے ہندو سپاہیوں کے مجمع میں شامل ہو گئی۔

اُدھر ہر چندر رائے، مکند لال اور لال بہادر راجکماری کے کمرے میں داخل ہوئے تو کمرہ خالی تھا۔ صرف ایک کونے میں سکینہ خدا کی ذات پر بھروسہ کئے دل ہی دل میں یا اللہ، یا اللہ کا ورد کر رہی تھی۔ مکند لال نے اُسے اشارے سے بلایا تو وہ پاگلوں کی طرح بدحواس سی اُن کے قریب آ کر چُپ چاپ کھڑی ہو گئی۔ مکند لال نے بڑے رُعب سے کہا:۔

"ہماری راجکماری رتن بائی کہاں ہے۔؟"

سکینہ نے اپنی زبان کی طرف اشارہ کر کے ہاتھ ہلایا۔ جس کا مطلب تو یہ تھا کہ وہ ان کی زبان نہیں سمجھتی۔ لیکن مکند لال نے یہ سمجھا کہ وہ کہہ رہی ہے کہ میں گونگی ہوں، بول نہیں سکتی۔

مکند لال نے جب بآواز بلند دو بار راجکماری رتن بائی، راجکماری رتن بائی کہہ کر اپنے ہاتھ کو یوں حرکت دی جیسے کہہ رہا ہو کہ کہاں ہے تو سکینہ نے قدرے مطمئن ہو کر ہاتھ بڑھا کر مسند کے نیچے سے ایک رُقعہ نکالا اور مکند لال کے ہاتھ میں دے دیا۔ مکند لال نے رُقعہ کھول کر ہر چندر رائے کے سامنے کیا اور پھر دونوں اُسے پڑھنے لگے ——— ہر چندر رائے نے رُقعہ پڑھتے ہی ایک سرد آہ کھینچی اور کہا ———

"افسوس اے میری بدقسمت بیٹی! تیری بدقسمتی نے تو تیرے باپ کو کہیں منہ دکھانے کے قابل نہیں چھوڑا۔"

پھر ہرچندر رائے مکند لال سے مخاطب ہوا ——— "دیکھو ان ظالم مسلمانوں نے ہمیں کیا دھوکہ دیا۔ ہمیں صلح کا فریب دے کر یہاں سے ٹالا اور پھر ہمارے یہاں سے جاتے ہی راجکماری کو سواروں کے ساتھ قطب الدین ایبک کے پاس روانہ کر دیا۔ قطب الدین ایبک کسی دوسری ہندو راجدھانی پر حملہ کرنے کے لئے گیا ہے۔ یقیناً ان موذیوں نے راجکماری کو بھی اسی راجدھانی کی طرف روانہ کیا ہے۔"

"ہم تو سمجھ رہے تھے" ——— مکند لال نے کہا ——— "کہ ہم نے مسلمانوں کو صلح کی آڑ میں دھوکہ دیا ہے، لیکن اب پتہ چلا ہے کہ ہم خود دھوکہ کھا گئے ہیں۔"

"میرا خیال ہے کہ راجکماری کو روانہ کئے ابھی زیادہ وقت نہیں گزرا۔ اُسے صرف چار پانچ گھنٹے پہلے بھیجا گیا ہے۔ یقیناً وہ ابھی راہ میں ہو گی" ——— ہرچندر رائے نے کہا ——— "جس طرح ممکن ہو ہمیں یہاں سے نکل کر راجکماری کا تعاقب کرنا چاہیئے اور راہ میں انہیں جا لینا چاہیئے اور راجکماری کو مسلمانوں کی قید سے آزاد کرا لینا چاہیئے۔"

اگر تیز رفتاری سے راجکماری جی کا تعاقب کیا جائے تو ہم راستے ہی میں اُن تک پہنچ سکتے ہیں" ——— لال بہادر بولا ——— "ظاہر ہے مسلمان راجکماری جی کو ہوا کی طرح لے کر تو اُڑ نہیں جائیں گے۔"

"بس اب چلو، دیر نہ کرو" ——— ہرچندر رائے نے کہا ——— "اور اپنی فوج کو یہ سمجھا دو کہ لڑتے ہوئے قصر سے فوراً باہر نکلیں اور اپنی لشکر گاہ میں پہنچ جائیں۔"

اس وقت مایوسی نے بُری طرح ہرچندر رائے، مکند لال، لال بہادر اور دوسرے افسروں پر غلبہ پا لیا تھا۔ وہ لوگ جان ہتھیلی پر رکھ کر لڑتے مرتے قصر میں داخل ہوئے تھے اور یہاں بھی انہیں اپنے مقصد میں ناکامی ہوئی تھی۔ ہرچندر رائے فوراً حرم سرا سے

باہر آیا اور پھر قصرِ کمال میں گھسی ہوئی ساری ہندو فوج اکٹھی ہو کر قصر کے پھاٹک کی طرف بڑھی۔

اُدھر سردار نظام الدین، قصر کے پھاٹک پر اپنے تین سو سواروں کے ساتھ قلعہ اندرپرستھ کی اسلامی فوج کا منتظر تھا جو کسی بھی لمحہ پہنچ رہی تھی۔ جلد ہی قلعہ کی فوج آگئی تو سردار نظام الدین اپنی ساری فوج کے ساتھ ہندو سپاہ سے مقابلہ کے لئے قصرِ کمال میں داخل ہو گیا۔ ہندو سپاہ واپس جا رہی تھی کہ اس کا اسلامی فوج سے مقابلہ ہو گیا۔ مسلمان سپاہی، ہندوؤں کی اس جرأت پر سخت سیخ پا تھے، انہوں نے غضب کی جھنجھلاہٹ سے ہندوؤں کا راستہ روکا اور بڑے جوش و خروش سے ان پر ٹوٹ پڑے اور بڑھ بڑھ کر تلواریں ماریں۔ گو ہندو سپاہی اپنی ناکامی سے متاثر ہو کر سُست پڑ چکے تھے، لیکن اب سر توڑ کوشش کر رہے تھے کہ کسی طرح قصرِ کمال سے نکل جائیں اور اپنی لشکر گاہ میں پہنچ جائیں۔ چونکہ مسلمان بھی انہیں قصرِ کمال سے باہر نکال دینا چاہتے تھے، اس لئے ہندو سپاہی پیچھے ہٹتے ہوئے قصرِ کمال سے باہر نکل آئے۔ باہر نکل کر مکند لال نے پکار کر اپنی سپاہ سے کہا ——— "اگر اسی طرح سُستی سے کام رہے گے تو یہ سمجھ لو کہ سب کے سب اسی جگہ موت کے گھاٹ اُتر جاؤ گے۔ ہمت اور جرأت سے کام لو اور مڑک کو عبور کر کے اپنی لشکر گاہ میں پہنچو۔"

یہ سُن کر ہندو سپاہیوں نے پورے حوصلہ سے کام لیا اور لڑتے مرتے اس مڑک پر آ گئے جہاں کل دن بھر جنگ جاری رہی تھی۔ اس مڑک پر قلعہ اندرپرستھ کی فوج اور سردار نظام الدین کی سپاہ نے ہندوؤں کو اپنی تلواروں کی زد پر رکھ لیا۔ بڑی خونریزی ہوئی، ہزاروں ہندو موت کے گھاٹ اُتر گئے اور جو بچے وہ لڑتے ہوئے اور مسلمانوں کی صفوں کو چیرتے ہوتے اپنی لشکر گاہ میں پہنچ گئے۔ راجکماری رتن بائی بھی ہندوؤں کی اسی سپاہ میں تھی اور تلوار کھینچے ہوئے بڑی ہوشیاری اور چستی سے اپنی جان بچاتی ہوئی یہاں

تک پہنچ گئی تھی۔ اس دوران میدانِ کارزار میں کئی بار راجکماری، ہرچندر رائے کے سامنے آئی، لیکن کچھ تو رات کی تاریکی اور کچھ اپنی پریشانی اور بدحواسی کے تحت ہرچندر رائے نے اُسے مطلق نہ پہچانا، پھر وہ اسے پہچانتا بھی کیسے۔ اُسے تو راجکماری کی اپنی تحریر کے تحت یقین تھا کہ میری بیٹی قطب الدین ایبک کے پاس روانہ کر دی گئی ہے اور ابھی راہ میں ہے اور مجھے اس کا تعاقب کر کے اسے رہا کرانا ہے۔

راجکماری نے جب بھی اپنے غمزدہ والد کو دیکھا۔ اُس کی اداس صورت دیکھ کر محبت کے جوش سے آنکھوں میں آنسو بھر بھر لائی اور چاہا کہ دوڑ کر باپ کے گلے سے لپٹ جائے، مگر پھر سردار کمال کی محبت نے اُسے اپنے ارادہ کو عملی جامہ پہنانے سے باز رکھا اور وہ اپنی جان کی حفاظت میں مصروف رہی۔

ہرچندر رائے اور مکند لال بڑی مشکل سے اپنی بقیہ سپاہ کے ساتھ جس میں ایک بہادر دوشیزہ بھی شامل تھی، اسلامی فوج سے لڑتے مرتے اپنی لشکرگاہ میں آگئے جہاں انہوں نے ہزاروں خیمے کھڑے کر کے اپنا فوجی کیمپ قائم کر رکھا تھا —— لال بہادر اور سپاہ کا ایک حصّہ دفع الوقتی کے طور پر سڑک کے اطراف میں اسلامی فوج سے نبرد آزما رہا حتّٰی کہ رات کی تاریکی چھا گئی۔ اسلامی فوج قصر کی طرف لوٹ گئی اور لال بہادر ہندو سپاہ کو لے کر اپنے کیمپ میں آگیا، جہاں مکند لال کے حکم سے تھکے ماندے سپاہی خیموں میں آرام کرنے لگے، کیونکہ علی الصبح ان سپاہیوں کو تیار ہو کر راجکماری کے تعاقب میں روانہ ہونا تھا اور اُسے مسلمانوں کی قید سے چھڑانا تھا۔

راجکماری نے بھی ایک خیمہ پر قبضہ کر لیا اور اُس میں لیٹ کر آرام کرنے لگی۔ وہ بھی تھکی ماندی تھی، اس لئے پڑتے ہی سو گئی۔ علی الصبح جب ہندو لشکر میں ہلچل مچی ہوئی تھی اور فوج روانگی کی تیاریوں مصروف تھی، راجکماری نے بڑی ہوشیاری سے اصطبل میں بندھے ہزاروں گھوڑوں میں سے ایک گھوڑا کھولا اور اس پر سوار

ہو کر گھوڑے کو قدم بہ قدم چلاتی ہوئی کیمپ سے باہر آگئی۔ اس وقت روانگی کی تیاریوں کے تحت وہ ہنگامہ برپا تھا کہ کسی نے کسی جگہ بھی اسے نہ روکا نہ ٹوکا اور وہ کسی روک ٹوک کے بغیر کیمپ سے باہر نکلنے میں کامیاب ہو گئی۔

——— ⁂ ———

باب ۱۴

قطب الدین ایبک کی فتوحات

دارالحکومت اندرپرستھ کے قصرِ شاہی میں دربار منعقد ہوا۔ سلطان محمد غوری کے نمائندۂ ہند ملک قطب الدین ایبک ایک شاندار مسند پر بیٹھے ہیں اور ان کے پس پشت ترکی اور حبشی غلام زرق برق وردیوں میں ملبوس صف بستہ کھڑے ہیں۔ مسند کے قریب دستِ راست پر بہادر جانفروش افسران فوج اپنے اپنے مرتبہ اور درجہ کے مطابق یکے بعد دیگرے بڑے ادب و احترام سے خاموش بیٹھے ہوئے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جو اکثر میدانوں میں دادِ شجاعت وصول کر چکے ہیں اور ان کی تلواریں لشکرِ کفار کے سینکڑوں نامور بہادروں کو موت کی نیند سُلا چکی ہیں۔ آج کے منعقدہ دربار میں سردار کمال الدین سمرقندی کی غیر حاضری بُری طرح محسوس کی جا رہی ہے، لیکن چونکہ سب کو علم ہے کہ سردار کمال الدین فتح قنوج کے بعد سلطان غازی محمد غوری کی خواہش پر ملک قطب الدین ایبک کی اجازت سے انہیں غزنی جاتے ہوئے الوداع کہنے کے لئے لاہور تک گیا ہوا ہے، اس لئے اس کی عدم حاضری ناگزیر ہے۔

دربار میں علماء کی صف میں حسن النظامی مصنف "تاج المآثر" اور فخر الدین مصنف "تاریخ فیروز شاہی" کے علاوہ دوسرے علماء و فضلاء رونق افروز ہیں۔ ملک قطب الدین ایبک جو شعارِ اسلام کا پابند ہے، کمال سادگی سے مسندِ حکومت پر جلوس فرما ہے۔ ہندوستان کے اس واجب الاحترام حاکم کی سطوت اور جبروت کے سامنے ہندوستان

کے متعدد راجے مہاراجے سرنگوں ہو چکے ہیں۔ ابھی تک دربار میں ایک سکوت کا عالم طاری ہے کہ ایک بار بڑے متانت آمیز انداز سے ملک قطب الدین ایبک نے نظر اٹھا کر ایک طرف دیکھا۔ اس کے دیکھتے ہی ایک بزرگ اٹھے اور ایک خط پڑھنا شروع کیا، جس میں کہا گیا تھا کہ تھنکر، کالپور، بداؤں اور گجرات کے ہندو راجے مہاراجے بڑی تیزی سے مسلمانوں کے خلاف جنگی تیاریوں میں مصروف ہیں۔ علاوہ ازیں ان راجوں مہاراجوں نے اپنی بے گناہ مسلمان رعایا پر ظلم و ستم کا بازار گرم کر رکھا ہے۔ مسلمان رعایا کے ساتھ نہایت ظالمانہ برتاؤ کیا جاتا ہے۔ اور کوئی طریقہ دل آزاری کا ایسا نہیں جو ان کے ساتھ نہ برتا جاتا ہو، بسا اوقات مسلمانوں کو کسی بہانہ کی آڑ میں بڑی بے رحمی کے ساتھ قتل کر دیا جاتا ہے۔ ان راجاؤں کے علاقوں سے گزرنے والے مسلمان عرب سوداگروں کو گرفتار کر کے جس طرح ذلیل و خوار کیا جاتا ہے۔ اس سے بدرجہا اُن کے حق میں بہتر یہ تھا کہ وہ سب قتل کر ڈالے جاتے، ان راجاؤں اور ان کی ہندو رعایا کی نظروں میں سارے مسلمان محض اس لئے قابلِ گردن زنی ٹھہرتے ہیں کہ وہ ایک خدا کو مانتے ہیں، اور پیغمبرِ اسلام حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت ہیں اور یہ کفار خدائے وحدہٗ لاشریک اور اس کے رسولِ برحق محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بدترین دشمن بنے ہوئے ہیں۔

وہ بزرگ اتنا ہی خط پڑھنے پائے تھے کہ ملک قطب الدین ایبک نے بڑے جوش حمیت و غیرت سے اللہ اکبر اور لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کہا اور مسند سے اُٹھ کر کھڑا ہو گیا ——— یہ دیکھ کر سارے اہلِ دربار نے بھی یک زبان اللہ اکبر کہہ کر کلمہ پڑھا اور وہ بھی اپنی اپنی جگہ پر کھڑے ہو گئے۔ خدا جانے یہ کس قسم کا جوش تھا جو اس وقت ہر مسلمان کے دل میں پیدا ہو چکا تھا اور جس نے خصوصاً ملک قطب الدین ایبک کو اس قدر متاثر کیا کہ اُس نے فوراً حکم دیا کہ فوج کو ان کفار پر حملے کرنے کے لئے جلد سے جلد تیار کیا جائے۔

ملک قطب الدین ایبک ایک اولوالعزم، دُوراندیش اور بہادر حکمران تھا۔ اُس نے اہلِ دربار سے مخاطب ہو کر کہا ——— "میں اُس خدائے وحدہٗ لاشریک سے جس نے ہمیشہ اپنے سچے اور پسندیدہ دینِ اسلام کی مدد کر کے اُسے فتح بخشی ہے۔ امید رکھتا ہوں کہ وہ مجھے بھی اپنی تائید و مدد سے کامیابی بخشے گا اور میں جلد سے جلد ان سارے ہندو راجاؤں مہاراجاؤں سے بے گناہ مسلمانوں کا ایسا انتقام لوں گا کہ ہندو راجاؤں اور مہاراجاؤں کی نسلیں بھی قیامت تک اس واقعے کو یاد رکھیں گی۔"

"انشاء اللہ العزیز" ——— سارے درباریوں نے بڑے جوش و خروش سے کہا۔

اس کے بعد فوج کشی کے متعلق مناسب احکامات جاری ہوئے اور دربار برخاست ہوا اور ملک قطب الدین ایبک کے احکامات کی تعمیل میں بڑی سرگرمی کے ساتھ سارے سرداران لشکر انتظامات میں مشغول ہو گئے۔ دوسرے ہی روز سے فوج قلعہ اندرپرستھ میں جمع ہونا شروع ہو گئی۔ صرف دو روز کی قلیل مدت میں قریبی قلعوں سے فوجیں آ آ کر جمع ہونے لگیں۔ مسلمان مجاہدوں نے ہجوم در ہجوم آنا شروع کر دیا۔ قلعے میں فوج کی کثرت ہو گئی اور جگہ باقی نہ رہی تو قلعہ کے چاروں طرف کھلے میدانوں میں ہزاروں خیمے اور چھولداریاں لگی ہوئی نظر آنے لگیں۔ کہیں ایک قلعہ سے آیا ہوا رسالہ اترا ہے، کہیں دوسرے اور تیسرے قلعے کی پلٹنیں پڑی ہیں۔ کہیں پُرجوش مجاہدین اکٹھے ہیں اور حکومت کی طرف سے ان لوگوں کے ضروری مصارف کے لئے نقد و جنس کی تقسیم جاری ہے۔ مختلف اطراف سے قافلوں کی صورت میں ہزاروں اونٹ سامانِ رسد سے لدے ہوئے چلے آتے ہیں اور خصوصی انتظامات کے تحت اس سارے سامان کو ایک محفوظ جگہ میں جمع کیا جا رہا ہے۔ لوگ مختلف ٹولیوں کی صورت میں جگہ جگہ بیٹھے کفار کے خلاف جہاد کی باتیں کر رہے ہیں۔ سمجھدار، بہادر، تجربہ کار لوگ ہر مناسب موقع پر مختلف ٹولیوں میں پیش آمدہ جنگوں کے

متعلق پُرجوش تقریریں کر رہے ہیں، جن میں پیادہ و سواروں کو ثابت قدمی اور بہادری کا سبق دیا جا رہا ہے۔ معزز تجربہ کار افسر بڑی سرگرمی کے ساتھ شب و روز فوج کے کوچ کے انتظامات و اہتمام میں مصروف ہیں۔ ابھی ہر طرف سے فوجی سپاہیوں اور مجاہدین کی آمد کا سلسلہ جاری تھا کہ ایک صبح ملک قطب الدین ایبک مسلح ہو کر ایوانِ شاہی سے برآمد ہوا اور نصرٌ من اللہ و فتحٌ قریب کہہ کر گھوڑے پر سوار ہوا اور بڑے جاہ و جلال سے قلعہ سے باہر کی چلا۔ اس وقت کئی ہزار حفاظتی فوج کے سواروں کے وہ چیدہ چیدہ منتخب افسران فوج بھی ملک قطب الدین ایبک کی رکاب میں تھے۔ جن میں سے ہر ایک ذاتی شجاعت اور فنونِ جنگ میں یکتا شمار ہوتا تھا۔ سارے اراکین سلطنت اور بیشتر شرفائے دہلی اور اہلِ علم بھی مشایعت کے طور پر ہمراہ تھے جو والیٔ دہلی ملک قطب الدین ایبک کے ہمراہ پہلے پڑاؤ تک آئے۔

اولین پڑاؤ میں پہنچ کر ملک قطب الدین ایبک اپنے وسیع و عریض خیمے میں داخل ہوا، جو پہلے سے اس جگہ نصب کیا گیا تھا اور اچھی طرح سجا کر اس میں اجلاس دربار کے سارے لوازمات بھی فراہم کئے گئے تھے۔ جلد ہی ملک ایبک نے سارے اہلِ دربار اور فوجی افسروں کو طلب کر لیا۔ فوراً ہی سب حاضر ہو گئے تو ان میں سے ہر ایک کو اس کے اعزاز و اقتدار کے تحت مناسب جگہ پر بٹھا دیا گیا اور جب مقررہ ترتیب سے دربار قائم ہو گیا تو ملک قطب الدین ایبک نے اہلِ دربار سے مخاطب ہو کر کہا:۔

"غالباً آپ لوگوں نے مختلف ہندو علاقوں کے معتبر جاسوسوں کی اطلاعات پر مبنی وہ خط بغور سُن لیا تھا جو اُس روز سر دربار پڑھا گیا تھا۔ آپ نے خط کی عبارت سے خود اندازہ لگایا ہو گا کہ مختلف ہندو راجاؤں اور مہاراجوں کے علاقوں میں مسلمانوں کے ساتھ روا رکھے جانے والے ظالمانہ سلوک سے ہر مسلمان کے دل پر کیا اثرات مرتب ہوئے ہیں۔ میں خود اپنی ذات پر اس

کے مرتب کہ وہ اثرات کے تحت کہتا ہوں کہ ہر وہ مسلمان جس کے کانوں تک یہ واقعات پہنچے ہیں، اب صرف یہی آرزو کرتا ہوگا کہ یا تو ظالم دھوکہ باز ہندوؤں سے پورا پورا انتقام لینے میں کامیابی حاصل کرے یا انتقام لینے کی کوششوں میں خود اپنا خاتمہ کرلے۔"

ملک قطب الدین ایبک نے قدرے توقف کے بعد دوبارہ کہا:۔

"مجھے اپنی مالی، جسمانی اور عسکری قوت پر اعتماد نہیں ہے بلکہ مجھے اس نصرتِ الٰہی پر مکمل اعتماد ہے جو ہمیشہ مسلمانوں کو حاصل رہی ہے۔ مجھے بخوبی علم ہے کہ حق کو کبھی شکست نہیں دی جاسکتی۔ اس لئے میرے ارادے جواں اور حوصلے بلند ہیں۔ بلاشک وشبہ مجھے اپنے ارادوں میں کامیابی حاصل ہوگی اور پلید ولعین مشرکوں سے ان مظلوم مسلمانوں کا کما حقہٗ انتقام لوں گا۔ الحمدللہ کہ میرے دل میں اپنی مملکت کو وسعت دینے اور مال و دولت حاصل کرنے کی تمنّا نہیں ہے۔ بلکہ میری خالص نیت یہ ہے کہ مظلوم مسلمانوں کی مدد وحمایت کروں اور انہیں ناپاک کافروں کے ظلم وستم سے تحفظ دوں اور بے گناہ مسلمانوں کو اُن کی قید سے رہا کراؤں۔۔۔۔!

"اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ بار شکر ہے کہ اس وقت مجھے ان گنت مسلمان اپنے بھائیوں کی مدد کے لئے تیار اور خلوصِ دل کے ساتھ مستعد نظر آرہے ہیں۔ سب مسلمانوں کے دل یکساں اخوتِ اسلامی کے جوش سے بھرپور ہیں اور سب کی ایک ہی غرض وغایت ہے کہ مقتول مسلمان بھائیوں کا انتقام لیں۔ میں سچّے دل سے آپ کو یہ بات بتا رہا ہوں کہ اگر خدانخواستہ اس معاملے میں کوئی بھی میرا ساتھ نہ دیتا تو بھی میں اپنے ارادے میں ہرگز تبدیلی نہ کرتا۔ لازماً میرا دلی جوش مجھے تنہا ہندوؤں کی صفوں کے سامنے لے جاکر کھڑا کر دیتا

اور گو اس کا انجام اور نتیجہ کچھ بھی ہوتا مگر یہ ضرور ثابت ہوجاتا کہ ایک مسلمان اپنے بھائی مسلمان اور اپنے دینِ مبین اسلام کے لئے اپنی جان کی بازی تک لگا دیتا ہے اور موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بھی مسکراتا ہے۔"

"جس روز سے مجھے ہندو راجاؤں کے علاقوں میں مسلمانوں پر روا رکھے جانے والے مظالم اور بے گناہ مسلمان سوداگروں کی قید وبند اور قتل کا حال معلوم ہوا ہے۔ میں اپنی دلی کیفیت کا اظہار کرنے سے قاصر ہوں۔ اُس دن سے میری کیفیت تو یہ ہے کہ مجھ کو ایک ایک گھڑی ایک ایک سال سے زیادہ کی معلوم ہوتی ہے۔ میری خواہش ہے کہ جس قدر جلد ممکن ہو سکے میں اپنے مصیبت میں مبتلا غم زدہ مسلمان بھائیوں کی امداد کے لئے پہنچوں اور ناپاک عہد شکن ظالم ہندو راجاؤں کو ان کی بداعمالیوں کی قرار واقعی سزا دوں۔"

یہ سُن کر درباریوں میں سے ایک بزرگ اُٹھے اور بولے:۔

"حضور کی اقبال مندی کے سبب اس وقت تیس ہزار سے زائد سرفروش مجاہد یہاں جمع ہیں اور ابھی ہر طرف سے مسلسل مجاہد آرہے ہیں۔ سارا ضروری سامانِ جنگ اور رسد بھی مہیّا ہے۔ حضور نے جب سے حکم دیا ہے، ہم خانہ زادوں نے اسی لمحہ سے شب و روز کی کوششوں سے اس قدر سامانِ جنگ اور فوج صرف چار یوم میں جمع کرلئے ہیں جو دوسرے مہینوں کی مسلسل کوششوں سے جمع کرسکتے۔ اب ہمیں نہ تو کسی کا انتظار ہے اور نہ کوئی فکر ہے، اس لئے حضور کا حکم ہو تو فوجیں آگے بڑھیں اور کفار پر ٹوٹ پڑیں۔"

"الحمدللہ کہ میرے بہادر وفادار سردارانِ لشکر نے میرے حکم کی بڑی خوش اسلوبی سے تعمیل کی ہے" ——— ملک قطب الدین ایبک نے کہا ——— "واقعی اس قدر جلدی اتنی فوج اور سامانِ جنگ مہیّا کرنا آپ لوگوں ہی کا کام ہے۔ اب آپ لوگ

مجھے یہ مشورہ دیں کہ ہم اب اپنی فوج کو کس ترتیب سے اور کس سمت بڑھائیں"؟

"حضور! ہم سب خانہ زادوں نے آج صبح متفقہ طور پر یہ رائے قائم کی تھی" ——— اُسی بزرگ نے دوبارہ کہا ——— "کہ اگر حضور منظور فرمائیں کہ یہیں سے کُل فوج کوچ کرے اور تھنکر[1]، کالیور[2] اور بداؤں[3] کو بھی فتح کرے اور کالنجر[4] و تین[5] پر بھی حملے کرے"۔

"مجھے آپ سب کی اس رائے سے اتفاق ہے" ——— ملک قطب الدین ایبک نے کہا ——— "آج تم لوگ بقیہ انتظامات مکمل کر لو، کل صبح ہم یہاں سے روانہ ہوں گے"۔

دوسرے روز نمازِ صبح کی ادائیگی کے بعد ملک قطب الدین ایبک کی زیرِ قیادت لشکرِ اسلام روانہ ہو گیا۔

ملک قطب الدین ایبک کی فوج کے کئی ہزار سپاہی بڑے جفاکش اور مشقت کیش تھے، کیونکہ یہ پہاڑی علاقے سے تعلق رکھتے تھے۔ ملک قطب الدین ایبک نے ان سپاہیوں پر مشتمل حفاظتی فوج کے کئی دستے بنا رکھے تھے، یہ ملک ایبک کے ایسے حفاظتی دستے تھے جو پیش قدمی کرتے تھے تو پھر کہیں نہ رُکتے تھے اور واضح فتح حاصل کر کے ہی دم لیتے تھے۔

ملک قطب الدین ایبک کی فوج نے قلعہ تھنکر پر حملہ کر کے اسے فتح کر لیا۔ کالیور کی فتح کے بعد قطب الدین ایبک کی فوجیں بداؤں کی طرف بڑھیں، جو ہندوستان کے

۱۔ عہدِ جہانگیر میں بیانہ نام تھا۔
۲۔ گوالیار۔
۳۔ بدایوں
۴۔ گڑھی کالنجر (بندھیل کھنڈ)
۵۔ انہواڑہ (واقع گجرات)

شہروں میں امیر ترین شہر شمار ہوتا تھا، یہاں راشٹر کوٹ (راجپوت) خاندان کا راجہ حکمران تھا۔ ایبک نے اسے شکست دے کر بداؤں پر قبضہ کر لیا۔

ملک قطب الدین ایبک نے بنارس پر بھی دوبارہ حملہ کیا، کیونکہ یہ پہلی بار فتح ہونے کے بعد دوبارہ کفار کے قبضہ میں چلا گیا تھا۔ اس نے دوبارہ بنارس پر قبضہ کر لیا۔ چندوارہ (قنوج) میں بھی راجپوتوں کو دوبارہ شکست دی گئی اور اس پر قبضہ کر لیا گیا۔ اس نے مالوہ بھی روند ڈالا اور کالنجر پر چڑھائی کر دی۔ کالنجر بندھیل کھنڈ کے فوجی صدر مقام کی حیثیت رکھتا تھا۔ یہاں چندیل خاندان کے راجہ پرمادی دیو کی حکمرانی تھی۔ چندیلوں نے حوصلے برقرار رکھے اور بڑی بہادری سے مقابلہ کیا۔ ملک قطب الدین ایبک نے قلعہ کالنجر کا محاصرہ کر لیا۔ راجہ صلح کرنے کے لئے تیار ہو گیا تھا، لیکن وہ مر گیا۔ اس کی موت کے بعد بھی مقابلہ جاری رکھا گیا۔ لیکن آخر کار چندیلوں نے مجبوراً صلح کی درخواست کی۔ کیونکہ جاسوسوں کی اطلاع پر شہر کا پانی بند کر دیا گیا تھا، جس سے محصورین کی بُری حالت ہو گئی تھی۔ لشکرِ اسلام کو نصرتِ الٰہی سے کالنجر مہوبا اور کھجوراہو پر قبضہ کرنے کا موقع مل گیا۔ یہاں سے ایبک کو بہت زیادہ مالِ غنیمت ملا تھا اور ہزاروں کفار قید ہوئے تھے۔

قبل ازیں سلطان محمد غوری نے گجرات میں واگیل خاندان کے راجہ بھیم ثانی کی حکومت کے صدر مقام انہلواڑہ (پٹن) پر حملہ کیا تھا، تو شکست کھائی تھی اور لشکرِ اسلام کو پسپا ہو کر شدید نقصان برداشت کرنا پڑا تھا اور سلطان محمد غوری غزنی لوٹ گیا تھا۔

اب قطب الدین ایبک نے گذشتہ شکست کا انتقام لینے کے لئے گجرات پر چڑھائی کر دی اور راجہ بھیم ثانی کے صدر مقام کو روند ڈالا۔ راجہ بھیم کے "پیناپتی کنور پال" کو میدانِ جنگ میں قتل کیا اور راجہ کے اکثر علاقوں کو تاخت و تاز کا نشانہ بنا کر راجہ کی

گوشمالی کی اور کثیر مالِ غنیمت حاصل کیا۔

ملک قطب الدین ایبک کی ان فتوحات سے سارے ہندوستان کی ہمتیں شکستہ ہوگئیں۔ مسلمانوں کی کامیابیوں کا ایک نتیجہ تو یہ نکلا کہ سینکڑوں قیدی مسلمانوں کو رہائی ملی۔ دوسرے ہندو راجاؤں اور مہاراجاؤں کے دل ٹوٹ گئے اور ہمتوں نے جواب دے دیا، جس کے سبب آئندہ کے لئے انہوں نے بے گناہ مسلمانوں کو ستانے سے ہاتھ اٹھالئے۔

اس کے بعد ملک قطب الدین ایبک کثیر مالِ غنیمت لے کر ہانسی کے راستے دہلی کی سمت روانہ ہوا۔

———— ؛ ————

باب ۱۵

پُراسرار بوڑھا

قنوج کی شاندار فتح کے بعد سلطان غازی محمد غوری کی خواہش کے تحت سردار کمال الدین سمرقندی اس کے ساتھ لاہور پہنچا تو راجکماری سے کئی روز کی جُدائی اسے انگاروں پر لوٹا رہی تھی، وہ ملک قطب الدین ایبک کے حکم کی تعمیل میں سلطان محمد غوری کو رُخصت کرنے کے لئے لاہور تک آگیا تھا۔ سلطان محمد غوری نے لاہور میں ایک روز رُک کر غزنی جانے کے لئے درّۂ خیبر کو عبور کرنا تھا۔ سلطان لاہور میں رُکا ہوا تھا کہ سردار کمال نے مناسب موقع پاکر آداب فرمانبرداری بجالاتے ہوئے استدعا کی کہ اگر سلطان پسند فرمائیں تو وہ اپنے دستہ فوج کے ساتھ دہلی لوٹ جائے۔

سلطان محمد غوری اس کی شجاعت و بہادری کو چندرواڑہ کے میدانِ کارزار میں اپنی آنکھوں سے دیکھ چکا تھا اور واپس غزنی جاتے ہوئے اس سے اپنے ایک مصاحب کی حیثیت سے تقریباً روزانہ ہی گفتگو کرتا رہا تھا اور اس کی فہم و فراست کو دل ہی دل میں سراہتا رہا تھا۔ گو سلطان غوری کی خواہش تھی کہ سردار کمال اس کے ہمراہ غزنی چلے اور ہمیشہ اس کی مصاحبت میں رہے، لیکن وہ اُس کی خلافِ مرضی اُسے اپنا مصاحب بنا کر غزنی میں رکھنا نہیں چاہتا تھا۔ سلطان نے اشاروں کنایوں میں کمال پر اپنی اس خواہش کا اظہار کیا تھا تو اس نے بڑی عاجزی کے ساتھ سلطان پر ظاہر کیا

تھا کہ وہ اپنے نجی حالات کے تحت فی الحال سلطان کے ساتھ غزنی جانے سے معذور ہے۔ البتہ آئندہ کسی مناسب موقع پر سلطان کی خدمت میں غزنی حاضر ہونے کا شرف ضرور حاصل کرے گا اور سلطان کی مصاحبت کو اپنے لئے اعزاز سمجھے گا۔

جب سلطان غازی محمد غوری نے اسے بخوشی واپس دہلی جانے کی اجازت دے دی تو سردار کمال اپنے دستہ فوج کے ساتھ لاہور سے روانہ ہوا اور بڑی تیز روی کے ساتھ راہ طے کرتا چلا حتّٰی کہ کئی روز کے بعد سردار کمال کا مختصر سا لشکر قلعہ بتدہندہ[1] کے قریب پہنچ گیا۔

ان ایّام میں قلعہ بتدہندہ پر پرتھوی راج چوہان کے خاندان کا ایک آدمی قابض تھا۔ ۵۸۷ ہجری میں سلطان محمد غوری نے لشکرِ اسلام کے ساتھ قلعہ بتدہندہ پر حملہ کیا تھا اور اسے فتح کر کے ملک ضیاء الدین قاضی محمد عبدالسّلام نسادی تولکی کے سپرد کر دیا تھا۔ علاوہ ازیں بارہ سو تولکیوں کو بھی قلعہ بتدہندہ میں مامور کیا تھا اور قلعہ بندی کے سارے وسائل بھی فراہم کر کے ان کے سپرد کر دیئے تھے۔

اس کے بعد سلطان غوری واپس جانے کو تھا کہ اسے پتہ چلا کہ پرتھوی راج اپنے لشکرِ جرّار کے ساتھ اس کے مقابلے کے لئے آ رہا ہے۔ چنانچہ ترائن کی پہلی جنگ میں جب سلطان محمد غوری کو پرتھوی راج چوہان کے مقابلہ میں شکست ہو گئی تو پرتھوی راج نے سلطان غوری کے لشکر کا پیچھا کرنے کی بجائے قلعہ بتدہندہ کو جا گھیرا، جہاں ملک ضیاء الدین تولکی اور بہادر تولکیوں نے قلعہ بند ہو کر مسلسل تیرہ ماہ تک اس کا مقابلہ کیا اور آخر کار سامانِ رسد کی کمی اور کسی امدادی فوج کے نہ پہنچنے کے سبب مجبور ہو کر ہتھیار ڈال دیئے اور قلعہ بتدہندہ کو خالی کر دیا۔ اس وقت سے اس پر پرتھوی راج کا خاندان قبضہ کئے

---

[1] بٹھنڈہ

بیٹھا تھا۔ ۵۸۸ ہجری میں ترائن کی دوسری جنگ میں فتحیابی اور پرتھوی راج کو جہنم رسید کرنے کے بعد سلطان غوری نے قلعہ سرستی اور ہانسی کو فتح کیا تھا۔ پرتھوی راج کے پایۂ تخت اجمیر کو تاخت و تاراج کیا تھا، لیکن قلعہ بتدہندہ کو نظر انداز کر دیا تھا، نتیجہ میں وہاں پرتھوی راج کا خاندان جوں کا توں قابض رہا، سردار کمال قلعہ بتدہندہ کے قریب سے چپ چاپ گزر کر دہلی کی طرف بڑھ گیا۔ کئی روز کی مسافت کے بعد ایک شام سردار کمال کا لشکر دہلی سے بیس میل کی مسافت پر پہنچا تو سردار کمال نے یہاں سے آگے بڑھنا مناسب نہ سمجھا اور حکم دے دیا کہ آج لشکر یہیں مقیم رہے گا۔ یہ حکم سُنتے ہی سوار گھوڑوں سے اُتر پڑے اور جلد ہی اس جگہ خیمے ہی خیمے نظر آنے لگے، فوج خیمہ زن ہوئی اور سب سوار اطمینان کے ساتھ شب بسری کے لئے لیٹ گئے۔ سردار کمال اپنے ایک افسر کے ساتھ ابھی لشکر گاہ کے عین وسط میں واقع اپنے خیمہ میں داخل ہونا ہی چاہتا تھا کہ یکایک ایک وحشت زدہ سا بوڑھا آدمی اس کے قریب آ گیا اور سلام کے لئے جُھک گیا۔ سردار کمال نے حیرت سے اس کی صورت دیکھی اور سردار کمال کے ہمراہی افسر نے اس بوڑھے سے پوچھا کہ "وہ کیا کہنا چاہتا ہے"؟

"حضورِ عالی! مجھے آپ کی خدمتِ اقدس میں ایک نہایت ضروری بات عرض کرنا ہے" ـــــــ بوڑھے شخص نے کہا۔

"مناسب ہے جو کچھ کہنا چاہتے ہو کہو" ـــــــ افسر نے کہا۔

"حضورِ عالی! گو میں ایک آزاد منش فقیر ہوں اور دُنیا کے جھگڑوں بکھیڑوں سے الگ رہ کر زندگی بسر کر رہا ہوں" ـــــــ بوڑھے شخص نے کہا ـــــــ "لیکن میں آپ کی رعایا میں بھی شامل ہوں، اس لئے مجھ پر یہ فرض عاید ہوتا ہے کہ جہاں تک ممکن ہو حضور کی خیر خواہی کو مقدم رکھوں"۔

"بے شک تمہیں ایسا ہی طرزِ عمل اختیار کرنا چاہیئے" ـــــــ افسر نے کہا

——— "مگر اب تم اپنا مقصد و مدعا بیان کرو، کیونکہ اس وقت ہم بہت مصروف ہیں۔"

"جناب عالی! میں کسی ذاتی مقصد و مدعا کے لئے حاضر خدمت نہیں ہوا" ——— بوڑھے شخص نے کہا ——— "نہ میرے پیش نظر کوئی ذاتی مالی مفاد ہے۔ میں بڑی مشکل سے کئی منزل کا سفر کر کے آپ کو ایک ضروری خبر سے مطلع کرنے حاضر ہوا ہوں۔"

"جو بھی بات ہے" ——— افسر نے کہا ——— "اُسے فوراً بیان کرو خواہ مخواہ طویل تقریر نہ کرو۔"

"حضور! کیا آپ ہرچندر رائے سابق والیٔ میرٹھ سے واقف ہیں؟" ——— بوڑھے نے کہا۔

یہ سُن کر سردار کمال نے چونک کر کہا ——— "ہاں میں اس سے بخوبی واقف ہوں لیکن تمہارا اس سے کیا تعلق ہے؟"

"حضور! مجھے جو بات عرض کرنا ہے" ——— بوڑھے نے کہا ——— "اور جو عرض کرنے میں دوڑا دوڑا آیا ہوں، ہرچندر رائے ہی سے متعلق ہے۔ کئی روز ہوئے وہ ہندو فوج لے کر قلعہ بداؤں سے نکلا تھا اور اس کا ارادہ قلعہ اندر پرستھ کے قریب قصرِ کمال پر حملہ کرنے کا تھا۔ میں نے خیال کیا کہ شاید حضور لاعلم ہوں اور اچانک ہندو فوج وہاں پہنچ جائے۔ بس یہی بات تھی جو مجھے عرض کرنا تھی۔ میں نے اپنا فرض پورا کر دیا اب میں رخصت کی اجازت چاہتا ہوں۔"

"یہ بھی خوب رہی تم ہمارے لئے اتنی تکلیف اٹھاؤ" ——— سردار کمال نے کہا ——— "خیر خواہی اور وفاداری کا ایسا شاندار مظاہرہ کرو اور ہم تمہاری خاطر تواضع اور مہمان نوازی بھی نہ کریں، یہ اخلاق و مروّت کے خلاف ہے۔ آج ہمارے مہمان بنو کل روانہ ہو جانا۔"

حضور! اب تو مجھے اجازت ہی بخشیں" ——— بوڑھے نے ہاتھ جوڑ کر کہا ——— "مجھے تو آپ میری اسی آزادانہ روش پر چلنے دیں۔"

"اس میں تمہارا کوئی حرج نہ ہوگا۔ آج ہمیں مہمان نوازی کا موقعہ دو" ——— افسر نے کہا ——— "کل چلے جانا، ہمارے سردارِ اعلیٰ کی یہی مرضی ہے، مان جاؤ۔"

"ہاں ایک روز ضرور رُک جاؤ" ——— سردار کمال نے کہا ——— "اسی وقت تمہاری روانگی ہمارے لئے نامناسب اور بعید از اخلاق ہوگی۔ علاوہ ازیں میں تم سے کچھ اور بھی پوچھنا چاہتا ہوں۔"

"اگر آپ کی یہی خوشی ہے تو میں کوئی عذر نہیں کرتا" ——— بوڑھے شخص نے کہا ——— "میں آپ کے حکم کی تعمیل کرتا ہوں اور اس اعزاز پر خوش ہوں جو مجھے آپ مہمان بنا کر بخش رہے ہیں۔"

"یہ بتاؤ" ——— سردار کمال نے پوچھا ——— "تمہیں یہ بات کیسے معلوم ہوئی؟"

"میں ایک پروہت ہوں، دُنیا داری سے میرا کوئی تعلق نہیں۔ میں طویل عرصہ سے میرٹھ اور دہلی کے درمیان واقع ایک مندر میں زندگی کے دن پورے کر رہا ہوں۔ کچھ عرصہ قبل میں بداؤں کے بڑے مندر کے ایک اپنے آشنا منہت کے بلاوے پر وہاں گیا تھا اور واپسی کے وقت مجھے ایک رات قلعہ بداؤں میں گزارنے کا اتفاق ہوا تھا، بس وہیں سے یہ خبر معلوم ہوئی۔ فوج میں یہ مشہور تھا کہ سردار کمال الدین سمرقندی کی قیام گاہ قصرِ کمال میں میرٹھ سے لُوٹا ہوا سارا خزانہ موجود ہے جو حاکمِ اعلیٰ ملک قطب الدین ایبک سے چھپا کر وہاں رکھا گیا ہے۔ شاید اسی خزانے کو حاصل کرنے کیلئے ہرچندر رائے نے قصرِ کمال کا قصد کیا ہوگا۔"

"کیا تمہارے سامنے ہرچندر رائے قلعہ بداؤں سے روانہ ہوا تھا" ——— سردار

کمال نے پوچھا۔

"جس روز قلعہ بداؤں سے میری روانگی ہوئی، اسی روز ہرچندر رائے بھی وہاں سے چل پڑا تھا۔ اُس وقت اُس کے ہمراہ چند ہزار فوج تھی۔ اس نے یہ حکم بھی دیا تھا کہ اُس کی روانگی کے ایک روز بعد مزید کئی ہزار فوج اس کی مدد کے لئے بھیج دی جائے" ——— بوڑھے شخص نے کہا ——— "حضور! میں چار پانچ میل تو اس فوج کے ساتھ آیا تھا، بعد میں ہمارے راستے الگ الگ ہوگئے۔ قلعہ بداؤں سے ہماری روانگی کے صرف چار روز بعد سارے علاقہ میں یہ خبر گشت کر رہی تھی کہ ملک قطب الدین ایبک لشکرِ اسلام کے ساتھ جلد ہی قلعہ بداؤں پر حملہ کر رہے ہیں اور حضور یہ خبر درست ثابت ہوئی۔ دو چار روز بعد لشکرِ اسلام نے قلعہ بداؤں پر حملہ کر کے اُسے فتح کر لیا، لیکن میرا خیال ہے کہ ہرچندر رائے کی امدادی فوج وہاں سے روانہ ہو چکی ہوگی، جب قلعہ بداؤں پر مسلمانوں کا حملہ ہوا ہوگا۔"

"تمہیں کس نام سے پکارا جاتا ہے"؟ ——— سردار کمال نے پوچھا۔

"حضور! میرا نام ماتا دین ہے۔"

سردار کمال نے ایک غلام کو اشارے سے بلا کر کہا ——— "غوث! یہ بڑے میاں ہمارے مہمان ہیں، ان کو میرے خیمہ کے قریب کسی خیمہ میں ٹھہراؤ اور ان کے لئے کھانے پینے اور آرام و آرائش کی ساری چیزیں فراہم کر دو، دو خدمت گار ان کی خدمت میں ہر وقت حاضر رہیں۔"

یہ حکم ملنے پر غوث تو پروہت کو اپنے ہمراہ لے کر روانہ ہو گیا۔ سردار کمال نے خیمے میں داخل ہو کر تلوار کمر سے کھول کر خادم کو دی اور خود ایک مسند پر بیٹھ گیا۔ وہ افسر جو کمال کے ساتھ تھا، ایک دوسری مسند پر مؤدب بیٹھ گیا۔ سردار کمال کے چہرے کی رنگت بدل گئی تھی۔ پتہ چلتا تھا کہ بوڑھے پروہت کی باتوں نے اُسے بے حد متاثر کیا ہے۔ کیونکہ بظاہر کوئی

دوسری وجہ اس کی پریشانی کی موجود نہیں تھی۔ اس کا ساتھی افسر اس کے راز سے واقف تھا اور جس خیال نے سردار کمال کو فکرمند کر دیا تھا۔ اُسی خیال نے اُس افسر کو بھی فکر و تردد میں مبتلا کر دیا تھا۔ دونوں خاموش بیٹھے تھے اور دونوں کے چہرے اس کا اظہار کر رہے تھے کہ دونوں کی پریشانی میں لمحہ بہ لمحہ اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔ دس بارہ منٹ دونوں اسی عالم میں حیران و پریشان سے خاموش بیٹھے رہے۔ پھر اس افسر نے اپنی مسند سے سردار کمال کی طرف جھک کر آہستہ سے کہا ——— "جناب! فکر و تردد سے یہ مسئلہ حل نہ ہوگا۔ یہ معاملہ بخیر و خوبی طے کرنے کے لئے جلد سے جلد اقدام کی ضرورت ہے۔ کوئی منصوبہ ترتیب دیں تاکہ اس پر عمل کیا جائے۔"

"ہاں میں خود اسی فکر میں مبتلا ہوں" ——— سردار کمال نے کہا ——— "کہ کیا کیا جائے، میری یہ غلطی تھی کہ میں نے لاہور پر دہلی کو ترجیح دی۔"

"نہیں آپ نے کوئی غلطی نہیں کی" ——— افسر نے کہا ——— "آپ نے ٹھیک سوچا تھا، لیکن یہ بالکل اتفاق ہے، کبھی جو سوچا جائے اس کے برعکس بھی ہو جاتا ہے۔"

"خیر اگر ہرچندر رائے سے مقابلہ ہوا تو ہم انشاء اللہ العزیز اسے شکست دیں گے" ——— سردار کمال نے کہا ——— "لیکن میں حیران ہوں کہ آخر اس پروہت کو ہم سے کیوں ہمدردی ہو گئی ہے۔"

"جناب بظاہر تو یہ لوگ مذہبی آدمی ہوتے ہیں" ——— افسر نے کہا ——— لیکن ان کی اکثریت پوری دنیادار اور حریص ہوتی ہے۔ یقیناً اس بوڑھے پروہت نے بھی یہ کام مالی لالچ کے تحت کیا ہے۔"

"بھئی اس کی یہ اطلاع واقعی ایسی ہے" ——— سردار کمال نے کہا ——— "کہ اسے انعام دیا جائے، میں اسے انعام دوں گا۔"

"وہ بہت خوش ہوجائے گا" ـــــــ افسر نے کہا ـــــــ "اسی لئے تو بچارے نے اس قدر بھاگ دوڑ کی ہے۔"

"اچھا اب ہم کھانا کھا لیتے ہیں" ـــــــ سردار کمال نے کہا ـــــــ "اس کے بعد تمہیں ایک منصوبہ بتاؤں گا۔"

اس کے بعد وہ دونوں دوسرے خیمے میں گئے۔ خادموں نے دسترخوان بچھا کر کھانا چُنا جو دونوں نے کھایا۔ کھانے سے فراغت کے بعد دونوں پہلے خیمے میں آکر بیٹھے، تو سردار کمال نے کہا:۔

"میرا خیال ہے کہ میں دو گھنٹے بعد ایک سو جانفروش سواروں کے ساتھ یہاں سے دہلی روانہ ہوجاؤں اور بڑی تیز رفتاری سے اپنا سفر طے کروں، تم بھی نصف رات گذرنے کے بعد ساری فوج کے ساتھ دہلی کی طرف چل پڑو اور جلد سے جلد وہاں پہنچنے کی کوشش کرو۔"

قدرے توقف کے بعد سردار کمال نے اپنی گفتگو جاری رکھی ـــــــ "میں کافی سوچ بچار کے بعد یہ منصوبہ بنا سکا ہوں، اس بارے میں تمہاری کیا رائے ہے۔"؟

"میں آپ سے متفق ہوں" ـــــــ افسر نے کہا ـــــــ "اور ابھی لشکر کو اس کی اطلاع دے دیتا ہوں تاکہ تیاریوں میں زیادہ وقت بھی ضائع نہ ہو اور سپاہی آرام کرکے تازہ دم بھی ہولیں۔"

وہ افسر السّلام علیکم کہہ کر رخصت ہوا تو سردار کمال فکر و تردّد میں غرق اپنے دل میں سوچنے لگا:۔

"یہ غلط ہے کہ ہرچند رائے نے خزانہ کے لالچ میں قصرِ کمال پر حملہ کیا ہے۔ غالباً اصل بات کو چھپانے کے لئے یہ بات مشہور کی گئی ہے۔ قصرِ کمال پر ہرچند رائے کا حملہ اس کا

ثبوت ہے کہ انہیں یہ اطلاع ہوگئی ہے کہ راجکماری رتن بائی وہاں مقیم ہے۔ بلاشک و شبہ یہی بات ہے۔ مگر حیرت ہے کہ اس خفیہ معاملہ کی اُسے کیونکر خبر ہوگئی۔ یقیناً وہ راجکماری کو وہاں سے لے جانا چاہتے ہیں۔ خیر یہ ان کی غلط فہمی یا خوش فہمی ہے۔ اب وہ راجکماری کو میرے قصر سے نہیں لے جا سکتے۔ جب راجکماری خود اُن کے پاس جانے کے لئے رضامند نہیں ہے اور سچے دل سے مجھے چاہتی ہے تو اس صُورت میں یہ کیونکر ممکن ہے کہ ہرچند رائے اُسے زبردستی اپنے ہمراہ لے جائے۔ ہاں اگر راجکماری اپنی مرضی سے انکے پاس جانا چاہے تو میں اُسے ہرگز نہ روکوں گا۔ میں اس کی خوشی کے خلاف کچھ نہیں کر سکتا۔ لیکن جب وہ خود مجھ سے جُدا ہونا پسند نہیں کرتی اور کچھ کچھ دینِ حق اسلام کی طرف راغب ہے تو پھر ہرچند رائے یا کوئی دوسرا اُسے کیسے لے جا سکتا ہے۔ یہ ہندوؤں کی شامت اعمال ہے جو انہیں خواہ مخواہ دَر دَر کی خاک چھنوا رہی ہے۔ اگر انہیں راجکماری کی موجودگی کی اطلاع مل گئی تھی تو ان کا فرض تھا کہ پہلے مجھ سے نامہ و پیام کرتے، یہ تو پوچھتے کہ کیا راجکماری اپنی مرضی سے تمہارے پاس مقیم ہے یا تم نے اسے زبردستی رکھا ہوا ہے۔ ان کی یہ حرکت غیر مناسب ہے کہ اُٹھے اور چڑھ دوڑے۔ اس طرح تو وہ راجکماری کو کبھی بھی نہ لے جا سکیں گے۔ ہرچند رائے سے میرا مقابلہ ہوا تو اسے پتہ چل جائے گا کہ مسلمان کس قدر بہادر و شجاع ہیں۔

مگر ایک سخت مشکل درپیش ہے کہ کہیں اس مقابلے سے راجکماری کے نازک دل کو ٹھیس نہ پہنچے۔ کچھ بھی ہو آخر ہرچند رائے اس کا باپ ہے۔ خیر جب اس سے ملاقات ہوگی تو میں اُسے سمجھاؤں گا کہ جنگ کے سوا کوئی چارہ کار نہ تھا۔ راجکماری ایک سمجھدار خاتون ہے، یقیناً میری مجبوری کو سمجھ جائے گی۔ لیکن یہ ضرور ہے کہ خواہ کچھ بھی صورتِ احوال ہو، مجھے ہرچند رائے کو قتل نہیں کرنا چاہیئے۔ میں راجکماری کے پاسِ خاطر کو ملحوظ رکھتے ہوئے میدانِ کارزار میں ہرچند رائے کو قدرے تحفظ دوں گا، اسے زندہ گرفتار کرنے

کی کوشش کی جائے گی۔

سردار کمال کو اسی سوچ بچار میں دو گھنٹے گذر گئے تو وہی افسر خیمے میں داخل ہوا اور اطلاع دی کہ ایک سو جانباز روانگی کے لئے بالکل تیار کھڑے ہیں۔ یہ سُن کر سردار کمال نے اس بوڑھے پروہت کو طلب کیا اور اصرار کر کے اسے دو سو دینار دیئے اور کہا کہ وہ پسند کرے تو ان کے ہمراہ دہلی چلے۔

اس کے جواب میں بوڑھے پروہت نے کہا ——— "حضور! میں یہاں سے سیدھا لاہور جاؤں گا، وہاں مجھے اپنے ایک دیرینہ دوست سے ملنا ہے، جس سے مدّت سے ملاقات نہیں ہوئی۔ پھر اصل بات یہ ہے کہ جب تک اس علاقے میں جنگ وجدل کا بازار گرم رہے گا میں لاہور ہی میں مقیم رہوں گا۔ امن وامان کی بحالی کے بعد لوٹ آؤں گا۔"

قدرے توقف کے بعد پروہت نے دوبارہ کہا ——— "حضور! اب آپ دہلی پہنچنے میں تاخیر نہ کریں، ممکن ہے ہرچندر رائے دہلی پہنچ کر جنگ میں مصروف ہو۔ آپ بلا تاخیر روانہ ہو جائیں اور ہاں میری ایک عرض ہے کہ ان دنوں ہر طرف لڑائی چھڑی ہوئی ہے، ایسا نہ ہو، مجھے کوئی جاسوس یا مشتبہ سمجھ کر مزاحمت کرے، اس لئے اگر آپ مجھے پروانۂ راہداری عنایت فرما دیں تو میں آپ کا شکر گزار رہوں گا۔"

یہ سُن کر سردار کمال نے اسی افسر سے کہا کہ وہ پروہت ماتا دین کے نام کا پروانۂ راہداری لکھ دے اور پروہت سے مخاطب ہوا ——— "میں اسی وقت دہلی روانہ ہو رہا ہوں، تم مطمئن رہو، میں تمہاری اس وفاداری کو ہمیشہ یاد رکھوں گا۔"

افسر نے پروانۂ راہداری سردار کمال کی طرف بڑھایا تو سردار کمال نے اپنے صندوق سے اپنی مہر نکال کر اُس پر ثبت کی اور اپنے دستخط کر کے پروانہ پروہت کی طرف بڑھا دیا۔ پروہت اسی وقت سردار کمال سے رخصت ہو کر روانہ ہو گیا۔

اس کے بعد سردار کمال اپنے خیمے سے نکل کر دہلی جانے والی راہ پر آیا تو ایک سو جانباز سوار باقاعدہ صفیں باندھے خاموش کھڑے تھے۔ کمال نے انہیں چاق وچوبند دیکھ کر خوشی کا اظہار کیا اور اس افسر کو نصف رات کے بعد اپنے تعاقب میں روانہ ہونے کی تاکید کر کے الوداع کہا اور اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر آگے بڑھا اور اس کے بڑھتے ہی بتدریج سواروں کی صفوں نے حرکت کی اور یہ مختصر سا لشکر دہلی کی طرف روانہ ہوا اور اس برق رفتاری کے ساتھ راہ طے کرتا چلا کہ نمازِ فجر سے کچھ پہلے دہلی کے قریب پہنچ گیا۔ یکایک ان سواروں نے جو بطور ہراوّل کے سب سے آگے جا رہے تھے، سامنے سے کئی ہزار ہندو فوج کو آتے دیکھا ——— چنانچہ اُسی وقت سردار کمال کو اطلاع دی گئی۔ جلد ہی ہندو فوج کے ہراوّل دستے قریب آ گئے اور مسلمانوں کے ہراوّل سے تلوار چلنے لگی۔ سردار کمال نے بڑی تیزی سے اپنے سارے سواروں کو آگے بڑھا کر اپنے ہراوّل کو مدد دی اور خود بھی ہندوؤں پر بڑے جوش وخروش سے حملہ آور ہوا۔ مگر اس وقت ہندو فوج کچھ ایسا دل کھول کر جنگ آزما ہوئی کہ سردار کمال کا پُرجوش حملہ اور اُس کے سواروں کی ساری کوشش کچھ بھی مفید ثابت نہ ہوئی۔ ہندو میدانِ کارزار میں حیرت انگیز جرأت اور دلیری سے کام لے رہے تھے اور ضرورت محسوس ہو رہی تھی کہ مزید مسلمان فوج آگے بڑھ کر ہندوؤں پر حملہ آور ہو۔ اس وقت ہندوؤں کے مقابلہ میں مسلمان کمزور پڑتے جا رہے تھے لیکن اس ناکامی کے باوجود مسلمانوں نے حوصلہ نہ ہارا تھا اور بدستور بڑے اطمینان اور ثابت قدمی کے ساتھ لڑ رہے تھے۔ سردار کمال کے بار بار پُرجوش حملوں سے ہندو سوار تلملا تلملا کر رہ جاتے تھے۔ یہ لڑائی تین گھنٹے سے جاری تھی کہ سردار کمال کا وہی افسر مسلمان فوج کے ساتھ آ پہنچا اور اس کی فوج نے میدانِ کارزار میں داخل ہو کر اللہ اکبر کے فلک شگاف نعرے لگاتے ہوئے ہندوؤں پر زوردار حملہ کر دیا۔ اللہ اکبر کے پُرجوش نعروں سے ہندوؤں نے یہی سمجھا کہ کثیر مسلمان امدادی فوج پہنچ

گئی ہے۔ نوآمدہ امدادی فوج بلائے ناگہانی کی طرح یکایک ہندوؤں پر ٹوٹ پڑی۔ پہلے ہی ریلے میں ہندوؤں کی صفیں تہ و بالا ہوگئیں۔ ہندو افسروں نے لاکھ کوشش کی اور اپنی فوج کو سنبھالنا چاہا، مگر ان کی کوئی پیش نہ چلی۔ وہ مسلمانوں کے حملے سے کچھ ایسے حواس باختہ ہوگئے تھے کہ تلواریں ہاتھ میں ہونے کے باوجود ان سے کام نہ لے رہے تھے۔ دیر تک مکند لال، لال بہادر اور ہرچند رائے کی ڈانٹ ڈپٹ سے ہندو اسی طرح کھڑے قتل ہوتے رہے۔ اس وقت مکند لال، لال بہادر اور ہرچند رائے کی مایوسی انتہا کو پہنچ چکی تھی۔ وہ اپنی جان سے بیزار ہو چکے تھے، یکایک تینوں تاک کر سردار کمال کی طرف لپکے اور قریب پہنچ کر پوری قوت سے تلوار کے وار کئے۔ ہرچند رائے اور لال بہادر کے وار سردار کمال کے دو افسروں نے جو اس کے آس پاس لڑ رہے تھے، اپنی تلواروں پر لئے اور مکند لال کو سردار کمال نے اپنی سپر پر روکا اور دو تین قدم پیچھے ہٹ کر مکند لال کے سینہ پر نیزہ مارا۔ مکند لال بڑی پھرتی سے اپنے جسم کو بچا گیا مگر اس کے ساتھ ہی سردار کمال نے تلوار کھینچ کر برابر سے ایک ایسا ہاتھ مارا کہ تلوار شانے کو کاٹتی ہوئی سینے تک اتر گئی اور مکند لال کانپتا ہوا زمین پر گر پڑا ——— دوسری طرف لال بہادر کو بھی ایک مسلمان سوار ہمنم رسید کرنے میں کامیاب ہوگیا۔ ہندو سواروں نے اپنے دو افسروں کا یہ حال دیکھا تو حوصلے ہار کر ہتھیار ڈال دیئے اور امان امان پکارنے لگے۔ یہ دیکھ کر سردار کمال کو رحم آگیا اور اس نے لڑائی کو ختم کرنے کا حکم دیا۔ مسلمانوں نے ہاتھ روک لئے اور اپنی تلواریں نیاموں میں ڈال لیں۔ ہندو سوار گھوڑوں سے اتر کر کھڑے ہوگئے اور سب نے اپنے جان و مال کو مسلمانوں کے حوالہ کر دیا۔ ان سواروں میں ہرچند رائے بھی شامل تھا جو زخمی ہونے کے بعد گرفتار ہوگیا تھا۔ لیکن مسلمان فوج میں سے کوئی بھی اس کا صورت آشنا نہ تھا اس لئے کسی کو بھی اس کی گرفتاری کا علم نہ ہوسکا۔

اب سردار کمال کو یہ فکر تھی کہ کسی طرح یہ معلوم کرے کہ جس فوج سے اس کا مقابلہ ہوا ہے کیا وہ ہرچند رائے ہی کی فوج ہے یا کوئی دوسرا ہندو لشکر ہے۔ اگر یہ ہرچند رائے کی فوج ہے تو وہ خود بھی اس فوج میں تھا یا نہیں، سردار کمال نے ایک افسر سے کہا کہ وہ چار چھ ہندو قیدیوں کو گرفتار کر کے اس کے پاس لائے۔ یہ سن کر وہ افسر قیدیوں کی بھیڑ میں گھسا اور چھ قیدیوں کو سردار کمال کے پاس لے آیا۔ سردار کمال نے ایک بالکل نوعمر قیدی کو منتخب کر کے باقی پانچوں کو واپس بھیج دیا۔ یہ نوعمر قیدی بالکل ٹھیک ٹھاک تھا اور اسے کوئی زخم بھی نہ آیا تھا۔ سردار کمال نے اس سے کہا ——— "ہم تم سے کچھ پوچھنا چاہتے ہیں، اگر تم نے ہمارے سوالوں کے درست جواب دیئے تو ہم وعدہ کرتے ہیں کہ تمہیں رہا کر کے کسی ہندو فوجی کیمپ یا تم جہاں پسند کرو گے، وہاں پہنچنے کا موقع دیں گے" ——— ایک لمحہ رک کر سردار کمال نے پھر کہا ——— "اگر تم نے جھوٹ بولا (اپنی تلوار کی طرف اشارہ کر کے) اس تلوار سے تمہارا سر قلم کر دیں گے"۔

ہندو قیدی خوفزدہ ہو کر بولا ——— "میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ آپ کے سوالوں کے جواب درست اور صحیح دوں گا"۔

"اچھا یہ بتاؤ" ——— سردار کمال نے کہا ——— "کہ یہ فوج کس کی ہے اور کہاں سے آئی ہے؟"

"حضور! یہ مہاراج ہرچند رائے کی فوج ہے اور قلعہ بداؤں سے آئی ہے"۔

"کیا اس فوج میں ہرچند رائے خود بھی تھا" ——— سردار کمال نے پوچھا۔

"جی ہاں، مہاراج خود بھی اس فوج میں تھا" ——— نوعمر قیدی نے کہا ———

"افسوس مہاراج کا دماغ الٹ گیا ہے۔ ان کی مت ماری گئی ہے۔ انہوں نے ہمیں خواہ مخواہ مصیبت میں ڈال دیا ہے۔ کل سارا دن قصر کمال پر جنگ ہوئی تھی۔ مہاراج نے مکند لال کے کہنے پر بلا سوچے سمجھے ہمیں قصر کمال میں داخل ہونے کا حکم دیا تھا۔ جہاں وہ جس مقصد کے لئے آئے تھے وہ بھی پورا نہ ہوا اور مسلمانوں نے ہمیں قتل بھی جی بھر کر

کیا۔ پھر ہمیں قصر سے باہر نکلنے کا حکم دیا گیا اور ہم بے طرح کٹتے مرتے بمشکل قصر سے باہر نکلے۔ سینکڑوں سورما قتل ہو گئے۔ جب اس مصیبت سے چھٹکارا ہوا تو مکند لال نے مہاراج کو پھر بھڑکایا اور اب ہمیں ملک قطب الدین ایبک سپہ سالارِ اعظم اسلامی فوج کی طرف لے جایا جا رہا تھا۔ مہاراج ہرچندر رائے اور مکند لال دونوں اسی فوج میں تھے۔ پتہ نہیں قتل ہو گئے ہیں یا بھاگنے میں کامیاب رہے ہیں۔"

"چلو خیر تم مطمئن رہو" ——— سردار نے کہا ——— "کہ ہم نے تمہارے ساتھ جو وعدہ کیا تھا ضرور ایفا کیا جائے گا۔ تمہیں حفاظت سے جہاں تم چاہو گے پہنچا دیا جائے گا۔ لو اب تم اس گھوڑے پر سوار ہو جاؤ اور ہمارے لشکر کے ساتھ ساتھ چلو۔"

اس کے بعد سردار کمال نے اپنی فوج کو جمع کیا اور تیزی سے دہلی کی طرف روانہ ہوا۔ وہ اس وقت بہت خوش تھا۔ کبھی تو اپنی فتح پر مسرت محسوس کرتا تھا اور کبھی مکند لال کی حماقتوں پر مسکراتا تھا۔ راجکماری سے ملاقات کا اشتیاق اسے بے خود بنائے دہلی کی طرف لے جا رہا تھا۔ شام کے قریب جب آفتاب کا چہرہ زرد ہو رہا تھا سردار کمال چکر کاٹ کر قصرِ کمال کے قریب پہنچ گیا۔ سردار نظام الدین کو اس کی آمد کی اطلاع ملی تو وہ دوڑتا ہوا آیا اور دور سے جھک کر سلام کیا اور پھر قریب پہنچ کر خاموش کھڑا ہو گیا۔

سردار کمال اس کی خاموشی سے متاثر ہو کر بولا ——— "کیوں نظام الدین خیریت سے تو ہو نا؟"

"حضور! قصر میں تشریف لے چلیں گے" ——— سردار نظام نے آہستہ سے کہا ——— "تو عرض کر دوں گا۔"

سردار کمال نے دل میں کہا ——— "خدا خیر کرے پتہ نہیں کیا قصہ ہے"۔ پھر اُس نے قریب کھڑے اُسی افسر سے کہا ——— "آپ یہاں مناسب انتظام کر کے

فوج کو ٹھہرائیے میں قصر میں جا رہا ہوں۔"

یہ کہہ کر سردار کمال اور سردار نظام الدین قصر کی طرف روانہ ہوئے۔ لشکر سے کچھ دور آگے بڑھ کر سردار کمال نے اشارے سے سردار نظام الدین کو قریب بلایا اور کہا "بھائی اس وقت میں ہوش و حواس میں نہیں ہوں، مجھے واضح الفاظ میں بتاؤ کہ راجکماری کی کیا کیفیت ہے۔"؟

"میری قسمت میں چونکہ یہ روسیاہی لکھی ہوئی تھی۔ اس لئے افسوس جن کے لئے آپ اس قدر تکلیف برداشت کر رہے ہیں اور یہ جاں نثار اپنی جان تک لڑا چکا ہے، اب لاپتہ ہیں۔ جس رات ظالم ہرچندر رائے نے دھوکہ دے کر حملہ کیا تھا اور قصرِ کمال کے اندر پہنچ گیا تھا۔ بس اسی رات سے راجکماری صاحبہ غائب ہیں۔"

یہ الفاظ سنتے ہی سردار کمال الدین سمرقندی کی حالت غیر ہو گئی۔ وہ کبھی حسرت و یاس بھری نظروں سے سردار نظام الدین کو دیکھتا تھا اور کبھی آہ کھینچ کر آسمان کی سمت تکنے لگتا تھا۔ اس کی زبان سے ایک حرف تک ادا نہ ہوا۔ سردار نظام الدین شرمندہ شرمندہ سا سر جھکائے چل رہا تھا اور سردار کمال بھی سر جھکائے آنکھوں میں آنسو روکے قصر کی طرف جا رہا تھا۔ یہاں تک کہ وہ اسی کیفیت میں قصر میں داخل ہو گیا۔ اہلِ قصر میں سے جن کو سردار کمال کی آمد کا پتہ چل چکا تھا راستے میں دو رویہ سلام کے لئے کھڑے تھے۔ کمال مجبوراً ان لوگوں کی طرف دیکھتا اور ان کے سلام لیتا ہوا حرم سرا کے دروازے پر پہنچ گیا اور گھوڑے سے اُتر کر اندر داخل ہو گیا۔ کافور اور دوسرے خواجہ سرا اور سکینہ سردار کمال کو دیکھتے ہی چیخیں مارتے ہوئے اس کے قدموں پر جھک گئے اور سکینہ بڑے درد بھرے لہجے میں بولی:-

"میرے شریف مدبر آقا! مجھے قطعی امید نہ تھی کہ اس واقعہ کو بیان کرنے کے لئے میں بدقسمت زندہ رہوں گی۔ آہ افسوس کہ نہ تو زمین

شق ہوئی کہ میں حضور کی نظروں سے اوجھل ہو جاتی اور نہ آسمان ہی میرے سر پر گرا کہ میں موت کا ترنوالہ بن کر حضور کے سامنے نہ آسکتی، آہ میرے معزز آقا! میری بدقسمتی نے میرا منہ کالا کر دیا ہے، مگر میرے آقا مجھے تمہارے انصاف اور رحم سے امید ہے کہ آپ میرے معاملہ پر غور فرمائیں گے اور مجھے بری الذمہ پائیں گے۔"

سکینہ کی یہ دل سوز تقریر سن کر سردار کمال بھی ضبط نہ کر سکا اور اس نے جھک کر سکینہ کے سر پر ہاتھ رکھ دیا۔ اس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے اور اس نے بمشکل بھرائی ہوئی آواز سے کہا:-

"سکینہ! تمہیں اس قدر بے قرار نہ ہونا چاہیئے۔ کیوں اپنی جان پر ظلم کر رہی ہو۔ دو ہی دن میں تمہاری یہ حالت ہو گئی ہے کہ تمہاری صورت پہچاننے میں دقت ہو رہی ہے۔ تمہاری بے قراری دیکھ کر میرے رنج و غم میں اضافہ ہو رہا ہے، بس اب خدا کے لئے خود کو سنبھالو، جو ہونا تھا ہو چکا۔"

سردار کمال یہ کہہ کر اس کمرے میں چلا گیا۔ جہاں راجکماری کا قیام تھا۔ راجکماری کی مہری اسی طرح آراستہ و پیراستہ لگی ہوئی تھی، مگر اس وقت خالی تھی۔ یہ دیکھ کر اس کا دل بھر آیا۔ اس کا جی چاہا کہ چیخیں مار مار کر خوب روئے اور دل کی بھڑاس نکالے۔ لیکن وہ ضبط کر گیا۔

ادھر کمال کی تو یہ حالت تھی کہ راجکماری کی گمشدگی نے اس کی حالت غیر بنا رکھی تھی۔ اور اس کے غلاموں، خادموں اور کنیزوں کی یہ کیفیت تھی کہ سب کے سب اپنی اپنی جگہ دم بخود اور متعجب تھے۔ ہر کوئی ایک دوسرے کا منہ دیکھتا رہ جاتا تھا اور سب کو اپنی اپنی پڑی ہوئی تھی کہ کہیں اسی پر عتاب نازل نہ ہو، بیشتر غلام، خادم اور کنیزیں سامنے سے ٹل کر دائیں بائیں ہو چکے تھے۔ مگر سکینہ جسے راجکماری کی گمشدگی سے واقعی دلی تکلیف پہنچی تھی، اسی طرح کمرے کے ایک کونے میں سر جھکائے بیٹھی تھی اور اس کی آنکھوں سے مسلسل

آنسو بہہ رہے تھے۔ آخر کار سکینہ کو سردار کمال کی بے قراری اور رنج و غم نے خاموشی سے آنسو بہانے نہ دیئے۔ وہ ڈر و خوف اور عتاب کو بالائے طاق رکھ کر اپنی جگہ سے اٹھی اور کمال کے قریب پہنچ کر بڑی عاجزی سے بولی ——— "حضور! اب صبر سے کام لیں، اپنے دل کو سنبھالیں اور اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم پر بھروسہ کرتے ہوئے راجکماری کی تلاش کے لئے عملی اقدامات کریں۔"

ایک لمحہ کے توقف کے بعد سکینہ پھر بولی ——— "یہ تو واضح ہو چکا ہے کہ خدا نخواستہ نہ تو راجکماری کو کسی قسم کا جسمانی ضرر پہنچا ہے اور نہ ہندوؤں ہی کو وہ دستیاب ہوئی ہیں، پھر ان کے لئے آپ کی اس قدر مایوسی مناسب معلوم نہیں ہوتی۔ سچی بات تو یہ ہے کہ راجکماری نے آپ کی محبت کا حق ادا کر دیا ہے۔ ایک عورت ہوتے ہوئے وہ کام کیا ہے کہ بہادر سے بہادر مرد بھی نہ کر سکتے۔"

"سکینہ! مفصل بیان کرو" ——— کمال نے کہا ——— "کہ اس فرشتہ سیرت دوشیزہ پر کیا افتاد پڑی"؟

"حضور! اس وقت کی کیفیت بیان کرنے سے دل پر چوٹ لگتی ہے" ——— سکینہ نے کہا ——— "راجکماری اسی کمرے میں بیٹھی ہوئی مجھ سے محو گفتگو تھی کہ یکایک پتہ چلا کہ ہندو فوج قصر میں داخل ہو کر حرم سرا کی طرف بڑھی آرہی ہے۔ یہ سن کر پہلے تو راجکماری جی سخت گھبرائیں اور حضور پر خفگی کا اظہار کیا کہ نہ آپ انہیں یہاں بھیجتے اور نہ یہ مصیبت پڑتی۔ میں تو مارے رنج و غم کے بے جان سی بیٹھی تھی۔ راجکماری جی نے خود ہی وہ لباس صندوق سے نکال کر پہن لیا، جو انہوں نے جب وہ آپ سے پہلی بار ملی تھیں تو پہنا ہوا تھا۔ پھر انہوں نے کمر سے تلوار لگائی اور بیٹھ کر ایک رقعہ لکھا اور مجھے دیتے ہوئے کہا کہ میں پکڑے جانے کی کوشش کروں گی، اگر کامیاب ہو گئی تو تم یہ خط کسی ہندو افسر فوج کو دے دینا، پھر تم کو کوئی بھی نقصان نہ پہنچائیگا اور اگر میں چھپ نہ سکی تو خود ہی تمہاری سفارش کر دوں

گی۔ پھر مجھ سے خدا حافظ کہہ کر یہ تاکید بھی کی کہ خبردار اپنی جگہ سے جنبش نہ کرنا۔ ورنہ بنا بنایا کھیل بگڑ جائے گا۔"

"حضور! وہ یہ کہہ کر کمرے سے باہر چلی گئیں تو کچھ دیر بعد ہندو فوج قصر میں داخل ہو کر اس کمرے میں بھی آ گئی۔ میں نے ایک افسر کو ان کا خط دیا تو اسے پڑھنے کے بعد وہ بہت گھبرائے اور اُلٹے پاؤں پلٹ گئے۔ مجھ سے کوئی باز پرس نہ کی۔"

"اچھا یہ بتاؤ ان لوگوں نے خط پڑھ کر آپس میں کیا باتیں کی تھیں؟" ——— کمال نے کہا۔

"حضور! ان افسروں میں نمایاں ایک بوڑھا شخص تھا۔ اُسی نے سب سے پہلے خط پڑھا تھا" ——— سکینہ نے کہا ——— "اور وہ خط پڑھ کر بڑا رنجیدہ ہو کر بولا تھا کہ افسوس ہم تو خوش تھے کہ ہم مسلمانوں کو دھوکہ دے چکے ہیں۔ مگر کیا خبر تھی کہ ہم مسلمانوں کو فریب دینے کی بجائے خود ان سے فریب کھا رہے ہیں، ادھر تو مسلمانوں نے ہمیں قصر سے نکال کر ٹالا اور اُدھر اُس بدقسمت لڑکی کو قطب الدین ایبک کی لشکر گاہ کی طرف بھیج دیا۔"

"ہاں یہ بھی تو بتاؤ" ——— کمال نے کہا ——— "کہ راجکماری نے بھی بوقتِ روانگی کوئی بات کہی تھی۔"؟

"آہ حضور! بوقتِ روانگی انہوں نے جو جملے ادا کئے تھے وہ بڑے دردناک تھے" ——— سکینہ نے کہا ——— "انہوں نے کہا تھا کہ اپنے آقا کو کہہ دینا کہ میں مجبوراً یہاں سے جا رہی ہوں اور اپنے دل پہ زندگی بھر کے لئے ان کی محبت کے داغ لے جا رہی ہوں۔"

یہ سُن کر کمال ماہی بے آب کی طرح تڑپنے لگا اُسے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے کسی نے اس کے دل میں خنجر بھونک دیا ہو۔ اُس کی زبان سے بے ساختہ یہ الفاظ نکلے ———

"واقعی تم نے سچ کہا۔ حالات اور قسمت نے مجبور کر دیا ورنہ وہ کبھی مجھے چھوڑ کر اس قصر سے باہر نہ نکلتی۔ آہ پتہ نہیں وہ یہاں سے نکل کر کہاں گئی ہے۔ کن جنگلوں اور پہاڑوں میں

کیسی پریشان سرگرداں پھر رہی ہے۔ اے اللہ تعالیٰ تُو اس کی مدد فرما اور اُسے ظالم ہندوؤں کے پنجہ سے بچا۔ اے خدائے وحدہٗ لاشریک اُس راہِ راست کی جویا کو جس کے فراق میں میری بُری حالت ہے، مجھ سے ملا دے۔ اے اللہ تعالیٰ وہ بُت پرستی کے کفر سے جان چھڑا کر دینِ مبین اسلام کی آغوش میں آنے کی متمنی ہے تو اسے اپنی مہربانی اور فضل و کرم کے دامن میں جگہ دے۔ میں تیرے مبارک نام سے اُس کی تلاش کے کام کا آغاز کرتا ہوں، تُو ہی مجھے کامیابی و کامرانی سے ہمکنار کرنے والا ہے۔ اے میرے ربّ العزت میری دستگیری فرما۔"

ان پاکیزہ خیالات نے کمال کی کھوئی ہوئی اطمینان و سکون کی دولت اُسے لوٹا دی۔ اُس کا دل قوی ہو گیا۔ وہ اُٹھ کر بیٹھ گیا اور سکینہ سے مخاطب ہو کر بولا ——— "تم کافور سے کہو کہ سردار نظام الدین کو اپنے ہمراہ لے آئے۔"

سکینہ دوڑتی ہوئی گئی اور خواجہ سرا کافور کو سردار نظام الدین کو بلانے کے لئے بھیج دیا۔ سردار نظام الدین ابھی تک ڈیوڑھی پر موجود تھا۔ طلبی کا حکم ملتے ہی فوراً حاضر ہو گیا ———

کمال نے سردار نظام الدین سے مخاطب ہو کر کہا ——— "بھائی جو ہونا تھا ہو چکا اب اس پہ رنج و غم کرنا بے کار ہے۔ اب ہمیں چاہیئے کہ راجکماری کو تلاش کرنے کے لئے فوری اقدامات کریں۔ کیوں تمہاری کیا رائے ہے۔"؟

"آپ درست فرما رہے ہیں" ——— سردار نظام الدین نے کہا ——— "اب تک تو لشکرِ کفار کے سبب قصر سے باہر نکلنے کا موقع ہی نہ ملا تھا۔ اب بفضلِ تعالیٰ کوئی خطرہ باقی نہیں رہا۔ آپ کا یہ حقیر جاں نثار ابھی راجکماری صاحبہ کی تلاش میں روانہ ہو جاتا ہے اور خدا کے فضل و کرم سے امید رکھتا ہے کہ ان کو بخیر و عافیت واپس لا کر ہی حاضرِ خدمت ہو گا۔"

"میری خواہش تو یہ تھی" ——— کمال نے کہا ——— "کہ میں اس کام کو

خود سرانجام دیتا اور دراصل یہ کام مجھے ہی کرنا چاہیئے تھا لیکن تم واقف ہی ہو کہ مجھے سپہ سالارِ اعظم ملک قطب الدین ایبک نے سلطان محمد غوری کو رخصت کرنے ان کے ہمراہ لاہور بھیجا تھا، میں سلطان کو رخصت کر آیا ہوں اور اب چونکہ سپہ سالارِ اعظم کفار راجاؤں پر شاندار فتحیابی کے بعد دہلی تشریف لا رہے ہیں اور آج ہی کل میں یہاں پہنچنے والے ہیں، اس لئے میں آئندہ کچھ روز دہلی سے باہر نہیں جا سکتا۔ سپہ سالارِ اعظم کی آمد کے بعد مجھے رپورٹ پیش کرنی ہے۔ اس لئے مجبوراً اپنے فرائض کی ادائیگی کا بار تم پر ڈال رہا ہوں۔"

"اب آپ نے یہ خدمت میرے سپرد کر دی ہے" ـــــ سردار نظام نے کہا ـــــ "تو آپ بالکل مطمئن رہیں، میں اپنی بہترین کوششیں صرف کر دوں گا اور انشاءاللہ کامیابی حاصل کر کے رہوں گا۔ کیونکہ نہ تو ابھی اس واقعہ کو زیادہ دن گزرے ہیں اور نہ اب ہندو فوج قرب وجوار کے علاقہ میں کہیں موجود ہے۔"

"اب میں تمہیں مزید کچھ نہ کہوں گا" ـــــ کمال نے کہا ـــــ "تم خود ہر بات سے واقف ہو۔ بڑی ہوشمندی اور سوجھ بوجھ سے کام لینا۔ میں یہ بات ناپسند کرتا ہوں کہ اس معاملہ کی خبر دوسروں کو ہو۔"

"میں پوری احتیاط اور رازداری سے کام لوں گا" ـــــ سردار نظام نے کہا ـــــ "اس وقت تک میں اور اس حرم سرا کے مکینوں کے علاوہ کسی کو کانوں کان اس راز کا علم نہیں۔ انشاءاللہ آئندہ بھی مکمل رازداری برتی جائے گی۔ ہاں تو بھائی یہ تو بتائیے کہ آپ کو ہرچندر رائے کے قصر پر حملہ کرنے کا حال کیونکر معلوم ہوا۔"

"عزیز بھائی! مجھے اس کی خبر ایک پروہت نے دی تھی" ـــــ کمال نے کہا ـــــ "اور میں سخت حیران و پریشان انتہائی تیز رفتاری سے روانہ ہو گیا تھا۔"

"ایک پروہت نے آپ کو اس کی خبر دی" ـــــ سردار نظام الدین نے حیران ہو کر کہا۔

"یقیناً اللہ تعالیٰ نے اسے اس نیکی کی توفیق بخشی" ـــــ کمال نے کہا ـــــ "ورنہ ایک ہندو پروہت کسی مسلمان کو ایسی خبر دے، شاید ناممکن ہے۔"

"کیا آپ نے اس پروہت کو دیکھا تھا؟" ـــــ سردار نظام نے بڑے ادب و احترام سے استفسار کیا۔

"وہ سب سے پہلے تو مجھ ہی سے ملا تھا" ـــــ کمال نے کہا ـــــ "ہم نے شام کو ایک جگہ کیمپ قائم کیا تو وہ میرے پاس آیا اور یہ خبر دی۔"

"کیا آپ اُس پروہت کی صورت اور سن وغیرہ کے بارے میں کچھ بتا سکتے ہیں؟" ـــــ سردار نظام نے ایک اور سوال کر دیا۔

"ایک بلند قامت، جسیم بوڑھا شخص تھا" ـــــ کمال نے کہا ـــــ وحشیوں کی سی صورت، سر کے بال لمبے لمبے تھے اور داڑھی بھی بہت بڑھی ہوئی تھی، صرف اس کے سر اور داڑھی کے سفید بال اسے بوڑھا ثابت کرتے تھے وگرنہ اس کی صحت خاصی اچھی تھی۔ وہ ایک تندرست و توانا آدمی تھا۔"

"یہ پروہت کچھ عجیب و غریب شخصیت کا مالک ہے" ـــــ سردار نظام نے کہا ـــــ "پتہ نہیں یہ شخص جنات میں سے ہے یا کوئی شیطان ہے، مندر کے واقعہ میں یہ شخص شامل تھا اور وہاں ہماری آنکھوں کے سامنے سے یوں غائب ہو گیا تھا۔ جیسے زمین میں سما گیا ہو یا آسمان پر اُڑ گیا ہو۔ پھر اسی ذاتِ شریف نے قلعۂ بداؤں میں پہنچ کر ہرچندر رائے کو ورغلایا اور اُس سے آپ کے قصر پر حملہ کرا دیا۔ اب پتہ چلا ہے کہ آپ کو قصر پر ہرچندر رائے کے حملہ کی خبر دینے بھی وہی پہنچا تھا۔"

"واقعی یہ عجیب و غریب معاملہ ہے" ـــــ کمال نے کہا ـــــ "میں نے

بھی یہ سوچا تھا کہ ایک پروہت کا ایسی خبر رسانی سے کیا تعلق ہو سکتا ہے۔ اب بھی میری سمجھ میں کچھ نہیں آتا۔ میں اُسے رخصت نہ کرتا تو اچھا تھا۔ لیکن جب وہ اس قدر ہوشیار اور گہرا آدمی ہے تو اب اُسے دستیاب کرنا تو دُور کی بات ہے، ہم اس کی گرد تک نہیں پا سکتے۔ خیر اب ہم اسے فراموش کر دیتے ہیں۔ وہ کوئی بھی ہو، ہمیں اس کی فکر نہیں، مگر ہاں تم ذرا خیال رکھنا۔ اگر کبھی اتفاقاً بھی وہ رازوں کی پوٹ مل جائے تو اُسے مجھ تک لے آنا۔"

"جناب! اب وہ مکّار ہمیں شاید ہی مل سکے" ——— سردار نظام نے کہا

"کیسا غضب کا آدمی ہے۔"

"خیر اب اس کے قصے کو چھوڑ دیتے ہیں" ——— کمال نے کہا ———

"آج رات تم آرام کرو اور اپنی تھکن دُور کر لو، آج رات میں باہر نکل کر اسے تلاش کرتا ہوں، کل صبح تم پوری سرگرمی اور تندہی سے اس کی تلاش کے کام میں مشغول ہو جانا۔"

"میری رائے میں اس وقت آپ کا اس مقصد کے لئے باہر نکلنا لوگوں کو شکوک و شبہات میں مبتلا کر دے گا۔ آپ کی بجائے میں خود اسی وقت راجکماری کی تلاش کے لئے روانہ ہو جاتا ہوں۔ میں اُن کی تلاش کے کام میں کامیاب ہو جاؤں تو یہ میرے لئے راحت و آرام کا باعث ہوگا، مجھے ہمیشہ سے آپ کی سرپرستی حاصل رہی ہے۔ اس موقع پر مجھے اپنے آسائش و آرام کو نظر انداز کر دینا چاہیئے۔"

کمال نے کمال مسرت سے کہا ——— "اچھا خدا حافظ، فی امان اللہ۔ اب اس کام میں تاخیر نہیں ہونی چاہیئے۔ کیونکہ یہ تلاش کے لئے مناسب وقت ہے۔"

سردار نظام سلام کرنے کے بعد رخصت ہو گیا تو اس کی روانگی کے بعد کچھ دیر تو کمال اُسی طرح اپنی جگہ بیٹھا رہا۔ پھر خود ہی حرم سرا سے باہر نکلا۔ کئی افسر ڈیوڑھی میں اس کا انتظار کر رہے تھے۔ کمال نے سب قیدیوں کی حفاظت اور ان کے لئے کھانے پینے کی اشیاء

فراہم کرنے کا حکم دیا۔ ساتھ ہی مسلمانوں میں سے جو زیادہ مجروح اور زخمی ہوں ان کے تسلی بخش علاج اور ان کی آسائش کے لئے بہتر انتظامات کرنے کا حکم بھی دیا۔ پھر افسروں کو بتایا کہ بعد از نمازِ فجر ہم سب سپہ سالارِ اعظم ملک قطب الدین ایبک کی پیشوائی کے لئے روانہ ہوں گے جو ہانسی کے راستہ دہلی تشریف لا رہے تھے۔ غرضیکہ افسرانِ فوج کو مختلف ہدایات دے کر کمال نے سب کو رخصت کیا اور حرم سرا میں لوٹ کر اسی کمرے میں سہری پرآئیٹا جس میں راجکماری مقیم تھی، وہ رات بھر راجکماری کے تصوّر میں محو رہا۔ اس کی ساری رات بے قراری و بے چینی میں بسر ہوئی۔ پھر وہ نمازِ فجر کی ادائیگی کے بعد حرم سرا سے باہر آیا اور راجکماری کی ملاقات کے خیال سے جیسا خوش خوش دہلی تک آیا تھا اب راجکماری کی جدائی اور گمشدگی کے سبب رنج و غم کے شکنجہ میں گرفتار اُداس اُداس سپہ سالار اعظم ملک قطب الدین ایبک کی پیشوائی کے لئے ہانسی کی طرف روانہ ہوا۔

———— ❊ ————

باب ۱۶

راجکماری کا قبولِ اسلام

راجکماری کو قصرِ کمال سے فرار ہوئے تیسری رات تھی۔ سردار نظام الدین اُس کی تلاش میں جنگلوں اور بیابانوں کی خاک چھانتا رہا اور ابھی تک تلاش میں محو ہے مگر راجکماری کی دستیابی تو دُور کی بات تھی، کسی نے اس کی نشاندہی تک نہ کی۔ دراصل راجکماری کے نام و نشان سے کوئی واقف تو تب ہوتا جب وہ راجکماری سے ملتا یا اسے دیکھ ہی لیتا۔ وہ جس رات قصرِ کمال سے نکلی تھی اس پر لشکرِ کفار کی گرفت میں آنے کا اس قدر خوف غالب تھا کہ وہ رات ہی رات میں ایک منزل سے کافی زیادہ مسافت طے کر کے سُورج طلوع ہونے سے قبل ایک گھنے جنگل میں پہنچ گئی تھی۔ رات کو اپنے سفر کے آغاز میں اُس نے اندازہ کے تحت ایسا راستہ اختیار کیا تھا جو کسی ہندو حاکم کے قلعے یا کیمپ کی مخالف سمت کو جاتا تھا۔ وہ دل کو مضبوط کر کے رات کے وقت تو سفر کرتی تھی اور سارا دن کسی گنجان جنگل یا پہاڑ کی گھاٹیوں میں گزارتی تھی۔

اس نازک اندام لڑکی نے دو دن اور دو راتیں بے آباد، سنسان اور دہشت ناک مقامات پر اس کیفیت میں بسر کیے تھے کہ بسا اوقات وہ اپنے سایہ سے بھی ڈر کر سہم جاتی تھی۔ درندوں اور قزاقوں کے ڈر و خوف کے علاوہ تنہائی کی اذیّت نے اسے ازحد پریشان کر رکھا تھا اور وہ ڈری ڈری سہمی سہمی سی آج سرِ شام ہی سے جنگل میں انسانی آمد و رفت

کی پگڈنڈیوں سے بچتی بچاتی درختوں کی آڑ میں آہستہ آہستہ گھوڑے پر سوار جا رہی ہے۔ گھپ اندھیری رات میں جانوروں کی وحشت ناک آوازوں میں اضافہ ہوتا جا رہا ہے اور اب کئی روز کے ہولناک سفر نے اسے اس حد تک تھکا دیا ہے کہ وہ اپنی گرفتاری، قتل اور مصیبت کے ہر پہلو سے بے نیاز ہو کر کسی ایسی پناہ گاہ کی تلاش میں ہے جہاں چند گھنٹے آرام کر سکے۔

یکایک چلتے چلتے اپنی دائیں جانب روشنی کی جھلک دیکھ کر وہ ایک گنجان درخت تلے کھڑی ہو گئی اور اس کے دل میں طرح طرح کے خیالات آنے لگے۔ روشنی بہت دُور تھی۔ اس لئے وہ یہ سمجھنے سے قاصر تھی کہ یہ کیسی روشنی ہے۔ اس نے اپنے گھوڑے کا رُخ روشنی کی طرف کر لیا۔ لیکن چند قدم بڑھنے کے بعد وہ رُک گئی اور یہ سوچنے لگی کہ یہ روشنی کسی فوجی کیمپ کی بھی ہو سکتی ہے اور یہ کیمپ دشمنوں کا بھی ہو سکتا ہے اور دوستوں کا بھی، پھر یہ روشنی قزاقوں کے کسی گروہ کے پڑاؤ کی بھی ہو سکتی ہے۔ اُس نے کھڑے کھڑے مختلف قیاسات پر غور کیا اور آخر کار اس نتیجہ پر پہنچی کہ روشنی کی حقیقت معلوم کرنے کے لئے اس کے قریب جائے۔ یہ خیال کرنے کے بعد کہ گھوڑے کے ٹاپ کی آواز دُور سے سُنی جاتی ہے۔ وہ گھوڑے سے اُتری اور اسے ایک سرسبز جگہ پر باندھ کر پیدل ہی روشنی کی طرف چلی۔ وہ جگہ جگہ رُک رُک کر چاروں طرف دیکھ کر قدم بڑھاتے ہوئے روشنی کی سمت چلتی رہی۔ ابھی وہ روشنی سے کچھ فاصلے پر تھی کہ یکایک ایک ہموار سڑک آگئی۔ سڑک کے بعض آثار سے پتہ چلتا تھا کہ قریب ہی کوئی آبادی ہے جہاں یہ سڑک جا رہی ہے۔

رات خاصی گذر گئی تھی، اس لئے سڑک پر کسی راہگیر کی آمد و رفت کا امکان نہیں تھا۔ راجکماری سڑک کے کنارے کنارے آگے بڑھتی رہی۔ کچھ دُور چل کر عین سڑک پر ایک بڑا سا پھاٹک لگا ہوا نظر آیا۔ پھاٹک بند تھا۔ راجکماری پچھلے پاؤں پلٹی اور سڑک سے الگ ہٹ کر ایک درخت کی آڑ میں تھکان سے چُور بیٹھ گئی، وہ دیر تک سر جھکائے

اسی طرح بیٹھی رہی۔ اُسے اپنی اس مصیبت پر رونا آ رہا تھا۔ اُس نے لاکھ ضبط کرنا چاہا، لیکن اُس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے اور وہ دل ہی دل میں خیال کرنے لگی کہ میری بدقسمتی نے مجھے کس مصیبت میں مبتلا کر دیا ہے، اس وسیع و عریض دنیا میں میرا کہیں ٹھکانا نہیں رہا، میں کب تک انسانوں سے چھُپ کر جانوروں کی طرح جنگلوں اور بے آباد جگہوں میں شب و روز گزارتی رہوں گی، میری نظروں کے سامنے ایک انسانی آبادی ہے۔ لیکن افسوس میں وہاں بھی نہیں جا سکتی۔ کون جانے وہاں میرے ساتھ کیا سانحہ پیش آ جائے۔ یہاں کے لوگ میرے ساتھ کیسا سلوک کریں، کیا پتہ یہ مسلمانوں کی آبادی ہو اور کون جانے یہاں کے مسلمان کمال اور سکینہ کی طرح نیک اطوار، پاکباز، خوش اخلاق اور اچھے انسان ہیں، ایک مجبور و لاچار بے کس عورت کے حال پر رحم کریں گے یا اس بے کس عورت کو ستائیں گے۔ آہ اس وقت مجھ پر وہ وقت پڑا ہے جو خدا کسی دشمن پر بھی نہ ڈالے۔ اس گھپ اندھیری رات میں اس دہشت ناک جنگل میں مجھ سی اکیلی خاتماں برباد اور بے کس عورت کو موت نے بھی فراموش کر رکھا ہے، کیا ہی اچھا ہو کہ مجھے ایک ہی بار موت آ جائے تاکہ میں اس ہر لحظہ مرنے کے عذاب سے چھُوٹ جاؤں۔ آہ اس وقت میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میں کیا کروں، کہاں جاؤں، اگر مجھے اسی عالم میں بیٹھے بیٹھے صبح ہو گئی تو یہ میرے حق میں مزید بُرا ہو گا۔ بس کہاں جا کر چھُپوں گی اور کیونکر چھُپوں گی۔ کیونکہ اس وقت تو میری حالت یہ ہے کہ میں ضعف اور ناتوانی کے سبب جنبش تک کرنے کی طاقت نہیں رکھتی۔ غالباً میری زندگی کے دن پورے ہو چکے ہیں۔

راجکماری کے خیالات محوِ پرواز تھے۔ اس نے سوچا، آہ! میں ایک بڑی حسرت دل لیے جاتی ہوں کہ جس کی خاطر میں نے یہ ساری مصیبت اٹھائی ہے اور جس سے کیا ہوا عہدِ وفا پورا کرنے کے لیے جان دے رہی ہوں وہ میری موت کے وقت بھی میرے قریب نہ ہو گا اور مجھے میری وفا کی داد نہ مل سکے گی۔ میری روح سورگ یا نرگ (جنت یا جہنم)

میں اس خیال سے ہمیشہ بے چین رہے گی کہ کہیں میری یہ بدگمانی کی موت میرے صداقت پسند کمال کو میری طرف سے بدگمان ہونے کا موقع نہ فراہم کر دے۔ میری تلاش میں ناکامی کے بعد وہ یہ خیال نہ کرے کہ میں اُس سے فریب کی مرتکب ہوئی ہوں اور اپنے ملک اور قوم میں چلی گئی ہوں۔ لیکن میرا خدا گواہ ہے کہ میں اپنے عہدِ محبّت پر قائم ہوں۔ میرے استقلال اور ثابت قدمی میں کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوئی۔ کمال کی وہ پیاری پیاری صورت، جسے میں اپنے دل میں جگہ دے چکی ہوں، آج بھی اسی دلفریبی کے ساتھ میری نظروں کے سامنے ہے۔

راجکماری اس وقت یاس و نا امیدی کے شکنجے میں بُری طرح جکڑی ہوئی تھی اور اب یہ سوچ رہی تھی کہ پھر اُسی جگہ واپس جائے جہاں اپنے گھوڑے کو باندھ آئی ہے۔ اچانک اس نے سوچا کہ وہ حوصلہ بلند رکھے اور پست ہمت نہ ہو اور اُس روشنی کا ضرور کھوج لگائے جسے دیکھ کر وہ یہاں آئی تھی، کیا پتہ وہ روشنی اُس کے لئے خضرِ راہ ثابت ہو اور اُسے رات بسر کرنے کے لئے کوئی معقول ٹھکانہ مل جائے۔

یہ سوچ کر راجکماری روشنی کی جگہ کا اندازہ کر کے سڑک چھوڑ کر دائیں سمت چلی اور جلد ہی بلندی پر واقع ایک چھوٹی سی خوبصورت عمارت کے قریب پہنچ گئی۔ وہ اس عمارت کی سیڑھیاں چڑھنے لگی۔ اس نے اپنی تلوار کو کمر سے کھول کر ہاتھ میں لے لیا تھا۔ وہ سیڑھیاں چڑھ کر ایک ہموار صحن میں آ گئی تو اس نے سامنے عمارت کا بند دروازہ دیکھا۔ وہ دبے پاؤں دروازے کے قریب پہنچی اور پٹ سے لگ کر کھڑی ہو گئی۔ اس وقت اس کی یہ حالت تھی کہ کمزوری اور ناتوانی نے اس پر غلبہ حاصل کر لیا تھا۔ اسے سانس لینے میں دقّت محسوس ہو رہی تھی اور مارے خوف کے اس کے ہاتھ پاؤں کانپ رہے تھے۔ وہ کچھ دیر یوں ہی کھڑی رہی۔ جب اُس کے کانوں میں کسی طرف سے کوئی آہٹ تک نہ آئی تو مجبوراً وہ اس جگہ سے ہٹ کر چار دیواری سے ملحق دوسری طرف بڑھی، یکایک اُس کے

کانوں نے کوئی آواز سُنی۔ وہ چونکی اور بڑے غور سے کان لگا کر آتی ہوئی آواز کو سُنتی رہی، چونکہ اُس کے دل و دماغ پر خوف و دہشت چھائے ہوئے تھے اس لئے وہ سمجھ نہ پائی کہ یہ کیسی آواز ہے اور کس طرف سے آرہی ہے۔ اُس نے چار چھ قدم آگے بڑھ کر آواز سُننے کی کوشش کی تو یہاں اسے صاف آواز سُنائی دی۔ کوئی شخص کچھ پڑھ رہا تھا اور راجکماری کے کان اس سے آشنا تھے، اُس نے ذہن پر زور دے کر یاد کیا کہ وہ اس طرح کچھ پڑھتے ہوئے کسے کب اور کہاں دیکھا اور سُن چکی ہے اور یک لخت اسے یاد آگیا کہ اس نے کمال اور سکینہ کو بارہا یہی کچھ پڑھتے سُنا اور دیکھا ہے اور دونوں نے اسے بتایا تھا کہ وہ قرآن مجید پڑھ رہے ہیں، یہی وہ کتاب ہے جو خدا نے کمال اور سکینہ کے نبی برحق (صلی اللہ علیہ وسلم) پر نازل فرمائی ہے۔ سکینہ روزانہ اپنی اس مقدس کتاب کو پڑھا کرتی تھی اور کمال بھی۔ اس وقت بھی کوئی شخص بالکل کمال ہی کی طرح قرآن مجید پڑھ رہا تھا۔ البتہ یہ فرق تھا کہ کمال کی آواز میں قوت اور تازگی تھی تو اس شخص کی آواز بتاتی تھی کہ وہ کوئی سن رسیدہ شخص ہے۔

راجکماری نے عمارت کا بغور مشاہدہ کیا تو اُسے پتہ چل گیا کہ یہ مسجد ہے اور سن رسیدہ شخص مسجد میں بیٹھا یا مسجد سے ملحقہ اپنے حجرے میں بیٹھا تلاوتِ قرآن پاک کر رہا ہے۔

راجکماری نے سوچا کہ اس وقت اس شخص کی عبادت گذاری نمائشی نہیں ہو سکتی۔ یہ شخص یقیناً کوئی نیک شخص ہے، جو اپنے معبودِ حقیقی کے حضور میں جھکا ہوا ہے۔ اگر میں اسے اپنی مصیبت کی کہانی سُنا سکوں تو لازماً وہ میری مدد کرے گا۔ فرض کیا جائے کہ وہ میری مدد نہ بھی کرے تو بھی مجھے کوئی نقصان ہرگز نہ پہنچائے گا ——— کیونکہ خدا سے ڈرنے والا شخص کبھی کسی پر ظلم و ستم روا نہیں رکھتا۔ اس خیال نے راجکماری کے دل کو قوی کر دیا اور اُس نے مزید چند قدم آگے بڑھ کر ایک ذرا سی کھُلی ہوئی کھڑکی (جس

سے آتی ہوئی روشنی اُس نے دُور سے دیکھی تھی) سے اندر جھانکا تو اُسے ایک سن رسیدہ بزرگ بڑی محویت کے عالم میں قرآن خوانی میں مصروف نظر آئے۔ راجکماری منتظر رہی کہ بزرگ قرآن خوانی سے فارغ ہوں تو اُن سے کچھ کہے۔ کچھ دیر بعد بزرگ جوں ہی خاموش ہوئے۔ راجکماری نے جرأت سے بآواز بلند بڑی دردناک آواز سے کہا:۔

"اے مقدّس بزرگ! میں ایک تباہ حال انسان ہوں اور اپنی شامتِ اعمال کے تحت اس وقت سخت مصیبت میں گرفتار ہوں اور آپ سے پناہ کا طالب ہوں۔"

راجکماری نے ابھی یہی جُملے کہے تھے کہ کسی نے گھبراہٹ کے عالم میں فوراً کھڑکی کھول کر کہا:۔

"کیوں میرے بھائی! خدا تمہارے حال پر رحم کرے، تم کس مصیبت میں مُبتلا ہو۔ تمہاری اس قدر بے قراری کا کیا سبب ہے۔؟ تم اس ملک کے رہنے معلوم نہیں ہوتے، پھر یہاں اس وقت اندھیری رات میں کہاں سے آرہے ہو۔؟"

"افسوس! مجھے سخت ضعف اور ناتوانی محسوس ہو رہی ہے" ——— راجکماری نے کہا ——— "اس لئے میں یہاں کھڑے کھڑے اپنی سرگذشت بیان کرنے سے قاصر ہوں۔"

"دروازہ کی طرف آؤ" ——— بزرگ نے کہا ——— "میں دروازہ کھولتا ہوں۔"

یہ کہہ کر بزرگ دروازہ کھولنے لپکے تو ادھر سے راجکماری بھی دروازہ پر پہنچ گئی۔ دروازہ کھلا اور راجکماری اندر آگئی اور بزرگ کو سلام کر کے اُن کے کُرتے کے دامن کو آنکھوں سے لگانے لگی۔

بزرگ ایک میانہ قامت، نحیف الجثہ شخص تھے، جنہوں نے ایک بڑا سا کرتہ پہن رکھا تھا اور اُن کے سر پر ایک مدور عمامہ بھی تھا۔ بزرگ نے مصافحہ کے لئے اپنا ہاتھ آگے بڑھایا اور مصافحہ کر کے کچھ حیران سے ہو گئے۔ پھر انہوں نے مسجد کا دروازہ بھیڑ کر اپنے حجرے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا ——— "چلو وہاں چل کر بیٹھتے ہیں"۔

راجکماری بڑے ادب و احترام سے ان کے پیچھے چلنے لگی۔ چند قدم پر حجرہ تھا۔ دونوں وہاں پہنچ کر بیٹھ گئے۔ بزرگ نے حیرت سے راجکماری کی طرف دیکھا اور بولے ——— "اے لڑکی! تیری دردناک آواز نے مجھے اس قدر متاثر کر دیا تھا کہ میرا دل بے چین ہو گیا اور مجھے اس کا ہوش نہ رہا کہ یہ تمیز کروں کہ میں نے کسی مرد کی آواز سُنی ہے یا عورت کی"۔

"آپ درست فرما رہے ہیں" ——— راجکماری نے کہا ——— "میری فریاد نے یقیناً آپ کو متاثر کیا ہوگا۔ پھر بھلا یہ کون سوچ سکتا ہے کہ کسی غیر ملک اور قوم کی کوئی عورت اس اندھیری رات میں یہاں مدد کے لئے آئے گی"۔

"پہلے تو میں یہی سمجھا تھا کہ آج کل چونکہ اس علاقہ میں مسلمانوں اور ہندوؤں میں جنگیں ہو رہی ہیں۔ اس لئے کوئی مصیبت زدہ ہندو سپاہی ہے جو اپنے لشکر سے جدا ہو گیا ہے" ——— بزرگ نے کہا ——— "اور مسلمانوں کے ڈر سے گھبرایا ہوا پھرتے پھراتے اس طرف آ نکلا ہے"۔

"مقدس بزرگ!" ——— راجکماری نے کہا ——— "کیا آپ اپنے دشمن کو بھی پناہ دیتے ہیں"۔

"وہ میدانِ جنگ میں تو واقعی ہمارا دشمن ہوتا ہے" ——— بزرگ نے کہا ——— "جب ہم پر تلوار کھینچتا ہے تو ہم بھی اس پر تلوار کھینچتے ہیں۔ لیکن میدانِ کارزار سے باہر وہ عاجزی سے ہم سے پناہ کا طالب ہو تو ہم اپنے اصولِ مذہب کے تحت اُسے ضرور پناہ دیتے

ہیں اور اُس کے ساتھ مہر و محبّت اور انسانیت کا سلوک کرتے ہیں"۔

"آپ کی خدا خوفی اور شفقت کے سبب میری جان بچ گئی ہے" ——— راجکماری نے کہا ——— "میں تا زندگی آپ کی ممنون رہوں گی۔ اگر اس وقت آپ مجھے پناہ نہ دیتے تو بلاشک و شبہ میں کل تک زندہ نہ بچتی۔ میں اپنی غمناک کہانی آپ کو ضرور سناؤں گی لیکن پہلے ذرا میرے ہوش و حواس بجا ہو لیں"۔

"میں فی الحال تمہیں کوئی تکلیف دینا پسند نہیں کرتا" ——— بزرگ نے کہا ——— "تم سکون سے دوسرے حجرے میں میرے بستر پر آرام کرو، جب جی چاہے اپنا حال بیان کرنا"۔

"اگر آپ کو تکلیف نہ ہو تو میں اسی حجرے میں ایک طرف تھوڑی دیر آرام کر لوں" ——— راجکماری نے کہا ——— "اب میں آپ کی نظروں سے اوجھل ہونا نہیں چاہتی"۔

"مجھے کوئی تکلیف نہ ہوگی" ——— بزرگ نے کہا ——— "تم اسی حجرے میں شوق سے آرام کر سکتی ہو"۔

یہ کہنے کے بعد بزرگ نے اُسی حجرے میں ایک طرف اپنی چادر بچھا کر راجکماری کو آرام کرنے کے لئے کہا ——— راجکماری نے اپنی کمر کھولی، اپنی تلوار پہلو میں رکھی اور سر پر جو چادر باندھ رکھی تھی، اسے کھول کر اوڑھ لیا اور بڑے آرام و سکون سے دراز ہو گئی۔ وہ بزرگ اپنے ورد و وظائف میں مشغول ہو گئے اور دیر تک اسی میں مصروف رہے، راجکماری کو اگرچہ کئی دنوں اور راتوں کے بعد اطمینان سے آرام کرنے کا موقع ملا تھا۔ لیکن بزرگ کی شفقت نے اُسے مجبور کر دیا تھا کہ وہ اس بزرگ کی حرکات و سکنات کا دلچسپی سے مشاہدہ کرے، وہ اپنے دل میں اس بزرگ کے بلند اخلاق اور شفقت آمیز برتاؤ کو سوچ کر ان کی عقیدت مند ہو گئی تھی اور اب اُسے نہ تو تھکن محسوس

ہو رہی تھی اور نہ نیند آ رہی تھی، وہ اپنے انہی خیالات میں محو تھی کہ مرغانِ سحر کے چہچہانے کی خوش آئند آوازیں بلند ہونے لگیں اور راجکماری نے اندازہ کیا کہ صبح قریب ہے۔ اس وقت بزرگ حجرے سے باہر نکلے اور صحنِ مسجد میں اللہ اکبر۔۔۔ اللہ اکبر۔۔۔ اللہ اکبر کی صدائیں گونجنے لگیں۔ بزرگ نے اذان دی اور نمازِ فجر پڑھنے میں مشغول ہو گئے۔ ابھی سورج نہ نکلا تھا کہ وہ بزرگ حجرے میں داخل ہوئے۔ راجکماری فوراً اپنی جگہ سے اٹھی اور انہیں نہایت تعظیم سے سلام کیا اور بولی :۔

"اگر اس وقت آپ کو فرصت ہو تو میں اپنا حال بیان کر دوں"۔

"بیٹی! ابھی ذرا ٹھہر جاؤ" ——— بزرگ نے کہا ——— "مجھے نظر آ رہا ہے کہ مسلسل تکلیفیں برداشت کرتے کرتے تم بہت زیادہ کمزور ہو چکی ہو، میں پہلے تمہارے لئے غذا کا انتظام کرتا ہوں، تم کچھ کھا پی لو گی تو تمہاری کمزوری میں کمی واقع ہو جائے گی پھر تم اطمینان سے اپنا حال بیان کرنا"۔

یہ کہہ کر بزرگ اپنا عصا ہاتھ میں لے کر حجرے سے باہر نکل گئے اور کچھ دیر بعد ایک برتن میں دودھ اور ایک رومال میں دو گرم گرم روٹیاں لپیٹ کر لائے اور راجکماری کے سامنے رکھ دیں۔ ساتھ ہی ایک کوزے میں پانی لا کر رکھ دیا اور ایک دوسرے لوٹے میں ہاتھ منہ دھونے کے لئے پانی بھی دیا۔ راجکماری اس خاطر تواضع اور ہمدردی سے شرمندگی محسوس کر رہی تھی۔ وہ شرمسار سی اٹھی، منہ ہاتھ دھونے کے بعد اطمینان سے کھانا کھانے بیٹھ گئی۔ کھانے پینے کے بعد دم میں دم آیا تو وہ اپنا حال بیان کرنے کے لئے اس مہربان میزبان بزرگ کے روبرو مؤدب ہو کر بیٹھی اور اوّل تا آخر اپنی ساری کیفیت تفصیل سے بیان کر دی۔ بزرگ نے پوری دلچسپی اور محویت سے اس کی کہانی سنی اور اسے تسلّی و تشفّی دیتے ہوئے کہا :۔

"اب تم پوری طرح مطمئن ہو جاؤ" ——— بزرگ نے کہا ——— "اور

بلا خوف و خطر جب تک یہاں قیام کی ضرورت ہو گی، مقیم رہو میں انشاء اللہ العزیز جلد ہی بآسانی تمہیں دہلی میں سردار کمال الدین سمرقندی کے پاس بھجوا دوں گا۔ کچھ دیر قبل میں تمہارے لئے کھانا لینے گیا تھا تو مجھے پتہ چلا کہ سردار کمال الدین سمرقندی لاہور سے دہلی پہنچ چکا ہے اور ان دنوں ملک قطب الدین ایبک کی پیشوائی کے لئے ہانسی کی سمت گیا ہے، کیونکہ سپہ سالار اعظم قطب الدین ایبک ہانسی کی راہ دہلی آ رہے ہیں اور آئندہ دو تین روز میں دہلی پہنچ جائیں گے"۔

"میں تین روز بعد کسی ہوشیار قاصد کا انتظام کر لوں گا اور اُسے خط دے کر سردار کمال کے پاس بھیج دوں گا۔ امید ہے کہ ایک ہفتہ کے اندر اندر وہاں سے تمہیں لینے کے لئے کوئی نہ کوئی ضرور آ جائے گا"۔

یہ الفاظ سُن کر راجکماری از حد خوش ہو گئی اور بار بار اُس بزرگ کی مہربانیوں اور شفقت کا شکریہ ادا کرنے لگی۔ اس کے جواب میں بزرگ بولے :۔

"بیٹی! میں نے تمہارے ساتھ ایسا تو کوئی سلوک نہیں کیا کہ تمہارے شکریہ کا مستحق ٹھہروں۔ تمہارے ساتھ میری ہمدردی ایک معمولی بات ہے۔ ہر انسان کو دوسرے انسان کے ساتھ ہمدردی کا برتاؤ کرنا چاہیئے، اتفاقاً تم پریشانی کی حالت میں یہاں پہنچ گئیں۔ خدا بڑا کارساز ہے۔ اگر میں یہاں نہ ہوتا تو اللہ تعالیٰ کوئی دوسرا سبب تمہارے لئے مہیّا کر دیتا۔ اب تم مطمئن ہو جاؤ، میں تھوڑی دیر بعد قصبے میں جاؤں گا اور کسی قاصد کو ڈھونڈھ نکالوں گا۔ کیونکہ شاید سرکاری برید (ڈاک) کے ذریعے تم اپنی اطلاع بھیجنا پسند نہ کرو گی"۔

"آپ صحیح فرما رہے ہیں" ——— راجکماری نے کہا ——— "میری خواہش ہے کہ جہاں تک ممکن ہو میرا حال خفیہ ہی رہے تو مناسب ہے، ہاں یہ تو فرمائیے کہ آپ کی قصبے کی طرف روانگی کے بعد مجھ اکیلی عورت کو یہاں کوئی خطرہ تو نہیں ہے"؟

"تم بلا خوف و خطر میرے حجرے میں آرام کرنا" ——— بزرگ نے کہا ———
"یہاں کے باشندے مجھ سے بڑی محبت اور اُنس رکھتے ہیں، تم صحن مسجد یا مسجد کے باہر آس پاس جہاں چاہو جا سکتی ہو، تمہیں کوئی دیکھ بھی لے تو کوئی حرج نہیں، میں تم سے ایک اور بات یہ کہنا چاہتا ہوں کہ تم جب اکیلی حجرے میں رہو تو خیر ورنہ جب میں یہاں آؤں یا تم باہر صحن میں نکلو تو اپنے منہ پر نقاب ڈال لیا کرو۔ یہ نہایت اچھا طریقہ ہے اور دانا لوگ پردے کے فوائد سے بخوبی واقف ہیں"۔

"تو کیا مجھے آپ سے بھی پردہ کرنا چاہیئے"؟ ——— راجکماری نے کہا۔

"ہاں تمہیں مجھ سے بھی پردہ کرنا چاہیئے" ——— بزرگ نے کہا ——— "میں لوٹتے ہوئے تمہارے لئے ایک نقاب لے آؤں گا"۔

"مناسب ہے میں آپ کے حکم کی تعمیل کروں گی" ——— راجکماری نے کہا۔

"مجھے تمہاری یہ فرمانبرداری، صداقت پسندی اور سلیم الطبعی بہت پسند ہے۔ واقعی تم اس قابل ہو کہ تمہارے ساتھ پوری پوری ہمدردی کی جائے"۔

"میں معافی کی خواستگار ہوں کہ آپ کا اسم مبارک جاننے کی خواہشمند ہوں تاکہ اسے ہمیشہ عزت و احترام کے ساتھ یاد رکھوں"۔

"مجھے ہارون بن اعثم کے نام سے پکارتے ہیں" ——— بزرگ نے کہا۔

"آپ کو ہندی زبان پر پورا عبور حاصل معلوم ہوتا ہے" ——— راجکماری نے کہا ——— "آپ نے میری زبان کہاں سے سیکھی ہے۔ آپ یہ زبان بہت صاف بولتے ہیں"۔

"مجھے بچپن سے علوم و فنون سیکھنے کا بہت شوق رہا ہے" ——— بزرگ ہارون نے کہا ——— "اور میں اس مقصد کے لئے دُور دراز کے سفر بھی کرتا رہا ہوں، میں عربی کے علاوہ فارسی سیکھنے کے لئے ایران میں بھی مقیم رہا ہوں، میں نے تمہاری زبان

سیکھنے کے لئے بنارس اور کاشی میں دو برس صرف کئے ہیں اور ہاں مجھے یاد آگیا تم یہاں تک پیدل آئی ہو یا تمہارے پاس کوئی سواری تھی کیونکہ ابھی ابھی لوگ قریبی جنگل سے ایک گھوڑا لائے ہیں جو ایک درخت سے بندھا ہوا تھا اور اس کے مالک کا کوئی پتہ نہ تھا"۔

"اگر کمیت اور چھریرے بدن کا گھوڑا ہے" ——— راجکماری نے کہا ——— "تو وہ میرا ہے، لیکن کیا اب وہ مجھے واپس مل جائے گا"؟

"ضرور ملے گا۔ تمہارا مال ہے، کسی کا اُس سے کوئی تعلق نہیں" ——— ہارون نے کہا ——— "میں پہلے تمہارا گھوڑا تمہیں لا دوں"۔

یہ کہتے ہی ہارون اپنا عصا ہاتھ میں لے کر روانہ ہو گئے اور راجکماری حجرے میں بستر پر لیٹ کر اپنے خیالات کی دنیا میں کھو گئی۔

کچھ دیر بعد ہارون نے حجرے میں آکر کہا:۔

"خداوند کریم کے فضل و کرم سے سارے کام ہو گئے۔ تمہارا گھوڑا ابھی لے آیا ہوں اور قاصد بھی مل گیا ہے۔ میں ابھی خط لکھ کر قاصد کو دے دوں گا۔ قاصد کو راستے کے کسی قصبے میں کچھ کام ہے۔ وہ چار روز اُس قصبے میں گذارے گا اور چھٹے ساتویں روز دہلی پہنچ کر خط دے دے گا"۔

راجکماری نے ہارون کا شکریہ ادا کیا تو ہارون نے وہیں بیٹھے بیٹھے ایک مختصر سا خط لکھا اور راجکماری کو سُنا کر قاصد کے حوالہ کرنے کے لئے باہر آگیا۔ راجکماری اب پوری طرح مطمئن ہو چکی تھی۔ وہ چونکہ کئی دنوں سے بیدار رہی تھی اس لئے چادر تان کر مزے سے سو گئی۔ پھر سورج غروب ہونے کے بعد جاگی اور ہاتھ منہ دھو کر بیٹھ گئی۔ اس دوران ہارون نمازِ مغرب پڑھ کر راجکماری کے حجرہ میں آکر بولا:۔

"سفر کی تھکان کے باعث تم آج خوب سوئی ہو۔ تمہارا کھانا دوپہر سے رکھا ہوا ہے، کھا لو"۔

"ابھی بھوک نہیں ہے" ——— راجکماری نے کہا ——— "تھوڑی دیر کے بعد کھالوں گی"۔

اس کے بعد ہارون نے باہر جانے کا ارادہ کیا تو راجکماری بولی ——— "اگر آپ کو فرصت ہو تو کچھ دیر یہاں بیٹھیں مجھے آپ سے کچھ عرض کرنا ہے"۔

"ٹھیک ہے، میں اس وقت فارغ ہوں" ——— ہارون نے کہا ——— "کہو کیا کہتی ہو"؟

"اگر آپ پسند فرمائیں تو" ——— راجکماری نے کہا ——— "میں مذہب کے بارے میں آپ سے کچھ باتیں کروں اور کچھ پوچھوں"۔

"تم پوچھو" ——— ہارون نے کہا ——— "میں تمہیں سب کچھ بتاؤں گا"۔

"آپ کا ہندومت کے بارے میں کیا خیال ہے؟" ——— راجکماری نے کہا ——— "بلا تکلّف صاف صاف اظہار فرمائیں"۔

"ہندومت کوئی باقاعدہ مذہب نہیں ہے" ——— ہارون نے کہا ——— "یہ محض جھوٹے قصّے کہانیوں، اوہام، غیر اخلاقی و غیر انسانی طبقاتی تقسیم اور بُت پرستی پر مشتمل ایسا نظام ہے جو دیمک زدہ اور بوسیدہ ہے"۔

ہارون نے قدرے توقف کے بعد دوبارہ کہا:۔

"ہم ماضی کی بات نہیں کرتے، حال میں جھانکیں تو ہم دیکھتے ہیں کہ آج کے زمانے کا ہندو معاشرہ انتہائی گھناؤنی صورت اختیار کر چکا ہے شیو کے لنگ کی پوجا اور شیو کی بیوی کی پرستش کی جاتی ہے جو انتہائی غیر اخلاقی بلکہ شرمناک فعل ہے۔ دکن میں گھر گھر لنگ اور بھگ کی پوجا ضروری قرار دی گئی ہے۔ جنوبی ہند میں اگھودیوں کا ایک فرقہ انسانی گوشت کھانے کو جائز سمجھتا ہے اور ناقابلِ تصوّر شرمناک افعال کا مرتکب ہوتا ہے، مہادیو کے لنگ کی پوجا کرنے والوں کا ایک معاصر فرقہ اگم نامی ہے جو مُردہ خور ہے

اور بے حیائیوں کو جائز قرار دیتا ہے۔ ہندوؤں میں ایک فرقہ سپرم نہس ہے جس کے پیرو ریش و بروت صاف کرواتے ہیں، مادر زاد برہنہ گھومتے پھرتے ہیں اور عورتوں سے اپنی پوجا کروانے کو نیکی قرار دیتے ہیں"۔

یہ کہہ ہارون بن اعثم نے خاموشی اختیار کر لی اور چند لمحے خاموش رہنے کے بعد دوبارہ گویا ہوئے:۔

"بیٹی! اب تم خود انصاف سے بتاؤ کہ اس قسم کی پُوجا اور پرستش کو جائز قرار دیا جا سکتا ہے۔"؟

"آپ جو حال بیان فرما رہے ہیں" ——— راجکماری نے کہا ——— "وہ بالکل درست ہے، آپ کے یہ سب کچھ یاد دلانے سے مجھے اس وقت وہ سب کچھ یاد آگیا ہے جن کا آپ نے حوالہ دیا ہے اور مجھے اس وقت سخت تعجب بھی ہو رہا ہے کہ میری قوم ایسی شرمناک پوجا میں مصروف ہے۔ آج مجھے معلوم ہو رہا ہے کہ آج تک میں عجیب غفلت میں مبتلا تھی کہ اپنی قوم کی اس پوجا پاٹ پر مطلق غور نہیں کرتی تھی"۔

"مجھے خوشی ہے کہ ماشاء اللہ تم نہایت انصاف پسند ہو" ——— ہارون نے کہا ——— "معقول بات سُن کر کج بحثی اور ہٹ دھرمی سے کام نہیں لیتیں۔ میرا خیال ہے کہ انشاء اللہ العزیز تم بہت جلد حق کو حق سمجھنے لگو گی اور باطل کو باطل قرار دو گی"۔

"اچھا یہ بتائیے" ——— راجکماری نے کہا ——— "کہ ہندوؤں کے یہ فرقے کس نے بنائے ہیں"۔

"یہ فرقے برہمن لوگوں نے ایجاد کئے ہیں" ——— ہارون نے کہا ——— "اور یہ برہمن کوشش کرتے ہیں کہ انہیں کسی راجہ کی سرپرستی حاصل ہو جائے، جب کسی راجہ کی سرپرستی حاصل ہو جاتی ہے تو پھر ان فرقوں کی بے حیائیاں عام ہو جاتی ہیں"۔

"واقعی ہندومت اوہامات، بت پرستی اور دوسری خرافات کا مجموعہ ہے" ـــــ راجکماری نے کہا ـــــ "آپ نے ہندوؤں کے نظام کی صرف ایک شق بے حیائی کے سلسلے میں اپنے مختصر بیان ہی سے اپنی ذہانت سے تردید کر دکھائی ہے۔ اب آپ یہ بتائیے کہ آخر اس کی کیا دلیل ہے کہ دین اسلام حق ہے"؟

"پہلی بات تو یہ ہے کہ دین اسلام اللہ کا بھیجا ہوا مذہب ہے" ـــــ ہارون نے کہا ـــــ "دین اسلام کو اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی ہدایت کے لئے پسند کیا ہے۔ اللہ کے نزدیک اسلام ہی دینِ حق ہے اور اس کی ہدایت کے لئے سارے انبیاء مبعوث ہوئے ہیں۔ اللہ کے نبی نوح علیہ السلام ہوں یا ابراہیم علیہ السلام، اسحاق علیہ السلام اور یعقوب علیہ السلام ہوں یا حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام پھر آخر میں خاتم النبیین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سب نے اللہ کے بندوں کو اسی دینِ حق کی تعلیم دی ہے۔ جب کبھی لوگ اپنے اوہام اور دوسری برائیوں کے باعث سیدھی راہ سے ہٹ جاتے رہے ہیں، اپنے اپنے وقت میں ہر ایک نبی وحیٔ ربانی کے تحت ان اوہامات اور برائیوں کو رفع کر کے پھر اسی پاک اور بے عیب دین کو ظاہر کر دیتا تھا۔۔۔

"مجھے افسوس ہے کہ چونکہ تم دین اسلام کے حالات سے بالکل لاعلم ہو اس لئے میں تمہارے رُوبرُو اپنے مذہب کی حقیقت میں وہ لاجواب دلیلیں پیش نہیں کر سکتا جو اس شخص کے سامنے بخوبی پیش کی جا سکتی ہیں جو مذہب اسلام کے اصول سے کم و بیش واقف ہو۔ مثلاً اگر میں تمہیں یہ کہوں کہ قرآن پاک ہمارے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا بین معجزہ ہے اور اس کی فصاحت و بلاغت نے عرب کے نامور زبان دانوں علماء و فضلاء کو حیرت میں ڈال کر خاموش کر دیا تھا۔ سب کو علم ہے کہ عرب کا سرمایہ ناز یہی ایک زباں دانی اور فصاحت و بلاغت کا کمال تھا۔ قرآن مجید کے نازل ہونے پر یہ اعلان کیا گیا تھا کہ اے عرب کے فصاحت و بلاغت کے شہسوارو! اگر تمہیں اس میں شک ہو

کہ یہ خدا کا کلام نہیں ہے تو اس کی کسی چھوٹی سی چھوٹی سورۃ کی مثل کوئی سنجیدہ کلام بنا کر دکھاؤ۔ لیکن غیرت و حمیت کے پیکر ہونے کے باوجود سارے اہلِ عرب کلامِ الٰہی کے مقابلہ میں سرنگوں ہو گئے اور کسی کو دعویٰ گویائی نہ رہا۔۔۔۔۔"

"چونکہ تم ہمارے احکام شریعت سے بھی لاعلم ہو، اس لئے تمہاری سمجھ میں یہ نہیں آ سکتا کہ شریعتِ محمدی نہایت کامل اور مکمل شریعت ہے اور اس کے احکام انتہائی معقول اور فطرتِ سلیمہ کے عین مطابق ہیں اور قرآنِ حکیم ایک ایسی جامع کتاب ہے جس میں خدائے یکتا کی توحید، مسئلہ رسالت، حقائق قدرت، اصول معارف و حکمت اور حسنِ معاشرت کے قوانین کو ایسی عمدگی سے بیان کیا گیا ہے کہ اسے انصاف و سچائی کی نظر سے دیکھنے والا ہر شخص یہ ضرور تسلیم کرے گا کہ ایسا عظیم الشان کام انسان نہیں کر سکتا۔ بلاشک و شبہ یہ خدا کا کام ہے اور قرآن مجید بھی اسی خدا کا کلام ہے۔۔۔۔۔

"تم چونکہ دینِ اسلام کے سلسلے میں کچھ نہیں جانتیں، اس لئے میں تمہارے سامنے ایسے دلائل پیش نہیں کرتا بلکہ تمہیں ایک دوسرے طریقہ سے دینِ اسلام کی سچائی کا یقین دلاتا ہوں۔ اس حقیقت سے سبھی واقف ہیں کہ گمراہ انسانوں کو راہِ راست پر لانا اور جن لوگوں کو بداعمالی کا چسکا پڑا ہو ان کو نیک کاموں کی طرف رغبت دلانا اور پھر وہ بھی اس طرح سے کہ ان کے دل و دماغ بدل جائیں، انتہائی مشکل اور دشوار کام ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل میں مبعوث ہوئے تھے۔ قوم بنی اسرائیل کو قبل ازیں توریت مقدس مل چکی تھی۔ اس قوم میں بہت سے انبیائے کرام یکے بعد دیگرے مبعوث ہو چکے تھے۔ پھر یہ قوم اس سے بھی واقف تھی کہ خدا اپنے بندوں کی اصلاح کے لئے پیغمبروں کو مبعوث فرماتا ہے۔ علاوہ ازیں یہ قوم کسی حد تک پابندی شرائع کی بھی عادی تھی۔ مگر اس کے باوجود جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ان سے یہ کہا کہ خدا نے مجھے تم کو راہِ راست بتانے کے لئے بھیجا ہے اور اس بارے میں متعدد معقول باتیں بھی ان کو بتائیں اور اس کے

ساتھ معجزے بھی دکھائے تو اس ساری نامعقول پلید قوم نے بیگانہ وار ان کو جھٹلایا اور ایسی اجنبی بن گئی جیسے طریقہ بعثت و رسالت سے ہی واقف نہ ہو۔ اس ناپاک قوم نے ہر بات میں اُس نبی برحق کی تکذیب ہی نہیں کی بلکہ ان کی جان تک لینے کے درپے ہو گئی۔ اس قدر بڑی قوم میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنی ساری عمر کی جدوجہد کے بعد تقریباً ستّر آدمی ایسے پیدا کر سکے جو اُن پر ایمان لائے۔۔۔۔۔

عزیز بیٹی! اب ہم حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حال پر نظر ڈالتے ہیں۔ ہم غور کریں تو ہمیں پتہ چلتا ہے کہ حضور نبی کریمؐ ایک ایسی قوم میں پیدا ہوئے تھے جو اس سے بھی ناواقف تھی کہ شریعت کسے کہتے ہیں، اس قوم کو تو یہ بھی پتہ نہ تھا کہ قانون ملک و سیاست حقوق سلطنت و رعیت بھی کوئی شے ہے جو اس دنیا میں موجود ہے۔ عرب قوم کا ہر شخص صحرائی جانوروں کی مانند مکمل آزادی کے ساتھ ان کاموں میں زندگی بسر کرتا تھا جو اس کی میلان طبع کے مطابق ہوتے تھے۔ یہ قوم اُس جزیرہ نما عرب کی رہنے والی تھی جو دنیا بھر کی جہالت اور وحشت کا مخزن تھا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اسی قوم میں مبعوث ہوئے تھے اور آپؐ نے انہی وحشیوں اور جہلاء میں کھڑے ہو کر فرمایا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے تمہاری ہدایت کے لئے بھیجا ہے۔ اپنی ان بداعمالیوں سے باز آجاؤ جن میں تم روز و شب غرق رہتے ہو۔ تمہیں روزِ جزا کی بازپرس سے ڈرنا چاہیئے، وگرنہ قیامت کے روز تم سب دہکتی ہوئی آگ میں جھونک دیئے جاؤ گے۔ اہلِ عرب نے یہ نئی بات سُنی تو سب کے سب حیران رہ گئے کہ یہ شخص کیا کہہ رہا ہے۔ ایسی بات تو ہمارے باپ دادا نے کبھی نہیں کہی۔ خدا نے انہیں ہماری ہدایت کے لئے کیوں بھیجا ہے۔ یہ کس قیامت کا ذکر ہے اور کس دہکتی ہوئی آگ کا تذکرہ ہے۔۔۔۔

کسی نے کہا کہ یہ خواہ مخواہ کی کوئی مہمل بات ہے جو اس شخص کی زبان سے نکل گئی ہے۔ کسی نے کہا کہ یہ شخص اچانک جنون میں مبتلا ہو گیا ہے۔ اسی لئے ایسی بے معنی اور

فضول باتیں کر رہا ہے۔ غرضیکہ کسی شخص نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی کسی بات کا نوٹس تک نہ لیا اور ہنستے کھیلتے، قہقہے بلند کرتے ہوئے سب کے سب اپنی راہ چلے گئے اور حضور نبی کریم صلعم اس قوم کی جہالت اور ناسمجھی پر تاسف کئے بناہ رہ سکے، لیکن جس کا حوصلہ اللہ تعالیٰ بلند رکھے، جس کی جرأت و ہمّت کو اللہ تعالیٰ وسعت بخشے۔ اس حوصلے اور جرأت و ہمّت کو جہلاء متاثر نہیں کر سکتے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنا کام جاری رکھا۔ قوم کے سامنے مسلسل دینِ اسلام کی نعمت پیش کرتے رہے اور پند و نصائح سے بھی کام لیتے رہے۔ شریروں نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف پہنچانے سے کبھی دریغ نہ کیا۔ ہمیشہ اذیّتیں پہنچائیں، طرح طرح سے تنگ کیا۔ آپؐ کی راہ میں رکاوٹیں پیدا کیں۔ غرضیکہ ہر طرح چاہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم دینِ اسلام کی تبلیغ سے باز رہیں۔ حضورؐ کے بیشتر اہلِ خاندان بھی مخالفین کی صفوں میں شامل ہو گئے اور ان کی قوّتِ بازو بن کر حضورؐ کے دشمن بن گئے۔ حضورؐ کے در و دیوار تک سے مخالفت کی صدائیں بلند ہونے لگیں۔ یہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے بہت پریشان کن صورتِ احوال تھی، آپؐ کی بے کسی اور پریشانی دیکھ کر آپؐ کے ایک قریبی عزیز کا دل بھر آیا اور اس نے ہمدردی کے لہجے میں حضورؐ کو سمجھایا کہ دینِ اسلام کی تبلیغ کے کام کو معطل کر دیں، کیونکہ اس کی وجہ سے ساری قوم آپ کی شدید مخالف ہو گئی ہے۔ آپ اپنی جان پر رحم کریں۔ مگر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس ہمدردی کی کیا پرواہ تھی۔ آپؐ نے واضح الفاظ میں فرمایا کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے میری قوم کی ہدایت کے لئے مامور کیا ہے۔ اگر میری قوم آفتاب و ماہتاب کو بھی آسمان سے اُتار لے اور میرے ایک ہاتھ پر آفتاب اور دوسرے پر ماہتاب بھی رکھ دے اور اس خواہش کا اظہار کرے کہ میں اپنے کام سے باز رہوں تو بھی میں دینِ اسلام کی نعمت پیش کرنے سے باز نہ آؤں گا۔ چنانچہ حضورؐ نے جو فرمایا تھا، اس پر عمل پیرا رہے، تکلیفیں برداشت کیں، اذیّتیں سہیں اور آخر کار وحشی جانوروں کے اس گلّے کو

ڈھڑے پر لگانے میں کامیاب ہوگئے، حضورؐ کی مؤثر نصیحتوں اور حقانی کلمات نے سنگدل ظالم بُت پرستوں کے دلوں کو موم بنا دیا۔ وہ مشرک اور کافر جو بدترین مخالف تھے اور جنہوں نے اپنی ساری عمر کبھی خدا کا نام بھی نہ لیا تھا۔ خلوصِ دل سے لا الٰہ الّا اللہ محمّد رسول اللہ پڑھ کر اچھے مسلمان بن گئے اور حضرت آدم علیہ السّلام سے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تک سب انبیائے کرام کی تصدیق کرنے لگے۔ اُن کی بداعمالیاں عمدہ اعمال میں بدل گئیں۔ وہ جو جہالت کی اتھاہ گہرائیوں میں ڈوبے ہوتے تھے۔ اب اُن کے دل اسرارِ حکمت سے ایسے بھرپور ہوئے کہ دنیا کا کوئی فلسفی بھی اُن کے سامنے زبان کھولنے سے ہچکچانے لگا۔ وہ جو ریگستانِ عرب میں اونٹ چراتے تھے۔ اب عالم ملکوت کی فضا میں گھومنے لگے۔ ان کا نسل در نسل جاری بغض و عناد یک لخت دلوں سے دُور ہو گیا اور وہ اسلام قبول کرتے ہی باہم شیر و شکر ہو گئے۔ وہ لوگ جن کے چہرے پر شرارتوں کی سیاہی نمایاں تھی، اب تقویٰ و طہارت کی آب و تاب سے روشن ہو گئے۔ دیکھنے والے سخت حیرت زدہ ہوئے کہ دنیا کی بدترین قوم عرب کی یک لخت کیسے کایا پلٹ گئی۔ عرب کے زمین و آسمان بدل گئے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دل پذیر تعلیم کی بدولت مسلمانوں کی تعداد میں روز بروز اضافہ ہونے لگا، حتیٰ کہ دین برحق اسلام شرق سے غرب تک پھیل گیا۔۔۔۔۔۔۔

"دُنیا میں حق پرستوں کا بول بالا ہونے لگا اور محمّد عربی صلی اللہ علیہ وسلم پر جو کتاب (قرآن مجید) اللہ تعالیٰ نے نازل فرمائی تھی، دُنیا کے بڑے حصّے پر اس کی حکمرانی ہو گئی۔"

اس صورتِ احوال میں کیا عقلِ سلیم یہ تسلیم کر سکتی ہے کہ کسی جھوٹے مدعی نبوت کے پند و نصائح کا یہ نتیجہ برآمد ہو سکتا ہے اور کیا ایسے پسندیدہ مذہب کا بانی اور ایسے اچھے قوانین کا پیش کرنے والا کوئی ایسا شخص ہو سکتا ہے جو اللہ کی جانب سے مقرر کردہ اس کا پیغمبر نہ ہو۔ اگر یہ ممکن ہو سکتا ہے تو حضرت آدم علیہ السّلام سے اس وقت تک کسی زمانے میں تلاش کر

کے کوئی ایسی نظیر پیش کرو کہ کسی جھوٹے مدعی نبوت کے مذہب نے اس قدر حیران کن ترقی کی ہو اور اس کے اصول و قوانین مذہب ایسے شائستہ اور عمدہ ہوں جیسے اسلام کے ہیں۔ خصوصاً اس صورت میں کہ پیغمبرِ اسلام نے نہ تو کسی یونانی دارالحکمت میں تعلیم پائی تھی اور نہ بابل اور مصر کے کسی دارالعلم میں سبق پڑھا تھا اور نہ کسی بادشاہ کی مدد سے اپنا ایجاد کردہ مذہب شائع کرایا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم خود اُمّی تھے اور اُمّیوں ہی میں پرورش پاکر غربت و افلاس کی حالت میں اپنی نبوت کو ظاہر کیا تھا اور کسی بادشاہ وغیرہ کی امداد تو دُور کی بات ہے، حضورؐ کے اہلِ وطن تک آپ کے دشمن تھے۔ لیکن یہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے برحق نبی اور خاتم النّبیّین ہونے کا واضح ثبوت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپؐ کے توسط سے اپنے دین برحق اسلام کو فروغ دیا اور ساری دنیا میں پھیلایا۔"

ہارون بن اعشم نے خاموشی اختیار کی تو راجکماری بھی خاموش رہی۔ پھر کچھ دیر کے سکوت کے بعد بولی:۔

"آج میری زندگی کا مبارک دن ہے کہ میں آپ سے مقدس بزرگ کے رُوبرُو اپنے باطل عقائد سے توبہ کرتی ہوں اور دین اسلام قبول کرتی ہوں اور خدائے وحدہٗ لاشریک سے استدعا کرتی ہوں کہ وہ میری توبہ قبول فرمائے۔ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ۔۔۔۔"

"الحمد للہ الحمد للہ" ——— ہارون نے کہا ——— "اور آج سے تمہارا اسلامی نام رحمت بی بی ہوگا۔"

"مجھے منظور ہے اور اب میری خواہش یہ ہے" ——— راجکماری نے کہا ——— "کہ جب تک میرا قیام یہاں ہے، میں فرصت کے اوقات میں آپ کی زبانِ مبارک سے قرآن پاک کے مبارک احکامات سُنتی رہوں تاکہ میں دین اسلام کے احکام و قوانین سے واقف ہو جاؤں اور اللہ تعالیٰ سے ان پر کاربند رہنے کی دعا کروں۔"

"انشاء اللہ العزیز اب روز بروز دین اسلام کے احکام و قوانین اور حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوالِ زریں اور احادیثِ مبارکہ سے تم واقف ہوتی رہو گی"۔۔۔۔۔۔ ہارون نے کہا۔۔۔۔۔۔ "اور تم پر یہ واضح ہو جائے گا کہ تم دینِ اسلام کو قبول کر کے ایک ایسا مذہب اختیار کر چکی ہو جو تم کو روحانی آسائش اور ابدی راحت بخشے گا"۔

گفتگو میں کافی رات ہو گئی تھی اور نمازِ عشاء کا وقت تھا۔ اس لئے ہارون نے گفتگو ختم کر کے مسجد کی راہ لی، پھر نماز پڑھ کر وردو وظائف میں مشغول ہو گیا۔ راجکماری بھی کھانا کھاتے ہی سو گئی۔ صبح کو معمول کے مطابق راجکماری (رحمت بی بی) بیدار ہوئی اور ہارون بھی اس کے حجرے میں آ گیا تو دونوں میں پھر دینی باتیں شروع ہو گئیں۔ راجکماری نے نماز سیکھنے کی خواہش کی تو ہارون نے سب سے پہلے اُسے مسلمانوں کے طریقۂ عبادت کی خوبیوں سے مطلع کیا۔ پھر بڑے عام فہم اور واضح انداز میں وضو اور نماز کے طریقے بتائے، چونکہ راجکماری ایک ذہین لڑکی تھی اس لئے اسی روز وضو کرنے اور نماز پڑھنے کے طریقے ذہن نشین کرنے میں کامیاب ہو گئی۔ اسی روز شام کو ہارون نے اسے نماز میں پڑھنے والی آیات بھی بتائیں، جنہیں راجکماری (رحمت بی بی) نے اُسی وقت سے یاد کرنا شروع کر دیا اور دوسرے روز ظہر کے وقت اس نے ہارون کے ساتھ نماز پڑھنی بھی شروع کر دی، کیونکہ وہ رات کے بیشتر حصّہ میں اور صبح بیدار ہو کر آیات یاد کرنے میں مشغول ہو گئی تھی اور نمازِ ظہر کے وقت تک ساری آیات یاد کر چکی تھی۔ دو روز بعد راجکماری نے اس قدر اچھی طرح سے سارے ارکانِ وضو اور نماز کو بالترتیب ادا کیا کہ ہارون اُس کے ذوق و شوق پر بے ساختہ داد دینے لگا۔ اب راجکماری کا یہ معمول بن گیا تھا کہ وہ وقتِ مقررہ پر نماز پڑھا کرتی تھی اور جب بھی ہارون کو فارغ پاتی تھی تو اسلام کے بارے میں کچھ نہ کچھ دریافت کرنے لگتی تھی۔ ہارون بھی فارغ اوقات میں پوری دلچسپی کے ساتھ اُسے دینی باتوں سے مطلع کرتا رہتا تھا اور ضروری مسائل اور محاسنِ اسلام بیان کر کے دلی مسرّت محسوس

کرتا تھا۔

راجکماری (رحمت بی بی) کی دینی مصروفیات نے اُسے اطمینانِ قلب بخشا تھا اور وہ چھ روز گزار چکی تھی کہ ساتویں روز اچانک اُسے یاد آ گیا کہ وہ قاصد جو کمال کے پاس بھیجا گیا تھا، ابھی تک لوٹ کر کیوں نہیں آیا۔ اُس نے سوچا کہ ممکن ہے، کمال ابھی سپہ سالارِ اعظم قطب الدین ایبک کے ہمراہ ہانسی سے دہلی آنے والی راہ ہی میں سفر کر رہے ہوں اور ابھی دہلی ہی نہ پہنچے ہوں۔ پھر یہ بھی تو ممکن ہے کہ کمال کی مصروفیات اُسے میرے پاس آنے سے روکتی ہوں، لیکن نہیں وہ خود نہیں آ سکتے تھے تو اپنے کسی معتمد مثلاً سردار نظام الدین یا کسی دوسرے رفیق کو تو بھیج سکتے تھے، ایک بار اس نے یہ بھی سوچا کہ شاید میرا خط ملنے کے باوجود کمال نے اس میں دلچسپی نہ لی ہو، لیکن اگلے لمحہ اُس نے اپنے اس خیال کی خود ہی تردید کر دی کہ یہ ناممکن ہے کہ میرا خط ملے اور کمال بلا تاخیر خود مجھ تک پہنچنے یا مجھ کو اپنے پاس بلانے میں پس و پیش سے کام لے۔ وہ ابھی اپنے انہی خیالات میں گم تھی کہ اُسے مسجد کے صحن میں بہت سے لوگوں کے آنے کی آہٹ محسوس ہوئی۔ وہ گھبراہٹ کے عالم میں اپنی جگہ سے اُٹھ کر دروازے کے ایک پٹ کی آڑ سے باہر جھانکنے لگی۔ اُس نے دیکھا کہ ایک سو سے زائد مسلح سپاہی فوجی وردیوں میں ملبوس کھڑے گفتگو میں مصروف ہیں۔ راجکماری ان لوگوں کو دیکھتے ہی سمجھ گئی کہ یہ سب لوگ دہلی سے اُسے لینے کے لئے آئے ہیں۔ وہ خداوند کریم کا شکر بجالاتے ہوئے اپنی جگہ آ کر بیٹھ گئی۔ جلد ہی ہارون حجرے میں آ کر بولا:۔

"بیٹی! مبارک ہو، دہلی سے ایک سو سپاہی دو افسروں کے ساتھ تمہیں لینے آئے ہیں اور اُس قاصد کو بھی کافی انعام ملا ہے اور وہ بھی ان کے ساتھ واپس آ گیا ہے"۔

راجکماری نے خوشی سے کہا۔۔۔۔۔۔ "میں آپ کی شفقت کو ہمیشہ یاد رکھوں گی۔ آپ نے میرے ساتھ جو عمدہ سلوک کیا ہے، میں اُس کا شکریہ ادا کرتی ہوں مجھے محض آپ

کی بدولت دوبارہ زندگی ملی ہے اور میں محض آپ ہی کے طفیل اسلام کی دولت سے مالامال ہوئی ہوں اور میری آخرت سنور گئی ہے۔ انشاء اللہ العزیز اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر دے گا۔"

ہارون بن اعثم نے کہا:۔

"بیٹی! میں تمہاری پاکیزہ نفسی اور شرافت سے بہت خوش ہوں اور یقین کرتا ہوں کہ جس طرح تم نے خوش دلی سے دین اسلام کو اپنایا ہے۔ اسی طرح ہمیشہ احکامِ دین کی پابندی اور ارکانِ اسلام کی بجا آوری کو مقدم سمجھو گی اور اسلام کی رسّی کو مضبوطی سے پکڑے رکھو گی۔ دنیا اور اس کی ساری نعمتیں فانی ہیں، فانی دنیا کے فانی چند روزہ جاہ و حشم پر غرور و تکبّر اور ناپائیدار دنیوی عیش و عشرت پر بھروسہ کم عقلی کی دلیل ہے۔ خلوصِ دل کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی عبادت، انسانی ہمدردی اور معاملات میں سچائی سچے مسلمان کا وطیرہ ہے۔ میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ تم پر ہمیشہ اپنی رحمت کی بارش کرتا رہے، تم نے قبولِ اسلام سے اس دنیا میں جیسے عزت و آبرو کو حاصل کیا ہے، اسی طرح آخرت میں بھی اپنے اعمالِ نیک کی بدولت سرخروئی حاصل کرو۔"

راجکماری (رحمت بی بی) کی آنکھوں میں آنسو آگئے اور وہ بولی ——— "اللہ تعالیٰ میرے حق میں آپ کی دعا کو شرفِ قبولیت بخشے اور میری اس نیک ابتداء کو زندگی بھر قائم رکھے۔ آمین۔"

"اب تم تیار ہو جاؤ" ——— ہارون نے کہا ——— "کیونکہ ان لوگوں کی مرضی ہے کہ اسی وقت دہلی روانہ ہو جائیں۔"

"میں روانگی کے لئے تیار ہوں" ——— راجکماری نے کہا ——— "آپ سواری منگوانے کے لئے کہہ دیں، کیا راہ کی ضرورتوں کے لئے میرے ساتھ کوئی عورت بھی ہو گی"؟

"میں معلوم کر چکا ہوں" ——— ہارون نے کہا ——— "کئی کنیزیں آئی ہیں۔ سب تمہارے ساتھ واپس جائیں گی۔"

یہ کہہ کر ہارون حجرے سے باہر آگئے اور سواری منگوالی۔ سب لوگوں نے وہاں سے ہٹ کر ایک طرف کھڑے ہو جانا مناسب خیال کیا۔ کنیزیں بھی راجکماری کے پاس آ گئیں۔ راجکماری (رحمت بی بی) حجرے سے نکل کر ہارون کے ساتھ آئی اور محمل میں سوار ہو گئی ——— فوجی افسر ہارون کے ادب و احترام کو ملحوظِ خاطر رکھتے ہوئے ان سے رخصت ہوئے اور یہ قافلہ دہلی کی طرف چل پڑا۔

———— ☆ ————

باب ۱۷

خفیہ دروازہ

ملک قطب الدین ایبک المخری کی فوج مالِ غنیمت سے لدی پھندی دارالخلافہ دہلی واپس پہنچی تو اہلِ شہر نے اس کا شاندار استقبال کیا۔ دہلی کے گلی کوچوں کو سجایا گیا تھا اور گھر گھر خوشی کے شادیانے بج رہے تھے، رات کو سارے شہر میں چراغاں ہوا۔

لشکرِ اسلام کے وہ مسلمان سپاہی جو لشکرِ کفار سے لڑتے ہوئے شہید ہو گئے تھے اور ان کی بیوگان یا کنبہ کے افراد دہلی میں سکونت پذیر تھے، ملک قطب الدین ایبک کی خصوصی مہربانیوں کے مستحق قرار پائے۔ ان بیوگان اور افرادِ کنبہ کو مالِ غنیمت میں سے مناسب حصّہ بھی ملا اور انعام واکرام سے بھی ان لوگوں کے گھر بھر دیئے گئے۔ غرضیکہ شہداء کے پسماندگان کی ہر طرح دلجوئی کی گئی۔

ملک قطب الدین ایبک کو اپنی فوج کے زندہ اور مرحومین سپاہیوں سے یہ طرزِ عمل روا رکھنے کے باعث فوجی بھرتی میں کبھی کوئی مشکل پیش نہ آئی تھی۔ اُسے ابھی دارالخلافہ دہلی پہنچے چند ہی گھنٹے گزرے تھے کہ اُسے اپنے معتبر جاسوسوں سے دو خبریں موصول ہوئیں۔ پہلی خبر تو یہ تھی کہ سلطان محمد غوری نے غزنین سے خوارزم پر فوج کشی کی تو اس موقع پر ملوکِ ترکستان اور کفارِ ختطے نے خوارزم کو پوری پوری امداد دی۔ اس دوران اچانک لشکرِ سلطانی میں سامانِ خورد و نوش کی کمی واقع ہونے سے اندخوذ کے مقام پر سلطان کو

شکست ہو گئی ہے۔

دوسری خبر یہ تھی کہ سلطان محمد غوری کی اس شکست نے ہندوستان میں اس کی عسکری ساکھ کو برباد کر دیا ہے اور یہاں اس کے قتل تک کی افواہیں اڑ رہی ہیں جس کا نتیجہ یہ برآمد ہوا ہے کہ رائے سال کی پیشوائی میں کھوکھروں اور کوہ جود[1] کے قبائلیوں نے بغاوت کر دی ہے۔

کھوکھروں نے ملتان پر حملہ کر کے اس کے نائب عامل کو شکست تسلیم کرنے پر مجبور کر دیا ہے، علاوہ ازیں لاہور میں بھی غارت گری کی ہے اور پنجاب کو غزنین سے ملانے والی فوجی اہمیت کی شاہراہ کو بند کر دیا ہے۔ کوہ جود کے قبائلیوں کی سرکشی کی خبر بھی پہنچی، دراصل یہ دونوں مقامات کے کھوکھروں کی بغاوت تھی۔

ملک قطب الدین ایبک نے ان خبروں کے موصول ہوتے ہی اپنے قاصد سلطان محمد غوری کی خدمت میں غزنین بھیج دیئے۔ سلطان نے یہ خبریں موصول ہونے پر بلا تاخیر غزنین سے لاہور کی سمت کوچ کر دیا۔ ملک قطب الدین ایبک کو جوں ہی سلطان کے کوچ کی خبر ملی۔ وہ بھی دہلی سے لاہور کے لئے روانہ ہو گیا۔ سلطان محمد غوری لاہور کے مضافات میں پہنچا تو دہلی سے ملک قطب الدین بھی اپنی افواج کے ساتھ اس سے آ کر مل گیا۔ سلطان محمد غوری اور ملک قطب الدین ایبک کی مشترکہ فوجوں نے سب سے پہلے کھوکھروں کے سردار رائے سال کے صدر مقام کی طرف کوچ کیا۔

جس حصّہ فوج پر کمال حکمران تھا۔ وہ فوج سرحد سے گزر کر کوہستان جود کی حدود

---

[1] آجکل کوہ جود کو کھیوڑہ یا سلسلہ کوہ نمک کہا جاتا ہے۔ یہ نمک کی کانوں اور چٹانوں پر مشتمل ہے۔ پنڈ دادن خان اور خوشاب کے درمیان پھیلا ہوا یہ علاقہ ضلع شاہ پور کے راولپنڈی ڈویژن میں واقع ہے۔

میں سب سے پہلے داخل ہوئی اور رائے سال اس کی خبر پاتے ہی اپنے کیمپ سے ان گنت فوج لے کر سردار کمال الدین سمرقندی کی پیش قدمی روکنے کے لئے روانہ کیا۔ ایک روز علی الصبح نواح کھیوڑہ میں دونوں لشکروں کا مقابلہ ہوگیا۔ کھوکھروں پر مشتمل رائے سال کی فوج بہت زیادہ تھی اس لئے پہلے ہی حملہ میں مسلمانوں کی صفیں درہم برہم ہوگئیں۔ کمال نے اپنی فوج کو سنبھالنے کی بڑی کوشش کی لیکن اس کی کوئی تدبیر کام نہ آئی۔ پیادوں کی پلٹنوں میں سے بیشتر سپاہی کٹ کر رہ گئے اور سوار میدان چھوڑ کر ہٹنے پر مجبور ہوگئے۔ رائے سال کے چہرے پر خوشی کی لہریں دوڑنے لگیں اور ہندو کھوکھر سواروں کے گھوڑے شکست خوردہ لشکرِ اسلام کے تعاقب میں ڈرارے بھرنے لگے۔ مگر زوالِ آفتاب کے فوراً بعد کمال پھر اپنے تتر بتر ہوئے سواروں کو جمع کرنے میں کامیاب ہوگیا اور میدان میں آکر صف آرا ہوا۔ ہندو بھی سمٹ کر مقابلہ پر آئے۔ اس وقت سلطان محمد غوری کے محافظ دستہ نے زبردست تیراندازی کی اور بڑی مہارت کا ثبوت دیا۔ ابھی سورج غروب نہ ہوا تھا کہ ہندو فوج کے پاؤں اکھڑ گئے اور وہ حواس باختہ ہو کر بھاگ اٹھی۔ مسلمان مجاہدوں نے کئی میل تک تعاقب کر کے اپنے مقتولین کا انتقام لیا۔

رائے سال ناگہانی شکست کھا کر خود بھی چند جانفروش سواروں کے ساتھ میدانِ جنگ سے بھاگ نکلا۔ لیکن جلد ہی گرفتار ہو کر جہنم رسید ہوا۔ سلطان محمد غوری اور قطب الدین ایبک کی مشترک فوجوں نے کھوکھروں کو دریائے جہلم اور دریائے چناب کے درمیان شکستِ فاش دی۔ کھوکھروں کی ایک بڑی تعداد کو موت کے گھاٹ اتارا گیا اور ان گنت کو جنگی قیدی بنا لیا گیا۔ جنگی قیدیوں کی تعداد اس قدر زائد تھی کہ ایک دینار میں پانچ قیدی فروخت ہوئے۔

سلطان محمد غوری ایسی شاندار فتح حاصل کر کے کفار کے چھوٹے موٹے قلعوں کو فتح کرتا ہوا لاہور کی طرف روانہ ہوا۔ لاہور کا کھوکھر قلعدار پہلے ہی سے قلعہ کو چھوڑ کر فرار ہو

گیا تھا اور وہاں کے کھوکھر سوار و پیادے بھی قلعہ خالی کر کے نکل گئے تھے۔ اس لئے قلعہ لاہور کسی جنگ کے بغیر ہی مسلمانوں کے قبضہ میں آگیا۔ باغی سلطانی لشکر کے خوف سے پہاڑوں میں گھس گئے تھے اور بعض نے دریا کے کنارے ڈیرے ڈال رکھے تھے۔ ان میں سے بیشتر کو قتل کر دیا گیا اور بعض کو قیدی بنا لیا گیا۔

باغیوں کا قلع قمع کرنے کے بعد سلطان محمد غوری نے قطب الدین ایبک کو الوداع کہنے کے بعد دہلی کی طرف روانہ کیا اور خود اپنے دارالحکومت غزنین کی طرف روانہ ہوا۔

قطب الدین ایبک کا لشکر کئی روز کے مسلسل سفر کے بعد دہلی پہنچ گیا تو قلعہ سے باہر لشکر گاہ کا قیام عمل میں آیا۔ لشکر گاہ میں قطب الدین ایبک کا بڑا خیمہ وسط میں تھا اور اس کے ارد گرد فوجی سرداروں کے خیمے تھے، کمال کو ابھی اپنے قصر جانے کا موقع نہ ملا تھا۔

کمال ایک روز دہلی شہر میں گشت لگا رہا تھا کہ اچانک اس نے ایک شخص کو حیرت سے دیکھا اور فوراً ایک سپاہی سے کہا کہ اس شخص کو اس کے پاس لے آئے۔ جب وہ شخص آگیا تو کمال نے سخت متعجب ہو کر کہا:۔

"ماتا دین! تم یہاں کیسے؟"

ماتا دین نے مؤدب ہو کر سلام کیا اور بولا ——— "میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوں اور یہ قصہ خیمہ گاہ پہنچ کر عرض کروں گا۔"

"اچھا یہ تو کہو" ——— کمال نے کہا ——— "کہیں ہرچند رائے سابق والیٔ میرٹھ کو بھی دیکھا ہے۔"؟

"وہ ہوشیار بوڑھا اسی شہر میں ہے" ——— ماتا دین نے کہا ——— "میری کل ہی اس سے ملاقات ہوئی تھی۔"

"یہ بتاؤ" ——— کمال نے کہا ——— "کہ اس وقت کہاں ہے"؟

"چلئے میرے ساتھ" ——— ماتا دین نے کہا ——— "میں ابھی بتا دیتا ہوں"

یہ سُن کر کمال نے ایک سو سپاہی اپنے ساتھ لئے اور ماتا دین کے ساتھ روانہ ہوا۔ کچھ دُور آگے جا کر ماتا دین نے ایک مکان کی سمت اشارہ کرتے ہوئے بتایا کہ اس مکان میں ہرچندر رائے موجود ہے۔ سپاہیوں نے بلا تاخیر اس مکان کو اپنے محاصرے میں لے لیا۔ مکان کے مالک نے یہ کیفیت دیکھی تو فوراً خود ہی دروازہ کھول دیا۔ کمال اور ماتا دین کے ساتھ بہت سے سپاہی مکان میں داخل ہوئے تو صحن میں خدمت گار اور سارے شاگرد پیشہ گھبرائے گھبرائے سے جمع تھے۔ کمال کے ایما پر ماتا دین نے ان لوگوں سے دریافت کیا کہ ہرچندر رائے کہاں ہے؟ ایک شخص نے بالاخانے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ وہاں موجود ہے۔ کمال اور ماتا دین نے بالاخانے میں داخل ہو کر دیکھا تو ایک بوڑھا شخص جس کی رنگت سُرخ و سفید ہے، ایک کمبل اوڑھے بڑے وقار اور دبدبے سے بیٹھا ہوا ہے، لیکن اس کے چہرے پر کمزوری اور ناتوانی کے واضح اثرات ہیں، یہ تھا ہرچندر رائے۔ کمال نے اس کے قریب ہو کر کہا ——— "آپ کا کیا حال ہے؟"

"خود دیکھ لیں" ——— ہرچندر رائے نے کہا۔ اور کمبل اٹھایا۔ کمال اور ماتا دین نے اس کے شانے پہ ایک زخم دیکھا۔

"آپ کو میرے ہمراہ چلنا چاہیئے" ——— کمال نے کہا ——— "اور حاکم دہلی کی خدمت میں حاضر ہونا چاہیئے۔"

"میں تیار ہوں" ——— ہرچندر رائے نے کہا۔

ہرچندر رائے سے گفتگو کے بعد کمال کمرے سے باہر آیا تو آہستہ سے ماتا دین سے مخاطب ہوا ——— "پتہ نہیں اس کی بیٹی راجکماری رتن بائی کہاں ہے؟"

"وہ یہاں کیونکر ہو سکتی ہے" ——— ماتا دین نے کہا ——— "یہ غریب اکیلا ہی زخمی حالت میں یہاں آیا ہے۔"

"تم شاید اس کے مفصل حالات سے واقف نہیں ہو" ——— کمال نے کہا ———

"اور اس کے بارے میں حتمی طور پر کچھ نہیں کہہ سکتے۔"

"میں اس کے ٹھیک ٹھیک حالات سے بخوبی واقف ہوں" ——— ماتا دین نے کہا ——— "بلکہ مجھے تو یہ بھی معلوم ہے کہ اس نے مکند لال کو ایک بار پھر اپنی بیٹی راجکماری رتن بائی کی تلاش میں بھیجا ہے۔"

"ماتا دین! سچ سچ بتاؤ صحیح صورتِ احوال کیا ہے؟" ——— کمال نے کہا ——— "مجھے تو ایک شخص نے بتایا تھا کہ راجکماری یہیں موجود ہے۔"

"میں جو کہہ رہا ہوں، اُسے درست تسلیم کر لیجئے" ——— ماتا دین نے کہا ——— "اور اپنے خیمے میں تشریف لے چلئے، میں اپنے علم کے مطابق ساری باتیں عرض کر دوں گا، دیکھئے اب سورج غروب ہونے کو ہے، آپ کو شام سے پہلے شہر سے نکل چلنا چاہیئے۔"

"مناسب ہے تم ہرچندر رائے کو سوار کر کے سپاہیوں کے ساتھ لے آؤ" ——— یہ کہہ کر کمال نے پچاس سپاہی وہاں چھوڑ دیئے اور ان سے کہا کہ وہ ہرچندر رائے اور ماتا دین کو حفاظت سے اس کے کیمپ میں لے آئیں۔ اس کے بعد کمال ملک قطب الدین ایبک کی خدمت میں حاضر ہوا۔ وہاں دوسرے افسران بھی جمع تھے۔ وہاں آئندہ کا پروگرام ترتیب دیا گیا اور جب دربار برخاست ہوا اور سب سردار اپنے اپنے کیمپ کی طرف روانہ ہوئے تو کمال نے بھی اپنے خیمے میں پہنچ کر ماتا دین کو طلب کر لیا۔

"میرا تو خیال تھا" ——— ماتا دین نے کہا ——— "کہ آپ آج دن بھر کی تھکاوٹ کے باعث آرام فرمائیں گے اور شاید مجھے ملاقات کا موقع نہ مل سکے۔"

"یہ حقیقت ہے کہ آج میں واقعی بہت زیادہ تھکان محسوس کر رہا ہوں اور آرام کرنے کا متمنی ہوں، لیکن تمہاری دلچسپ کہانی سننے کا اشتیاق مجھ پر غالب ہے۔ وہ واقعات جو مجھے آجکل پیش آ رہے ہیں۔ ان میں سب سے زیادہ عجیب و غریب تمہارا

واقعہ ہے۔ تم نے مندر سے نکل کر وہ کچھ کیا جو دوسرا کوئی نہ کر سکتا۔"

"بلاشک و شبہ میری کہانی عجیب و غریب ہے۔ لیکن اب وہ وقت آ گیا ہے کہ میں اس راز کو افشا کر دوں" ——— ماتا دین نے کہا ——— "میرا تعلق ایک نہایت قدیم مذہب سے ہے۔ میرے مذہب کے پیرو اپنے مذہب کو نہایت خفیہ رکھتے ہیں اور کبھی کسی سے اس کا اظہار نہیں کرتے، پرتھوی راج چوہان کے زمانہ میں ہمیں زبردستی بت پرستوں کا مذہب ہندو اختیار کرنے پر مجبور کیا گیا۔ ہمارے بیشتر لوگ تو دوسرے ملکوں کو بھاگ گئے، جو یہاں رہے انہیں مجبوراً ہندو مت اختیار کرنا پڑا، میں نے بھی ظاہراً ہندو مت اختیار کر لیا اور ایک مندر میں رہنے لگا۔ مگر میں باطن میں اپنے اسی قدیم مذہب پر قائم تھا۔ میں مندر میں پروہت کا نقاب اوڑھے ہوئے تھا کہ راجکماری رتن بائی کو تلاش کرتے ہوئے ہرچندر رائے کے دو رفیق مکند لال اور لال بہادر میرے مندر میں آئے۔ پھر سردار نظام الدین اور راجکماری رتن بائی بھی اسی مندر میں آئے اور اُن دونوں فریقوں میں لڑائی ہوئی جس میں مکند لال، لال بہادر مع اپنے غلام کے گرفتار کر لئے گئے اور مجھے مندر سے یوں بھاگ نکلنے کا موقع مل گیا کہ میرے کمرہ میں ایک خفیہ دروازہ تھا جو ایک کیل کے دبانے سے ظاہر ہوتا تھا۔ جب کیل کو پوری قوت سے اندر کی طرف دباتے تھے تو ایک گز مربع پتھر کا ایک ٹکڑا جو دوسرے پتھروں کی مانند بظاہر دیوار کا جزو معلوم ہوتا تھا، اندر کی طرف دب کر ہولے ہولے نیچے اُتر جاتا تھا اور اس طرح ایک آدمی کے اندر داخل ہونے کے لائق دروازہ سا بن جاتا تھا۔ اس دروازے سے گزرنے کے بعد لوہے کی ایک مضبوط کمانی کو پاؤں سے دبانے پر وہ پتھر بدستور اٹھ کر اپنی جگہ پر قائم ہو جاتا تھا اور دیوار کی بیرونی سطح یکساں ہموار نظر آتی تھی۔ کھڑکی کے اُس طرف ایک زینہ تھا جس سے اتر کر سرنگ میں چند قدم چلنا پڑتا تھا اور پھر فصیل کی دیوار آ جاتی تھی، جس میں ایک خفیہ دروازہ قریب قریب اُسی قسم کا تھا۔ میں اسی راہ سے مندر سے نکلا اور بھاگم بھاگ کئی میل فاصلہ طے کر

کے دُور نکل گیا تھا۔ ۔ ۔ ۔ ۔"

ماتا دین قدرے توقف کے بعد بولا ——— "پھر مجھے خیال آیا کہ میں تو مندر سے بچ کر نکل ہی آیا ہوں، اب ذرا تماشا کیوں نا دیکھوں، چنانچہ میں نے ہندو کیمپ میں پہنچ کر ہرچندر رائے کو اس واقعہ کی خبر دی اور جب وہ فوج لے کر آپ کے قصر کی سمت روانہ ہوا تو میں کسی بہانہ اُس سے رُخصت ہو کر آپ کو لاہور سے دہلی آتے ہوئے راہ میں ملا۔ اس کے بعد میں ایک روز قافلے کے ساتھ یہاں آ گیا۔ یہاں اتفاقاً میری ملاقات ایک بہت ہی نیک دیندار شخص سے ہو گئی۔ میں کئی ہفتے اس نیک مسلمان کی صحبت میں رہا تو دین مبین اسلام کی حقیقت مجھ پر کھُلی اور میں خلوصِ دل سے مسلمان ہو گیا۔ اس دوران ہرچندر رائے بھی پریشان حال یہاں پہنچا اور میں اس سے کئی بار ملا اور جب یہاں یہ خبر مشہور ہوئی کہ لشکرِ اسلام کھوکھروں کو شکست دے کر لاہور سے یہاں آ رہا ہے تو میں نے سوچا کہ آپ ضرور بادشاہ سلامت کے ساتھ ہوں گے، اس لئے میں آپ سے ملاقات کے لئے خود بھی یہاں آ گیا تھا۔ بس یہ میری ساری سرگزشت ہے۔ پہلے میں ایک بے دین دھوکہ باز شخص تھا، لیکن اب بحمد اللہ مسلمان اور دین کا حامی شخص ہوں۔"

یہ سُن کر کمال بہت خوش ہوا اور ماتا دین سے بولا:-

"دوست! اب میں تم کو ماتا دین کے نام سے یاد نہ کروں گا بلکہ اب میں تمہیں غلام نبی کے نام سے پکاروں گا۔"

"مناسب ہے" ——— غلام نبی نے کہا ——— "مجھے خود اپنے پرانے نام سے نفرت ہو چکی ہے۔ میں آج سے آپ کے عطا کردہ مبارک نام غلام نبی کو اختیار کرتا ہوں۔"

"خیر یہ تو بہت اچھا ہوا، لیکن مقامِ افسوس ہے کہ تم میرے ایک دانا و فرزانہ

رفیق ہو اور تم بھی اب تک راجکماری کا کھوج نہیں لگا سکے۔"

"حضور! اب آپ مطمئن رہیں" ـــــ غلام نبی نے کہا ـــــ "میرا وعدہ رہا کہ آٹھ دس روز میں راجکماری صاحبہ کا کھوج نکال لوں گا۔"

کمال اور غلام نبی محوِ گفتگو تھے کہ ایک خادم نے اطلاع دی:۔

"جناب! کیقباد آپ سے ملاقات کے لئے تشریف لائے ہیں۔"

یہ سُن کر کمال فوراً اٹھا اور خیمے سے باہر نکل کر کیقباد کا استقبال کیا اور پھر بڑے ادب و احترام سے کیقباد کو خیمے میں لاکر مسند پر بٹھا کر بولا:۔

"جناب! آپ کی تشریف آوری کا شکریہ! فرمائیے میرے لائق کیا خدمت ہے؟"

"مجھے پتہ چلا ہے" ـــــ کیقباد نے کہا ـــــ "کہ سابق والیٔ میرٹھ ہرچند رائے آپ کے کیمپ میں قیدی کی حیثیت سے موجود ہے۔ اگر آپ کا کوئی ہرج نہ ہو تو میری خواہش ہے کہ آپ اُسے میرے سپرد کر دیں۔ میں انشاءاللہ سپہ سالارِ اعظم سے بھی ہرچند رائے کو اپنی تحویل میں لینے کی اجازت حاصل کر لوں گا۔"

"میں آپ کے حکم کی تعمیل میں اُسے آپ کے حوالہ کر دیتا ہوں" ـــــ کمال نے کہا ـــــ "اگر آپ مناسب سمجھیں تو بادشاہ سلامت سے اس کا ذکر فرما دیجئے گا، لیکن اس وقت ہرچند رائے تو کافی زخمی ہے۔"

"میں ایک خصوصی وجہ کے تحت اسے اپنی تحویل میں لینا چاہتا ہوں" ـــــ کیقباد نے قدرے مسکرا کر کہا ـــــ "اور اُس وجہ سے اُسے کوئی نقصان بھی نہ پہنچے گا۔ اگر آپ محسوس نہ کریں تو اُسے اسی وقت میرے کیمپ میں بھیج دیں تاکہ میں اُس کے زخموں کا بھی علاج کرا سکوں۔"

"آپ کے حکم کی فی الفور تعمیل ہو گی" ـــــ کمال نے کہا ـــــ "میں تو پہلے ہی عرض کر چکا ہوں کہ مجھے آپ کے حکم کی تعمیل میں کوئی عذر نہیں۔"

اس کے بعد کیقباد اور کمال میں باہمی اُنس و رفاقت کی گفتگو جاری رہی۔ پھر کیقباد کمال سے مصافحہ کر کے رُخصت ہوا تو کمال بطورِ عزت افزائی اسے کافی دُور تک پہنچا کر لوٹا۔ پھر اُس نے سردار نظام کو حکم دیا کہ ہرچند رائے کو بلا تاخیر کیقباد کے کیمپ میں پہنچا دیا جائے۔ نظام ہرچند رائے کو سوار کرا کے کیقباد کے کیمپ کی طرف روانہ ہوا تو کمال نے غلام نبی سے مخاطب ہو کر کہا:۔

"میں یہ سمجھنے سے قاصر ہوں کہ کیقباد نے ہرچند رائے کو مجھ سے اپنی تحویل میں کیوں لیا ہے؟"

"اس سلسلے میں متفکر ہونے کی ضرورت نہیں" ـــــ غلام نبی نے کہا ـــــ "جو وجہ ہو گی چند روز بعد معلوم ہو جائے گی اور ظاہر ہے کیقباد نے یہ کارروائی آپ کو نقصان پہنچانے کے لئے تو کی نہیں۔"

"میں نقصان کی بات تو کبھی سوچ بھی نہیں سکتا" ـــــ کمال نے کہا ـــــ "میرے والد اور محترم کیقباد میں بڑے مخلصانہ دوستانہ تعلقات قائم تھے اس لئے محترم کیقباد مجھ پر ایک بزرگ کی مانند شفقت فرماتے ہیں۔"

"پھر آپ اس بارے میں کچھ نہ سوچیں" ـــــ غلام نبی نے کہا ـــــ "آپ کو ہرچند رائے سے کوئی فائدہ تو تھا نہیں۔"

چونکہ آج فتح کی خوشی سارے لشکرِ اسلام میں منائی جا رہی تھی۔ اس لئے رات نصف سے زائد گزر جانے کے باوجود چہل پہل میں کوئی کمی واقع نہ ہوئی تھی ـــــ اچانک غلام نبی کو یاد آ گیا کہ کمال چونکہ بہت زیادہ تھکاوٹ محسوس کر رہا تھا اور اس نے اب تک آرام بھی نہیں کیا، اس لئے اسے آرام کرنا چاہیئے ـــــ اُس نے کہا:۔

"اچھا حضور! اب اجازت بخشیئے کہ میں جاکر آرام کروں اور آپ خود بھی کافی تھکے ہوئے ہیں، اب آرام فرمائیں۔"

یہ سُن کر کمال سب کو رخصت کرکے اپنی خواب گاہ میں داخل ہوگیا۔

———— ☆ ————

باب ۱۸

سُلطان محمد غوری کی شہادت
اور
قُطب الدین ایبک کی تخت نشینی

راجکماری رتن بائی حال شہزادی رحمت دہلی پہنچی تو اُسے ایک عظیم الشان قصر میں اتارا گیا۔ جہاں ایک معزز اور باوقار سن رسیدہ خاتون اور اس کی جواں سال بیٹی نے اسے ہاتھوں ہاتھ لیا، بڑی محبت سے پیش آئیں اور اُس کے آرام و سکون کا پورا پورا خیال رکھا۔ شہزادی رحمت سخت متعجب تھی کہ اسے سردار کمال الدین کے قصر میں کیوں نہیں اتارا گیا اور اس وقت وہ کہاں ہے اور اس کی میزبان ماں بیٹی کون ہیں؟ اس نوع کے سوال شہزادی کو پریشان کر رہے تھے۔ اور وہ متفکر بیٹھی تھی کہ جواں سال لڑکی آگئی اور اسے فکرمند دیکھ کر بولی:۔

"بہن! تم مجھے کچھ پریشان نظر آرہی ہو، میں تمہاری پریشانی کو دُور کرنے کے سلسلے میں کچھ کر سکوں تو مجھے ضرور بتاؤ، میں تمہاری ہر خدمت سرانجام دینے کے لئے تیار ہوں۔"

"مجھے بہن کہہ رہی ہو تو بہن بن کر دکھاؤ" ———— شہزادی رحمت نے کہا ——
"مجھے بتاؤ کہ میں کہاں ہوں؟ ———— مجھے یہاں کیوں لایا گیا ہے؟ ———— اور مجھے جہاں ہونا چاہیئے تھا میں وہاں کیوں نہیں ہوں"؟

"خداوند کریم مجھے زندگی بھر تمہاری بہن کے فرائض سرانجام دینے کی توفیق

بخشے۔ (آمین)" ——— جواں سال لڑکی نے کہا ——— "بہن تم قصر کیقباد میں ہو، میرے ابّو کیقباد حکومتِ دہلی کے ایک بڑے سردار ہیں۔ سردار کمال چونکہ دہلی سے باہر ہیں، اس لئے ان کے نام کا خط میرے ابّو نے وصول کر کے آپ کو اپنے پاس بلا کر ٹھہرا لیا ہے۔ سردار کمال جوں ہی دہلی پہنچے آپ کو ان کے قصر پہنچا دیا جائے گا۔ آپ نے چونکہ میری بہن بننا قبول کر لیا ہے۔ اس لئے اب آپ اپنے ہی گھر میں قیام پذیر ہیں۔ پھر چونکہ بھائی کمال کے والد اور میرے ابّو منہ بولے بھائی بنے ہوئے تھے اس لئے اس رشتہ سے بھی یہ تمہارا اپنا ہی گھر ہے۔ اب تمہیں بیگانہ پن کو ترک کر کے اپنائیت سے کام لینا چاہیئے اور یہ سمجھنا چاہیئے کہ تم اپنوں ہی میں موجود ہو۔"

اس بات چیت کے بعد شہزادی رحمت قدرے مطمئن ہو گئی۔ اب وہ محسوس کر رہی تھی کہ وہ اپنے وطن بلکہ اپنے گھر میں موجود ہے۔ پھر دن پر دن گزرتے رہے اور قصر کیقباد میں کیقباد کی بیوی اور بیٹی نے شہزادی رحمت کی خاطر تواضع میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا اور روزِ اوّل کی طرح اس کی مہمان داری اور دل جوئی کرتی رہیں۔ ان ایام میں شہزادی رحمت کو محض کمال کی جدائی کا صدمہ تھا اور وہ ہمیشہ اس کے حق میں دعا کرتی رہتی تھی کہ اللہ تعالیٰ اسے بخیر و عافیت واپس لائے۔

ایک روز وہ اپنی منہ بولی بہن عائشہ بنت کیقباد سے گفتگو میں محو تھی کہ ایک کنیز نے "انّا للہ وانّا الیہ راجعون" پڑھتے ہوئے یہ خبر سنائی کہ فاتح ہند سلطان محمد غوری غزنین جاتے ہوئے راہ میں شہادت پا چکے ہیں۔

یہ خبر سن کر شہزادی اور عائشہ دونوں کو سخت صدمہ ہوا اور وہ حیران و پریشان ایک دوسری کا منہ دیکھنے لگیں۔ جلد ہی اپنے حواس پر قابو پا کر عائشہ نے کنیز سے پوچھا:۔

"یہ بتاؤ سلطان غازی محمد غوری کی شہادت کس طرح ہوئی ہے۔ کیا خبر مشہور ہے"؟

لونڈی نے بڑے ادب سے کہا:۔

"اس بارے میں دو افواہیں مشہور ہیں، کچھ لوگ کہتے ہیں کہ سلطان غوری لاہور سے واپس اپنے دارالحکومت غزنین جاتے ہوئے قصبہ دمیک میں پہنچے تھے تو کھوکھر اور شیعہ باغیوں نے انہیں سازش کے تحت موت کے گھاٹ اتار دیا۔ باغیوں نے اچانک شاہی خیمہ میں داخل ہو کر سلطان کو کاری زخم لگائے تھے۔ چنانچہ انہی زخموں سے سلطان نے شہادت پائی ہے۔ اس کے برعکس کچھ لوگ یہ کہتے ہیں کہ سلطان غوری نے چونکہ باطنیوں کی طاقت کو ختم کرنے کی امکان بھر کوشش کی تھی۔ اس لئے باطنیوں نے اس کے خلاف سازش کی۔ چند باطنی اس کے لشکر میں بھرتی ہو گئے سلطانی سپاہ میں امام فخر الدین رازی نمازوں کی امامت فرماتے اور درس ارشاد فرمایا کرتے تھے۔ ان باطنیوں میں سے بعض نے امام کے حلقۂ ارادت میں داخل ہو کر اپنے دینی ذوق و شوق کو نمایاں کیا اور بعض سلطان کے دربان بھی مقرر ہو گئے۔ انہی دربانوں نے سلطان کو سوتے میں شہید کر دیا ہے[1]۔"

"عزیز بہن! مجھے سلطان کی شہادت سے بہت رنج ہوا ہے" ——— شہزادی رحمت نے کہا ——— "کہتے ہیں کہ سلطان ایک بہادر شریف انسان تھے۔ مجھے ان کے حالاتِ زندگی کا علم نہیں ہے۔ اگر تم شہید کے سوانح حیات سے واقف ہو تو مجھے بھی بتاؤ۔"

"مجھے اپنے ابّو جان کی زبانی سلطان مرحوم کے جو حالات معلوم ہیں" ——— عائشہ

---

[1] بیشتر مؤرخوں نے لکھا ہے کہ سلطان محمد غوری کی شہادت کا واقعہ ۱۵ شعبان ۶۰۲ھ کو پیش آیا تھا۔

نے کہا ——— "تمہیں سُنا دیتی ہوں، لو سُنو! سلطان محمد غوری غور کے رہنے والے تھے۔ یہ علاقہ غزنی اور ہرات کی پہاڑیوں کے درمیان واقع ہے۔ پہلے علاقہ غور میں ایک آزاد حکومت تھی۔ پھر سلطان محمود غزنوی نے غور کے حکمران محمد بن سُور کو شکست دے دی تو غور کے حکمران سلاطین غزنی کے باجگزار ہو گئے۔ پھر بیس بائیس برس بعد غور کے حکمرانوں نے دولتِ غزنویہ کے زوال کا فائدہ اٹھانے کا ارادہ کیا تو اس دَور میں بعض ایسے واقعات بھی پیش آ گئے جن سے صورتِ حال مزید نازک ہو گئی۔ ہوا یہ کہ سلطان بہرام والیٔ غزنی کے حکم سے غور کے ایک شہزادہ ملک قطب الدین حسن کو موت کے گھاٹ اتار دیا گیا۔ نتیجہ میں مقتول کا بھائی سیف الدین سوری غزنی پر حملہ آور ہوا اور بہرام کو شکست دینے میں کامیاب ہو گیا۔ لیکن جلد ہی بہرام نے سنبھالا لیا اور سیف الدین سوری کو موت کی نیند سُلانے میں کامیاب ہو گیا۔ اس کے ردِّ عمل میں سیف الدین کے چھوٹے بھائی علاؤ الدین حسین نے غزنی پر حملہ کیا اور قتل و غارت گری کا بازار گرم کر کے غزنی کی اینٹ سے اینٹ بجا دی تھی۔ یہ بڑا بہادر تھا۔ اس نے بادیان، ترکستان، جیرون، گرجستان اور ہرات کو بھی فتح کر لیا تھا۔ غزنی سے اس کی واپسی کے بعد آلِ محمود نے غزنی پر دوبارہ قبضہ کر لیا۔ اس کے بعد غیاث الدین تخت نشین ہوا۔ اس نے سلطان محمد غوری کو تکنا[1] آباد کا علاقہ جاگیر میں دیا۔ سلطان محمد غوری نے اپنی حکومت کے پہلے ہی سال ریاست غزنین پر حملہ کا ارادہ کیا، تو سلطان غیاث الدین بھی فوج کے ساتھ آ گیا اور غزنی پر حملہ آور ہوا۔ اس نے غزنی پر قبضہ کر کے یہاں کی حکومت اپنے بھائی محمد غوری کو تفویض کی اور اسے سلطان کے خطاب سے بھی سرفراز کیا اور خود اپنے پایۂ تخت فیروزہ کوہ کی طرف لوٹ گیا۔ گو محمد غوری

---

[1] "طبقاتِ ناصری" میں لکھا ہے کہ یہ شہر غزنین اور غور کے درمیان واقع تھا۔

بحیثیت فرمانروائے غزنی مکمل آزاد تھا۔ مگر اس نے سکّوں پر اپنے بھائی کا نام ہی مضروب کرایا اور ہمیشہ بھائی کی بالادستی تسلیم کی۔"

یہ کہہ کر عائشہ خاموش ہوئی تو شہزادی رحمت نے سوال کیا ——— "بہن! یہ تو بتاؤ کہ سلطان محمد غوری کے ہندوستان پر حملہ کرنے کی کیا وجہ تھی؟"

"ایک وجہ نہیں کئی وجوہ تھیں" ——— عائشہ نے کہا ——— "سلطان محمد غوری ایک اولوالعزم انسان تھا، اس دَور میں پنجاب چونکہ دولتِ غزنویہ کا ایک حصّہ تصوّر ہوتا تھا۔ اس لئے سلطان غوری خود کو پنجاب کا جائز وارث سمجھتا تھا۔ پھر ہندوستان میں سلطان نے اپنے فتح کئے ہوئے علاقوں کو تحفظ دینے کے لئے پنجاب کے والی خسرو ملک اور ملتان کے قرامطیوں کو شکست دینا ضروری سمجھا۔ یہ چونکہ عسکری شان و شوکت کا زمانہ تھا اور سلطان غوری کو اپنی عسکری صلاحیتوں کے باعث فتح سے عشق تھا۔ اس لئے ہندوستان کی فتح اس کے پروگرام میں شامل تھی۔ ایک بڑی وجہ یہ تھی کہ ایک مسلمان ہونے کی حیثیت میں سلطان غوری کی خواہش تھی کہ وہ ہندوستان کی فتح کے بعد وہاں اشاعتِ اسلام کا کام کرے۔"

"اس سلسلے میں سلطان غوری (مرحوم) نے کیا کیا کام کئے ہیں؟" ——— شہزادی رحمت نے استفسار کیا۔

"سلطان محمد غوری نے پہلے سال تو غزنین کے گرد و نواح کے علاقے قبضہ میں کئے تھے۔ پھر دوسرے سال گردیز[1] کے علاقے فتح کئے اور اس کے بعد اُچ، ملتان اور ٹھٹھہ پر فوج کشی کی۔ ملتان پر قبضہ کر کے ملتان کے زندیقوں کو شکستِ فاش دے کر ملتان پر قبضہ کر لیا اور ایک راسخ عقیدہ مسلمان کو ملتان کا والی مقرر کر دیا۔ یہ راسخ العقیدہ

---

[1] گردیز واقع تاجکستان ایک بہت بڑا خوش آب ذرخیز اور آباد درّہ تھا۔

شخص سلطان کا سپہ سالار علی کرماخ تھا۔ ملتان سے سلطان نے بالائی سندھ میں اُچ کی جانب کوچ کیا۔ اہلِ اُچ نے قلعہ بند ہو کر سلطان کے ساتھ مقابلہ کیا۔ لیکن کچھ عرصہ کے بعد اللہ تعالیٰ نے سلطان پر اپنا فضل و کرم کیا اور قلعۂ اُچ بھی فتح ہو گیا۔ ملتان کے ساتھ اُچ بھی علی کرماخ کے سپرد ہوا۔

ملتان اور اُچ کی فتح کے کچھ عرصہ بعد سلطان نے سندھ کے زیریں حصہ پر حملہ کیا۔ اور اس کے سومرہ حکمران کو شکستِ فاش دی۔ ٹھٹھہ کی فتح کے بعد سلطان محمد غوری نے دیول[1] کی طرف لشکر کشی کی اور ساحلِ سمندر پر واقع سارے علاقوں پر قبضہ کر لیا۔[2] اپنی ہر فتح کے بعد سلطان مفتوحہ علاقہ میں اپنا حاکم مقرر کر کے غزنین کی طرف لوٹ جاتا تھا۔

ایک بار سلطان محمد غوری نے ملتان اور اُچ سے گزر کر گجرات پر چڑھائی کی تھی۔ جہاں وہ راجہ بھیم دیو کی حکومت کے صدر مقام انہلواڑہ پہنچا تو راجہ بے شمار ہاتھیوں، سواروں اور پیادوں کے ساتھ اس کے مقابلہ پر آیا۔ دونوں لشکروں میں بہت زیادہ کشت و خون ہوا اور آخر کار سلطان کی فوج شکست سے دوچار ہوئی اور سلطان کو بے نیل و مرام واپس آنا پڑا۔"

"اس شکست کی وجہ کیا تھی؟" ——— شہزادی رحمت نے پوچھا۔

"اس کی صحیح وجہ تو اللہ تعالےٰ کے سوا کسی کو معلوم نہیں، لیکن ظاہراً سلطان نے اس شکست کی وجوہات کا جائزہ لیا تو اُسے احساس ہوا کہ سندھ اور ملتان کی راہ

---

[1] دیول کو دیبل بھی کہا جاتا تھا۔ یہ کراچی کے مضافات میں واقع مشہور بندرگاہ تھی۔ جس کے محلِ وقوع کا آج تک پتہ نہیں چل سکا۔

[2] منہاج الدین جوزجانی مؤلف "طبقاتِ ناصری" (۶۵۸ھ) نے دیبل پر لشکر کشی کا ذکر کیا ہے

ہندوستان کی تسخیر ممکن نہیں۔ تسخیرِ ہند کی اصل کلید پنجاب ہے۔ یہ سوچ کر سلطان نے پنجاب کو فتح کرنے کا فیصلہ کیا۔ سب سے پہلے اس نے فرشور (آج کے پشاور) پر لشکر کشی کر کے اسے فتح کر لیا۔ اس دور میں پشاور پنجاب کا حصہ تھا۔ پشاور کی فتح کے ایک سال بعد اس نے لاہور پر حملہ کیا تو سلطان خسرو ملک نے اپنی قوت کا اندازہ کر کے کھلے میدان میں اس کے مقابلے میں آنے کی جرأت نہ کی اور قلعہ بند ہو کر بیٹھ گیا۔ جب سلطان غوری اپنی سپاہ کے ساتھ لاہور کے قریب پہنچا تو خسرو ملک نے جنگ کی بجائے اطاعت کا راستہ پسند کیا اور سلطان کی خدمت میں بطورِ نذرانہ ایک عدد ہاتھی اور صلح کی غرض سے بطورِ یرغمال اپنا بیٹا بھیج دیئے۔ جس پر سلطان مرحوم وہاں سے غزنین لوٹ گیا۔ چار برس بعد سلطان محمد غوری نے دوبارہ قصدِ لاہور کیا اور ریاستِ لاہور کو تاخت و تاراج کر دیا۔ خصوصاً دیہات کو لوٹ لیا۔ واپسی پر اس نے راوی اور جہلم کے درمیان سیالکوٹ کی گڑھی پر بھی قبضہ کر لیا، اور قلعہ سیالکوٹ تعمیر کرایا اور حسین خرمیل کو تھوڑی سی فوج کے ساتھ سیالکوٹ کی حفاظت پر متعین کر کے خود غزنین کی طرف لوٹ گیا۔"

"کیا خسرو ملک کا تعلق محمود غزنوی سے بھی تھا۔؟ اگر تھا تو تعجب ہے۔ اُس نے سلطان غوری کے سامنے کمزوری کیوں دکھائی؟" ——— شہزادی رحمت نے پوچھا۔

"ہاں خسرو ملک کا شمار محمود غزنوی کے جانشینوں میں ہوتا ہے۔ خاندانی چپقلش کے باعث اُسے غزنی سے لاہور آنا پڑا تھا اور اُس نے لاہور میں اپنی حکومت قائم کر لی تھی۔ خسرو ملک عسکری لحاظ سے سلطان غوری کے مقابلہ میں واقعی کمزور تھا۔ تاہم یہ خاندانی خون کی گرمی تھی کہ خسرو ملک نے جب دیکھا کہ سلطان غوری اُسے پنجاب سے نکال باہر کرنے پر تُلا بیٹھا ہے تو اُس نے سلطان کے واپس چلے جانے کے

بعد اپنی ساری سپاہ کھوکھروں اور کرائے کے قبائل کی مدد سے قلعہ سیالکوٹ کا محاصرہ کر لیا۔ لیکن چونکہ اللہ تعالیٰ نے آلِ محمود کی بساطِ حکومت لپیٹ دی تھی۔ اس لئے وہ قلعہ سیالکوٹ کو فتح کرنے میں ناکام رہا اور ناکامی و نامرادی کی زندہ تصویر بنا ہوا لاہور کی طرف لوٹ آیا۔

سلطان غوری ایک بار پھر لاہور آیا۔ اس بار اُسے جمبوں کے راجہ بجے دیو نے بلایا تھا۔ کیونکہ اس راجہ کے تعلقات خسرو ملک سے اچھے نہ تھے اور وہ ہندو مذہب کے ماننے والوں کی پالیسی کے مطابق مسلمان خسرو ملک کی حکومت ختم کرنا چاہتا تھا۔ سلطان غوری نے لاہور کا محاصرہ کر لیا تو سلطان خسرو ملک نے مجبور ہو کر اس کا مقابلہ شروع کر دیا۔ جب اس نے خود میں مقابلہ کی طاقت نہ پائی تو صلح کی گفتگو شروع کی۔ سلطان غوری نے اس کے صاحبزادے کو رہا کر دیا اور خسرو ملک کو ملاقات کے لئے بلایا۔ خسرو ملک اپنے بیٹے سے ملاقات کے لئے آیا تو سلطان غوری اسے اپنے ہمراہ غزنین لے گیا۔ جہاں اسی سال اس کی مدت ہو گئی۔[1] اب لاہور کی حکومت بھی سپہ سالار علی کرماخ والیٔ ملتان کو مل گئی۔

اس واقعہ کے پانچ برس بعد جب سلطان غوری قلعہ تبر ہندہ (بٹھنڈہ) کو فتح کر کے واپس جانے کو تھا تو اسے اطلاع ملی کہ پرتھوی راج چوہان اَن گنت جنگجو ہاتھیوں، سواروں اور پیادوں کی کثیر سپاہ کے ساتھ لشکرِ اسلام سے جنگ کرنے کے ارادے سے بڑھا آ رہا ہے۔ اس کے بعد ترائن کی پہلی اور دوسری جنگ کے

---

[1] "طبقاتِ ناصری" کے مطابق برِّصغیر پاک و ہند کے آخری غزنوی فرمانروا خسرو ملک کو سقوطِ لاہور کے پانچ سال بعد ۵۵۵ھ میں قلعہ فیروز کوہ میں واقع قلعۂ لروان میں قتل کیا گیا تھا۔

واقعات پیش آئے۔"

"ہاں میں ان دونوں جنگوں کے حال سے واقف ہوں، پھر سلطان نے اجمیر فتح کیا تھا اور قنوج کی فتح اور کھوکھروں کی سرکوبی کے واقعات تو ابھی حال ہی کی بات ہے" ——— شہزادی رحمت نے کہا ——— "بہن یہ بتاؤ کہ سلطان غوری اپنی سیرت و کردار کے لحاظ سے کیسا حکمران ہے"؟

"زبانِ خلق سلطان غوری کو نہایت خدا ترس، عادل اور فیاض بادشاہ کہتی ہے۔ غلاموں پر اس کی شفقت ضرب المثل تھی۔ اس نے ہندوستان میں اسلامی سلطنت کی بنیاد رکھی تھی۔ ترائن کی دوسری جنگ میں کفّار کی کثیر فوج کے مقابلہ میں اُس نے جس عمدگی سے اپنی فوجوں کو منظم کیا اور میدانِ کارزار میں لڑائی کا نقشہ جس ذہانت سے ترتیب دیا۔ وہ اس کی عسکری قابلیت پر دال ہے۔ گو بعض لڑائیوں میں سلطان کو شکست بھی ہوئی ہے۔ مگر اس سے اس کی عسکری قابلیت پر حرف نہیں آتا۔ اس کی اسلام سے وابستگی کے بارے میں یہ کہنا کافی ہوگا کہ اس کے لشکر میں امام فخر الدین رازی سے نامور مسلمان عالم موجود ہیں جو نمازوں کی امامت کرتے ہیں اور درسِ قرآن ارشاد کرتے ہیں اور پھر جو سلطان باطنیوں جیسے گمراہ فرقہ کے افراد کا جانی دشمن ہو اور اپنی جان بھی اس دشمنی کے باعث کھوئے۔ اس کی اسلام سے وابستگی پر شک و شبہ نہیں کیا جا سکتا۔ پھر مجھے یقین ہے کہ سلطان غوری کو ملک قطب الدین ایبک سے اچھے جانشین مل گئے ہیں جو ہندوستان میں رہیں گے اور ہندوستان میں اسلامی سلطنت کو مستحکم بنیادوں پر استوار کریں گے۔"

اس گفتگو کے بعد عائشہ نے شہزادی رحمت سے کہا:۔

"بہن! آج کافی باتیں ہو چکی ہیں۔ اب میں امّی کے پاس جا رہی ہوں۔ تم بھی میرے ہمراہ چلو یا پھر آرام کرو۔ بہتر یہی ہے کہ اب تم

آرام کرو۔"

یہ کہہ کر عائشہ روانہ ہوگئی اور شہزادی رحمت اپنے خیالوں میں کھو گئی۔ ادھر تو راجکماری رتن بائی (حال شہزادی رحمت) کو دن رات سردار کمال کی یاد ستاتی رہتی تھی اور ادھر کمال بھی راجکماری کی پُراسرار گمشدگی کے باعث انگاروں پر لوٹ رہا تھا۔ غرضیکہ بمصداق

دونوں طرف ہے آگ برابر لگی ہوئی

دونوں گذشتہ ایک روز سے دہلی میں موجود ہونے کے باوجود ایک دوسرے کی موجودگی سے لاعلم تھے کہ اچانک ملک قطب الدین ایبک کو سلطان محمد غوری کی شہادت کی خبر موصول ہوئی۔ یہ خبر موصول ہونے پر سارے دہلی میں صفِ ماتم بچھ گئی، بڑے بڑے امراء، وزراء، راجے مہاراجے اور مختلف علاقوں کے مسلمان حاکم قطب الدین ایبک کے دربار میں پہنچ کر رسم تعزیت بجالائے۔

سلطان محمد غوری نے رحلت کی تو اُس کے ہاں کوئی اولادِ نرینہ ایسی نہ تھی جو اُس کی جگہ لے سکتی، گذشتہ حالات اس کے شاہد تھے اور اس سے سب لوگ واقف تھے کہ سلطان محمد غوری کی خواہش یہ تھی کہ ہندوستان میں قطب الدین ایبک کی حکمرانی ہو، غالباً اسی وجہ سے سلطان محمد غوری نے رسمی طور پر قطب الدین ایبک کو ہندوستان میں اپنا وائسرائے مقرر کیا تھا اور اُسے ملک کا خطاب بھی دیا تھا۔

سلطان محمد غوری کی شہادت کے صرف دو روز بعد لاہور کے شہریوں نے قطب الدین ایبک کو دعوت دی کہ وہ تختِ سلطانی کو زینت بخشے، یہ دعوت موصول ہونے پر قطب الدین ایبک اپنے لشکر اور سرداروں کے ساتھ بلا تاخیر دہلی سے لاہور کی طرف روانہ ہوا۔ اس کے ہمراہ سردار کمال الدین، کیقباد اور دوسرے بیسیوں سردار بھی تھے، اس نے راہ سے اپنے ایک سردار عامر کو رجو کمال کا گہرا دوست اور رازدار تھا،

صورتِ حال کا جائزہ لینے کے لئے ملتان اور اُچ کی طرف بھیج دیا اور خود اپنی ساری سپاہ کے ساتھ لاہور پہنچ گیا۔ جہاں اُس نے عنانِ حکومت اپنے ہاتھوں میں لے لی۔ تخت نشینی کی باقاعدہ رسم ادا ہوئی۔

اس کے بعد بادشاہ قطب الدین ایبک نے اپنے ملوک و امراء کو بیش قیمت انعامات اور اعزازات سے نوازا اور ساری رعایا سے ایسا فیاضانہ سلوک کیا کہ لوگوں نے اسے سلطان قطب الدین "لکھ بخش" کہنا شروع کر دیا۔

انہی ایام میں سلطان محمد غوری کے بڑے بھائی کے بیٹے سلطان غیاث الدین محمود نے قطب الدین ایبک کے لئے چتر و دورباش (جیسے نوازشاہی) بھی بھیجے، غلامی سے آزاد ہونے کا پروانہ بھی بھیجا اور خطابِ سلطانی سے بھی سرفراز فرمایا۔

سردار کمال الدین دہلی سے بادشاہ قطب الدین ایبک کے ساتھ لاہور آیا تھا تو اس کا جسم تو بادشاہ کے پاس تھا لیکن روح راجکماری کی تلاش میں ہندوستان کے کونے کونے میں بھٹک رہی تھی۔ اسے غلام نبی کا یہ وعدہ بار بار یاد آ رہا تھا کہ وہ آٹھ دس روز میں راجکماری کا کھوج نکال لے گا۔

کمال یہ سوچ کر انتہائی غمزدہ تھا کہ اسے سلطان غوری کی شہادت کے فوراً بعد لاہور سے روانگی کے موقع پر نہ تو غلام نبی سے آخری گفتگو کا موقع ملا تھا، اور نہ راجکماری کے سلسلے میں کہیں سے کوئی خبر موصول ہوئی تھی، اور نہ اب طویل عرصہ گذر جانے کے باوجود راجکماری کے بارے میں کوئی اطلاع مل سکی تھی۔ سردار کمال الدین کا رنج و غم اور بے تابیاں شباب پر تھیں کہ ایک روز بادشاہ قطب الدین ایبک نے اس کے غم زدہ چہرے پر نظر ڈال کر مسکراتے ہوئے کہا تھا:۔

"نوجوان سردار! رنج و غم نہ کرو، ہم تمہیں جلد ہی وہ انعام دیں گے کہ تم زندگی بھر یاد رکھو گے اور ہمیشہ ہمیشہ کے لئے رنج و غم کو دور پھینک

کرمسکرایا کروگے۔"

سردار کمال بادشاہ قطب الدین ایبک کے ان فقروں کا مطلب نہ سمجھ سکا تھا اور گذشتہ بارہ گھنٹوں سے بادشاہ کے انہی فقروں کا مطلب اخذ کرنے میں کوشاں تھا کہ بادشاہ ایبک نے لشکر کے ساتھ لاہور سے دہلی کی طرف کوچ کیا۔ سردار کمال الدین کو اس سے بے حد مسرت ہوئی۔ اس نے بڑی خوش دلی سے یہ مسافت طے کی اور خوش و خرم دہلی پہنچ گیا۔

باب ۱۹

کہیں یہ خواب تو نہیں؟

کمال کو بادشاہ ایبک کے ہمراہ دہلی آئے چار روز ہو چکے ہیں اور اب تک نہ تو اس کی غلام نبی یا نظام الدین سے ملاقات ہوئی ہے اور نہ راجکماری کے بارے میں کوئی اطلاع ملی ہے۔ اب کمال راجکماری کی محبت میں دیوانہ ہو رہا ہے اور اس کی ظاہری حالت میں بھی زبردست تغیر نظر آتا ہے۔ یہ بھی اچھا ہوا کہ عامر جو بادشاہ کے حکم سے صورتِ احوال کا جائزہ لینے کے لئے ملتان اور اُچ کی طرف گیا تھا، واپس آچکا ہے اور وہ سمجھانے بجھانے کے بعد کمال کے زخمی دل کو بہلانے کی کوشش کرتا رہتا ہے۔ وگرنہ اللہ ہی جانتا ہے کہ اس وقت کمال کی کیا کیفیت ہوتی۔ کمال کے دل میں ہر لحہ راجکماری کا خیال اور آنکھوں کے سامنے اُس کی حسین و جمیل تصویر گھومتی رہتی ہے۔ وہ دن رات اُسی کے خیالوں میں کھویا رہتا ہے۔

چاندنی در و دیوار پر رقص کناں ہے اور کمال اپنے قصر کے دالان میں ایک مسند پر بیٹھا ہوا ہے ـــــ سامنے کے دروازے کھول دیئے گئے ہیں اور چلمنیں بھی اُٹھی ہوئی ہیں۔ یہ سبزہ زار کی مسحور کن فضا اور چاندنی رات کا خوبصورت منظر بھی کمال کو متاثر کرنے میں ناکام رہتے ہیں اور اس کا دل کسی طرح نہیں بہلتا۔ قدرت کی نیرنگیاں اس کی نظر کے سامنے ہیں اور ہوا کے خوشگوار جھونکے اُس کے دل و دماغ پر فرحت بخش اثرات

مرتب کرنے میں کوشاں ہیں۔ لیکن کمال کے دل و دماغ پر راجکماری چھائی ہوئی ہے اور وہ رنج و غم کی زندہ تصویر بنا ہوا ہے۔ وہ سوچ میں محو سخت حیران ہے کہ راجکماری قصرِ کمال سے باہر نکل کر کس سمت کو روانہ ہوئی اور دُنیا بھر کی نظروں سے اوجھل ہو کر کہاں غائب ہو گی۔ اُسے رہ رہ کر خیال آ رہا ہے کہ وہ اپنے باپ ہرچند رائے کے ہاتھ بھی نہیں آئی۔ پھر آخر وہ گئی کہاں، اُس وفا شعار لڑکی پر کیا مصیبت ٹوٹی کہ آج تک اُس کا سراغ نہ مل سکا، خدا جانے کن اندھیروں نے اسے نگل لیا۔ خدا نہ کرے کہیں ایسا نہ ہوا ہو کہ اُس وفا کی پتلی نے خوفناک سُنسان جنگلوں کی خاک چھانتے ہوئے جان دے دی ہو اور وہ نازک اندام لڑکی مصیبتوں کو برداشت نہ کر سکنے کے سبب اپنی جان ہی کھو بیٹھی ہو۔

اگلے ہی لمحہ کمال کے دل سے یہ آواز اُٹھی کہ نہیں ایسا ہونا ناممکن ہے۔ اگر راجکماری کا دل اس قدر کمزور ہوتا تو وہ قصرِ کمال سے اس طرح کبھی اکیلی باہر نہ نکلتی، میرا دل گواہی دے رہا ہے کہ وہ زندہ و سلامت ہے اور میری ہی طرح فراق کی آگ میں جل رہی ہے۔ کمال اپنے انہی خیالات میں غرق تھا کہ یکایک عامر نمودار ہوا اور مسند کے قریب ایک چوکی پر قدرے فکرمند سا بیٹھ گیا۔ کمال نے پہلے تو اپنے خیالات کے ہجوم کے سبب اسے نظر انداز کئے رکھا۔ پھر کچھ دیر بعد جب اُس نے بنظرِ غور عامر کی طرف دیکھا تو فوراً بولا:۔

"کیوں بھائی عامر! تم اس وقت اُداس کیوں نظر آ رہے ہو"؟

"میں حیران و پریشان ہوں" ـــــ عامر نے کہا ـــــ "کہ مجھے اس وقت جو نئی بات معلوم ہوئی ہے، اس کا اظہار کیسے کروں، کیونکہ میرے خیال میں یہ بات آپ کے علم میں لائی گئی تو آپ کو ناگوار گزرے گی"۔

"براہِ کرم جلد بتاؤ" ـــــ کمال نے گھبرا کر کہا ـــــ "وہ بات کیا ہے ـــــ"؟

"مجھے معلوم ہوا ہے" ـــــ عامر نے کہا ـــــ "کہ آج بادشاہ سلامت نے آپ کی شادی کے بارے میں گفتگو کی ہے۔ بادشاہ قطب الدین ایبک کی رائے ہے کہ معزز کیقباد کی صاحبزادی سے آپ کا جلد از جلد نکاح کر دیا جائے، یہ بھی پتہ چلا ہے کہ بادشاہ کے ایما پر سردار کیقباد بھی آپ کو اپنی فرزندی میں لینے پر رضامند ہو گئے ہیں"

"لیکن میں اس پر رضامند نہیں ہوں" ـــــ کمال نے فوراً کہا ـــــ "کہ سردار کیقباد کی بیٹی کو اپنی بیوی بناؤں"۔

"مگر اس سلسلے میں آپ کو یہ مشکل پیش آئے گی" ـــــ عامر نے کہا ـــــ "کہ آپ بادشاہ سلامت کے حکم کو رد نہ کر سکیں گے۔ پھر یہ بھی سُنا گیا ہے کہ جس صاحبزادی کو آپ سے منسوب کیا گیا ہے وہ حسن سیرت و صورت میں لاجواب ہے۔ بلاشک و شبہ بادشاہ سلامت نے آپ کے لئے نہایت موزوں اہلیہ منتخب کی ہے جو اس کا واضح ثبوت ہے کہ بادشاہ سلامت آپ سے خوش ہیں۔ آپ کی دل سے قدر کرتے ہیں اور آپ کو انعام کی صورت میں نکاح کا تحفہ عنایت فرما رہے ہیں"۔

"بھائی میرے! آپ درست کہہ رہے کہ لیکن..." ـــــ کمال نے کہا ـــــ "میں اپنے دل کی لگی سے مجبور ہوں۔ راجکماری کی جگہ کوئی جنت کی حور بھی ہو تو اُسے اپنے دل میں جگہ نہیں دے سکتا"۔

"جو کچھ بھی ہے لیکن" ـــــ عامر نے کہا ـــــ "اب بادشاہ سلامت کی بات کو ٹالا نہیں جا سکتا"۔

"افسوس! کاش بادشاہ سلامت میرے دل کی لگی سے واقف ہوتے تو" ـــــ کمال نے کہا ـــــ "مجھے اس انعام سے معاف فرما دیتے۔ بھائی میرے شاید تمہیں پتہ نہ ہو کہ جس روز کوہستان جودیں ہندوؤں کو شکست ہوئی ہے۔ اُس روز معزز سردار کیقباد نے بادشاہ سلامت سے میری مردانہ وار جنگی جد و جہد، سلاحیت اور جانفروشی کی بڑی تعریف

کی تھی، جس پر اظہار مسرت فرماتے ہوئے بادشاہ سلامت نے اپنے دست خاص کی تلوار مجھے عطا فرمائی تھی اور پھر ایک اور موقع پر بھی اشارتاً کنایتاً باتیں ہوئی تھیں۔ مگر اس وقت مجھے اس معاملہ کی قطعاً کوئی خبر نہ تھی، ورنہ میں اُسی وقت کوئی تدبیر نکال لیتا جس سے یہ معاملہ ٹالا جا سکتا۔ خیر اب جو تقدیر کا لکھا ہے پورا ہوگا۔ جو مصیبت آئے گی برداشت کرنی پڑے گی۔ خیر اب یہ بتاؤ کہ یہ شادی کہاں ہوگی"؟

"ساری بیگمات چونکہ دہلی میں موجود ہیں، اس لئے" ——— عامر نے کہا ———

"سُنا گیا ہے کہ عقد کی مبارک رسم یہیں ادا ہوگی، ایک اور بات یاد آگئی۔ کیا آپ واقف ہیں کہ آج بادشاہ سلامت نے سردار کیقباد کی سفارش پر ہرچندر رائے اور اس کے ساتھ کافی ہندوؤں کو رہا کر دیا ہے اور ساتھ پچیس گھوڑے، درجنوں خیمے اور بہت سا دوسرا سامانِ سفر بھی اُن کو عطا فرمایا ہے"۔

"بہت خوب! میں سوچتا ہوں کہ" ——— کمال نے کہا ——— "کہیں یہ غضب نہ ہوا ہو کہ بادشاہ سلامت کو راجکماری کے واقعہ کی اطلاع ہو چکی ہو اور انہوں نے یہ خیال کیا ہو کہ وہ میرے پاس موجود ہے، اس لئے انہوں نے ہرچندر رائے کو رعایتوں اور مراعات کا مستحق سمجھا ہو"۔

"واللہ اعلم بالصواب" ——— عامر نے کہا ——— "میں اس سلسلے میں کوئی حتمی نتیجہ اخذ نہیں کر سکتا"۔

"نہیں یقیناً یہ بات نہیں ہے" ——— کمال نے کہا ——— "کیونکہ اگر کوئی ایسی بات ہوتی تو بادشاہ سلامت سردار کیقباد کے توسط سے ہرچندر رائے کے متعلق یہ کارروائی عمل میں نہ لاتے"۔

"میرا خیال ہے کہ" ——— عامر نے کہا ——— "آپ کی یہ رائے درست نہیں ہے۔ بادشاہ سلامت کو یہ معاملہ سردار کیقباد سے چھپانے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ شرعاً اس کی ممانعت نہیں ہے کہ گھر میں ایک بیوی کی موجودگی کے سبب دوسری شادی نہ کی جائے۔ ہر مسلمان کو چار بیویاں تک رکھنے کی اجازت ہے۔ بشرطیکہ وہ چاروں کے ساتھ انصاف کر سکے اور چاروں کے ساتھ یکساں سلوک روا رکھ سکے۔ اگر وہ چاروں میں مساوات قائم نہ رکھ سکے تو اسے دوسرے نکاح کی اجازت نہیں دی جا سکتی"۔

اس بات چیت کے بعد عامر تو کسی ضرورت کے تحت باہر چلا گیا اور کمال پہلے کی طرح رنج و غم میں مبتلا دوبارہ اپنے خیالوں کی دنیا میں گم ہو گیا۔ اس وقت اس کے دل و دماغ میں دو مخالف خیالوں کے سبب جنگ چھڑی ہوئی تھی۔ وہ نہ تو بادشاہ سلامت کے حکم کی خلاف ورزی کر سکتا تھا اور نہ راجکماری کی جگہ کسی دوسری عورت کو اپنے دل میں جگہ دے سکتا تھا۔ نہ جائے ماندن اور نہ پائے رفتن کے مصداق وہ نہ اس بات کو منظور کر سکتا تھا اور نہ اس بات پر عمل پیرا ہو سکتا تھا۔ وہ کافی رات گئے تک ان ہی خیالوں میں کھویا رہا حتیٰ کہ نیند نے اُسے اپنی آغوش میں لے لیا۔ اس نے علی الصبح بیدار ہو کر نمازِ فجر پڑھی اور ملاقاتی کمرہ میں آ بیٹھا۔ جہاں یکے بعد دیگرے اس کے دوست احباب اور افسرانِ فوج آتے رہے اور سب کے سب سردار کیقباد کی بیٹی سے اس کی شادی خانہ آبادی کا تذکرہ کرتے اور اُسے مبارکباد دیتے رہے۔ سب کی زبانی یہی ایک بات سُن سُن کر اُسے یقین ہو گیا کہ اب اس کی سردار کیقباد کی بیٹی سے شادی ٹل نہ سکے گی۔ ہر حال میں ہو کر رہے گی۔ اس لئے مجبوراً اس سلسلے میں جو ضروری کام تھے اس نے انہیں سرانجام دینے کی کوشش شروع کر دی۔

کمال نے اسی روز قصر کمال کے ایک کمرہ کو عروسی کمرہ کی حیثیت سے سجانے سنوارنے کا حکم دیا۔ جب اسی انتظام و اہتمام میں کئی روز گذر گئے تو آخر کار ایک روز یہ معلوم ہوا کہ آج شب کو عقد کی رسم ادا ہوگی۔ اس خبر سے کمال فکرمند ہو گیا اور عامر سے مخاطب ہو کر بولا: ———

"اگر یہ رسم عقد چند روز کے لئے ٹل جاتی تو بہت اچھا ہوتا۔ کیونکہ غلام نبی اپنے وعدہ کے مطابق آئے گا اور راجکماری کی نشاندہی کرے گا، اگر راجکماری کی اطلاع مل جائے یا وہ خود آجائے تو میں ایک لحاظ سے مطمئن ہو جاتا۔"

"میں بتا تو چکا ہوں" ——— عامر نے کہا ——— "کہ تمہاری شادی کا یہ تمام معاملہ بادشاہ قطب الدین ایبک کی طرف سے طے ہوا ہے۔ اس لئے اس میں ردّ و بدل نہیں ہو سکتا۔"

اس روز کمال سخت مضطرب رہا اور بار بار دعا کرتا رہا کہ خدا کرے غلام نبی آج ہی آجائے اور راجکماری کی نشاندہی کر دے، اس روز اس کی بے قراری کا یہ عالم تھا کہ اس نے چند رازدانوں کو غلام نبی کی تلاش میں بھی بھیج دیا۔ اُدھر صبح سے بادشاہ کے حکم کی تعمیل میں ساری لشکر گاہ کو خوب آراستہ و پیراستہ کیا گیا تھا۔ جگہ جگہ روشنی کے عمدہ انتظامات کئے گئے تھے اور ساری لشکر گاہ میں صفائی پر خصوصی توجہ دی گئی تھی۔ لشکر گاہ میں جابجا فوجی دستوں کے پرچم لہرا رہے تھے۔ بادشاہ کی طرف سے تقریب میں سارا لشکر مدعو تھا۔ لشکر گاہ کا وہ حصہ جہاں کمال کے خاص خیمے نصب تھے، بڑی خوش اسلوبی سے آراستہ و پیراستہ کیا گیا تھا۔ بادشاہ اور بڑے سرداروں کے خصوصی رسالے اور پلٹنیں زرق برق فوجی لباس پہنے اور ہتھیار لگائے ہوئے بڑی ترتیب سے صف بستہ تھے۔ ان کے ہتھیاروں کی آب و تاب دیکھنے والوں کے دلوں پر رُعب طاری کر دیتی تھی۔ تاریکی نے روشنی کو نگل لیا۔ دن کا اختتام ہوا اور رات آگئی تو نمازِ عشاء کی ادائیگی کے بعد بادشاہ ایک بڑی شان و شوکت سے سوار ہو کر سردار کیقباد کی خیمہ گاہ میں آگیا۔ یہ اطلاع ملنے پر سارے سردار بھی کیقباد کی خیمہ گاہ پہ آگئے اور کمال کو بھی بلاوا بھیجا گیا۔ کمال نے عامر اور دوسرے افسروں کے ساتھ کیقباد کے کیمپ کی راہ لی اور جب وہ خیمہ جس میں بادشاہ قطب الدین ایبک تشریف فرما تھا دکھائی دیا

اور خیمہ قریب آگیا تو کمال اور اُس کے ساتھی ازراہ ادب و احترام گھوڑوں سے اُتر کر پیدل روانہ ہوئے۔ خیمہ کے دو رویہ سینکڑوں غلام رنگین لباسوں میں ملبوس صف باندھے کھڑے ہوئے تھے۔ کمال کو دیکھ کر چند غلام آگے آئے اور ایک نے دائیں طرف اشارہ کر کے کہا ——— "بادشاہ سلامت کا حکم ہے کہ پہلے آپ اکیلے اس دروازے سے اندر تشریف لے جائیں۔ بعد میں آپ کے ساتھیوں کو طلب کیا جائے گا۔"

یہ حکم ملنے پر کمال اس طرف بڑھا اور اس کے ساتھی اُسی جگہ کھڑے ہو گئے۔ کچھ دُور آگے بڑھ کر جب کمال ان قناتوں کے قریب پہنچا جو خیمے سے یہاں تک دو رویہ لگی ہوئی تھیں تو اس نے محسوس کیا کہ کوئی شخص تیز تیز چلتا ہوا اس کی طرف آرہا ہے۔ یہ محسوس کرتے ہی کمال ٹھہر گیا۔ اس دوران وہ شخص قریب آگیا تو پتہ چلا کہ غلام نبی ہے۔ کمال نے کہا ——— "کہو غلام نبی! کیا خبر لائے"؟

غلام نبی نے ہولے سے کہا ——— "آپ کو مبارک ہو۔ راجکماری بھی آگئی ہیں، بس اس وقت اس سے زیادہ عرض کرنے کا موقع نہیں ہے، آپ یہاں سے لوٹیں گے تو مفصل حالات عرض کر دوں گا۔"

یہ کہہ کر غلام نبی تو فوراً لوٹ گیا ——— لیکن کمال اس قدر بے خود ہو گیا کہ اسے یہ بھی یاد نہ رہا کہ وہ کون ہے اور کہاں جا رہا ہے۔ وہ بار بار غلام نبی کی طرف مڑ مڑ کر دیکھ رہا تھا اور اسے بلانا چاہتا تھا مگر ایک غلام نے قریب آکر کہا ——— "آپ ذرا قدم اٹھا کر چلیں، بادشاہ سلامت کافی دیر سے یہاں تشریف فرما ہیں۔"

یہ سُن کر کمال کی بے خودی دُور ہوئی اور وہ آگے بڑھا۔ وہ سر جھکائے ہوئے ہولے آگے بڑھ رہا تھا اور اس کے پیچھے غلام آرہے تھے۔ جب اُس بڑے خیمے کا دروازہ آگیا اور کمال اس کے قریب پہنچ گیا تو یک لخت ایک نوعمر غلام نے جو قنات سے لگا کھڑا تھا کمال کا دامن پکڑ لیا اور بولا ——— "اس طرف تشریف لائیں۔"

کمال نے دیکھا تو قنات سے ملحق ایک خیمہ نظر آیا۔ جو روشنی سے جگمگا رہا تھا اور جس میں عود و عنبر کی خوشبو ہر طرف پھیل رہی تھی۔ کمال اس خیمے کے بارے میں کوئی خیال کئے بغیر فوراً اس غلام کے اشارے کے مطابق خیمے میں داخل ہوا۔ خیمے میں قدم رکھتے ہی اس پر حیرتوں کے پہاڑ ٹوٹ پڑے۔ کیونکہ خیمے میں اس کی محبوبہ راجکماری رتن بائی اسے دیکھتے ہی رنگین مسند سے اُٹھ کر دل نشین انداز سے بولی ــــــ "واللہ آپ تو غضب کے تغافل شعار ہیں"۔

راجکماری جو ایک حسین و جمیل دوشیزہ تھی، میر بٹھ میں باوجود انتہائی سادہ و منع میں رہنے کے بڑی ہی خوبصورت لڑکی نظر آتی تھی۔ لیکن اِس وقت تو اُس کے حُسن و جمال کا عالم ہی دوسرا تھا، وہ اس وقت پہلے کی بہ نسبت کہیں زیادہ حسین و جمیل نظر آرہی تھی۔ اس کی عروسانہ آرائش و زیبائش عجمی انداز سے کی گئی تھی۔ اس کے سر پر ایک بیش قیمت خوشنما ہلکا مرصع تاج تھا۔ وہ گلابی حریر زرتار کی قمیض پہنے تھی، جس میں زمرد کے بٹن آویزاں تھے۔ جڑاؤ طوق اور آبدار موتیوں کے ہار اُس کے سینے کی زینت تھے۔ وہ ہلکے دھانی رنگ کا دوپٹہ اوڑھے تھی، جس کا ایک سرا تو اس کے دونوں شانوں پر پڑا ہوا تھا اور باقی دُور تک مسند پر پھیلا ہوا تھا۔ دوپٹے کے چاروں کناروں پر بڑے بڑے ترنج بنے ہوئے تھے جن میں الماس، یاقوت و زمرد وغیرہ کے نگینوں سے دیدہ زیب پھول پتیاں بنائی ہوئی تھیں۔ خیمے میں آویزاں رنگارنگ فانوسوں میں کافوری شمعیں روشن تھیں۔ خیمے کی سجاوٹ آنکھوں میں چکاچوند پیدا کر دیتی تھی اور خیمے کا ماحول سحر آگیں تھا۔ دس بارہ کمسن خوبصورت طرحدار لونڈیاں صف باندھے کھڑی تھیں اور راجکماری کے ساتھ ہی سب کی سب کمال پر نظریں جمائے ہوئے تھیں۔ کمال خیمے کے مسحور کن ماحول سے حیرت زدہ راجکماری کی من موہنی صورت کو دیکھ رہا تھا اور اس کے دل و دماغ میں ہلچل برپا تھی۔ لیکن اس نے اپنے دل و دماغ کو سنبھال کر آرزو بھری نظروں

سے راجکماری کو تکتے ہوئے کہا ــــــ "کہیں میں کوئی خواب تو نہیں دیکھ رہا"۔

یہ فقرہ سُن کر ابھی راجکماری کے ہونٹوں پر مسکراہٹ آئی ہی تھی کہ وہی نوعمر غلام جس کے اشارہ سے کمال اس خیمہ میں آیا تھا، لپک کر آیا اور بولا ــــــ "جلد تشریف لائیں، بادشاہ سلامت آپ کو یاد فرما رہے ہیں"۔

یہ سُن کر کمال گھبراہٹ کے عالم میں خیمہ سے باہر آیا تو راجکماری قدرے حیران سی ہوئی۔ کمال تیز تیز چلتا ہوا خیمہ پر پہنچا اور اجازت ملنے پر بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوا تو بادشاہ نے مُسکرا کر کمال کی طرف دیکھا اور خاموش رہا، زبان سے کچھ نہ کہا۔ جلد ہی بادشاہ سے اجازت لینے کے بعد قاضی نے نکاح پڑھا اور دینی طور طریقوں کے تحت عقد ہوا۔ اس کے بعد بادشاہ کے حکم سے کمال کو خلعت فاخرہ عطا ہوا۔ کیقباد اور بڑے بڑے امراء نے بادشاہ پر بیش قیمت جواہرات اور موتیوں کی بھری ہوئی کشتیاں نثار کیں۔ پھر محفل آراستہ ہوئی، خوش نوا مغنیوں نے اپنے اپنے کمالات دکھائے، آواز کے جادو نے دلوں کو متاثر کیا۔ کافی دیر تک محفل گرم رہی۔ رات نصف کے قریب گذر چکی تھی، جب بادشاہ نے کمال اور اس کے ہمراہیوں کو رخصت ہونے کی اجازت بخشی۔ کمال مؤدبانہ سلام کر کے رخصت ہوا اور اس نے چاہا کہ اُسی دروازہ سے باہر نکلے، جس سے وہ اس خیمہ میں داخل ہوا تھا۔ لیکن اب وہ دروازہ بند ہو چکا تھا، اس لئے کمال دوسرے دروازہ سے باہر نکلا اور ابھی وہ چند ہی قدم آگے بڑھا تھا کہ خیمہ کے اندر سے ایک غلام نے نکل کر کمال سے کہا:۔

"بادشاہ سلامت نے ارشاد فرمایا ہے کہ اس وقت آپ لشکر گاہ سے اپنی رہائش گاہ قصرِ کمال میں تشریف لے جائیں"۔

یہ کہتے ہی غلام خیمے میں لوٹ گیا اور کمال سوار ہو کر اپنے قصر کی طرف روانہ ہوا اور اس نے اپنے ایک ساتھی کو لشکر گاہ کی اپنی خیمہ گاہ کی طرف بھیجا کہ غلام نبی کو بُلا لائے۔ کمال کو

پہلے تو غلام نبی کی اس اطلاع پر حیرت ہوئی تھی کہ راجکماری صاحبہ آگئی ہیں اور پھر دوسری بار وہ اس وقت سخت متعجب ہوا تھا، جب اس نے ایک خیمہ میں راجکماری کو دیکھا تھا۔ اس وقت بھی وہ چپ چاپ حیران و پریشان سا اپنے قصر کی طرف بڑھ رہا تھا۔ نصف رات گزر چکی تھی اور ہوا میں بتدریج خنکی کا اضافہ ہو رہا تھا۔ عامر نے اپنا گھوڑا کمال کے قریب لا کر کہا :-

"اس وقت خنکی میں ناگوار اضافہ ہو رہا ہے، مناسب یہی ہے کہ ہم ذرا باگ اٹھائے ہوئے چلیں"۔

یہ سُن کر کمال نے اپنے گھوڑے کی رفتار تیز کر دی مگر زبان سے کچھ نہ کہا اور خاموشی سادھے رکھی۔ حتیٰ کہ قصرِ کمال آگیا۔ وہ چونکہ غلام نبی کا شدید انتظار کر رہا تھا، اس لئے دیوان عام میں جا بیٹھا تاکہ غلام نبی آجائے تو اُس سے کچھ پوچھے۔ چند ہی منٹ بعد غلام نبی آگیا۔ کمال نے اُٹھ کر اُسے گلے لگاتے ہوئے کہا :-

"دوست تمہارا یہ انکشاف تو پہلے انکشافات سے بھی زیادہ پیچیدہ اور حیران کُن ہے۔ خیر اب یہ بتائیے کہ اس وقت راجکماری کہاں ہے"؟

غلام نبی نے ہنستے ہوئے اس کے جواب میں کہا ——— "اب آپ جب اپنے قصر کی حرم سرا میں تشریف لے جائیں گے تو راجکماری سے ملیں گے اور میرے تجسس کی داد دیں گے"۔

کمال کی بے قراری کا یہ عالم تھا کہ یہ سنتے ہی بے تاب ہو کر اٹھا اور حرم سرا میں داخل ہو گیا۔ اس نے دیکھا کہ سامنے کے برآمدہ میں راجکماری ایک تخت پر بیٹھی سکینہ سے گفتگو میں محو تھی۔ راجکماری کی جُوں ہی کمال پر نظر پڑی وہ فوراً کھڑی ہو کر مسکراتے ہوئے بولی ——— "آئیے ۔۔۔ آئیے ۔۔۔ اب میری قسمت اور آپ دونوں جاگ رہے ہیں اور یہ کوئی خواب نہیں حقیقت ہے"۔

کمال یہ مسحور کُن آواز سنتے ہی دوبارہ بے خود ہو گیا۔ اس کا دورانِ خون یک لخت تیز ہو گیا۔ محبت کے جوش اور خوشی سے اس کی آنکھوں میں آنسو آگئے اور وہ بے ساختہ پکار اٹھا :-

"عزیز از جان راجکماری! میں اور تم دونوں پتہ نہیں کس جادو نگری میں آپھنسے ہیں"۔

یہ سُن کر راجکماری مُسکرائی تو کمال نے آگے بڑھ کر اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا اور اُسے اپنے پہلو میں بٹھا لیا۔ اس کے بعد کچھ سوچ کر کمال نے پھر اس واقعہ کے بارے میں کسی حیرت کا اظہار نہ کیا اور متاثر کن لہجہ میں راجکماری سے کہا ———

"تمہیں میری وجہ سے جو تکلیفیں برداشت کرنی پڑی ہیں اور جو دُکھ سہنے پڑے ہیں، اس پر میں سخت شرمندہ ہوں۔ میرٹھ سے روانگی کے بعد بلاشک و شبہ تمہیں سخت زحمت کا سامنا کرنا پڑا ہے۔ کیا تم اس کا حال بیان کرو گی"۔

اس پر راجکماری نے میرٹھ سے روانگی کے بعد اس مندر میں قیام اور پروہتوں کی سازش کا حال بیان کر کے قصرِ کمال پر اپنے والد کے حملہ کی تفصیل بیان کی ——— علاوہ ازیں راجکماری نے بزرگ ہارون ابن اعثم کے یہاں اپنے قیام کی روداد کہہ سُنائی اور یہ بتایا کہ بزرگ نے کس طرح تمہیں خط لکھا تھا اور تمہاری طرف سے کس طرح مجھے لینے کے لئے چند افسر اور سپاہی بزرگ کے پاس پہنچے تھے اور میں ان کے ساتھ یہاں آئی تھی۔

یہ ساری کہانی سُن کر کمال کی حیرت کی انتہا نہ رہی۔ وہ سخت متعجب ہوا، لیکن اس نے اپنے چہرے سے اس کا اظہار نہ ہونے دیا اور مطمئن انداز میں پوچھا ———

"تمہیں یہاں پہنچنے کے بعد تو کوئی تکلیف نہیں ہوئی تھی"؟

راجکماری نے کہا ——— "میں جب یہاں دہلی پہنچی تو مجھے سردار کیمپ

کے محل میں اتارا گیا۔ جہاں اُن کی بیوی اور بیٹی نے میری خاطر و تواضع میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا اور آج تک روزِ اوّل کی طرح میری مہمان داری اور دلجوئی کرتی رہی ہیں۔ ہاں یہ بات ضرور ہے کہ مجھے تمہاری جدائی کا ہمیشہ صدمہ رہا ہے اور میں ہمیشہ تمہارے حق میں دعا کرتی رہی ہوں کہ اللہ تعالیٰ تمہیں بخیر و عافیت واپس لائے۔"

راجکماری قدرے توقف کے بعد دوبارہ بولی ——— "مجھے ہمیشہ یہ محسوس ہوتا رہا ہے کہ میں اپنے وطن بلکہ اپنے گھر ہی میں موجود ہوں۔ البتہ جب سے مجھے یہ معلوم ہوا تھا کہ تم یہاں آچکے ہو اور مجھ سے ملنے نہیں آئے تو میری پریشانی کی انتہا نہ رہی تھی اور مجھے ہر سُو اندھیرا ہی اندھیرا نظر آتا تھا۔ پھر آج یہ جان کر مجھے بڑی مسرّت ہوئی کہ آپ تشریف لے آئے ہیں اور پھر شام کے وقت مجھے یہ بتایا گیا کہ حضور بادشاہ سلامت کے حکم سے آج ہی عقد بھی ہو رہا ہے۔ پھر آپ جب خیمے میں داخل ہوئے تھے تو میں نے یہ سمجھا تھا کہ عقد ہو گیا ہے۔ پھر آپ کو کسی ضرورت کے تحت اُدھر بلا لیا گیا تو میں یہاں آگئی۔ ابھی ابھی سردار کیقباد کی بیٹی جس سے میں بہت محبت کرتی ہوں، مجھے یہاں پہنچا کر واپس اپنے محل لوٹی ہے۔ شاید آپ نے اُن کی سواری راستے میں جاتے دیکھی ہو۔"

یہ ساری داستان سُن کر کمال بہت خوش ہوا اور یہ بات اُس کی سمجھ میں آگئی کہ یہ سب کچھ ایک سوچے سمجھے منصوبے کے تحت ہوا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ اس طرح ہوا ہے کہ راجکماری کی موجودگی کے بارے میں جو خط بزرگ ہارون بن اعثم نے بھیجا تھا وہ میری عدم موجودگی میں دہلی پہنچا اور سردار کیقباد کے ہاتھ پڑ گیا، جنہوں نے محض میری سرپرستی کے خیال سے ازراہ مہربانی یہ سب کچھ ایک منصوبہ کے تحت کیا ہے اور لازماً اس راز سے حضور بادشاہ سلامت بھی واقف ہوں گے۔

کمال نے اس معاملہ پر غور کیا تو ساری بات اس کی سمجھ میں آگئی۔ لیکن اُس نے

راجکماری پر اس راز کو ظاہر نہ کیا اور راجکماری سے پیار و محبت کی باتوں میں محو ہو گیا۔ اس دوران اچانک کمال کو بوڑھے پُراسرار پردہ نشین سابق ماتا دین اور حال غلام نبی کی یاد آگئی اور اس نے اس کی ساری داستان بیان کی۔ راجکماری نے بڑی دلچسپی سے اس کا حال سُنا اور بولی:۔

"یہ شخص غالباً کوئی چھلاوہ ہے یا بھیس بدلنے والا انسان ہے۔ میں جب چند افسروں اور سپاہیوں کے ساتھ بزرگ ہارون بن اعثم کی قیام گاہ سے دہلی کے لئے روانہ ہوئی تھی تو میں نے اسے راہ میں دیکھا تھا۔ یہ اُس دستہ فوج کے افسر سے گھل مل کر باتیں کر رہا تھا جن کی تحویل میں مجھے دہلی لایا جا رہا تھا۔"

کمال اور راجکماری ابھی باتوں میں محو ہی تھے کہ سکینہ نے برآمدے کے پردے گرا دیئے اور باآوازِ بلند بولی:۔

"بہن راجکماری! رات گذری جا رہی ہے، اب باتوں کا سلسلہ ختم کرو اور ذرا آرام بھی کر لو، میں جا رہی ہوں، خدا حافظ ..... شب بخیر۔"

راجکماری نے بھی جواب میں کہا ——— "شب بخیر بہن! ..... شب بخیر ....."

اور پھر راجکماری اور کمال نے رات کے بقیہ حصّہ میں کیا کیا باتیں کیں۔ اس سے کوئی بھی واقف نہیں، ہم بھی یہی کہنے پر اکتفا کرتے ہیں کہ واللہ اعلم بالصواب۔

Pakistanipoint
Waqar
Azeem

ایمان افروز دینی کُتب

رابعہ بصریؒ	اظہر جاوید
حل المشکلات	مولانا منیر احمد زبیری
حاجات اور عملیات	بانو شیریں
انبیائے کرامؑ کے عملیات	سعید اے شیخ
اقوالِ بزرگانِ دین	" " "
احوالِ بزرگانِ دین	" " "
پیارے نبیؐ کی پیاری باتیں	مولانا محمود قادری
پیارے نبیؐ کی پیاری دعائیں	منشی محمد سلیم
مسلمان بیوی	مولانا محمد ادریس انصاری
مسلمان خاوند	" " "

نماز	مولانا محمد عاشق الٰہی
ساقیٔ کوثر	ابنِ عرفان
سب رنگ اولیاؒ	ادارۂ تصنیف و تالیف
واقعاتِ بزرگانِ دین	" " "
معلوماتِ اسلام	خرم اختر
دینی مسائل	مولانا اشرف علی تھانویؒ
حکایاتِ اسلام	قمر تسکین
حکایاتِ خواتینِ اسلام	" "
حکایاتِ قرآن	" "
شہادتِ حسینؓ	مولانا ابوالکلام آزاد

رابعہ بک ہاؤس بخشی مارکیٹ انارکلی، لاہور

شاعری کی عُمدہ کتابیں

دیوانِ غالب (بڑا سائز)	اسد اللہ غالب
دیوانِ غالب (چھوٹا سائز)	" " "
گل زمین	کامل القادری
گاتا جائے بنجارہ (بڑا سائز)	ساحر لدھیانوی
تلخیاں (بڑا سائز)	" "
تلخیاں (چھوٹا سائز)	" "
اُردو کی طنزیہ و مزاحیہ شاعری	پرکاش پنڈت
مسدسِ حالی	حالی
رباعیاتِ حافظ شیرازی	راؤ جذب
بزمِ ساغر	ساغر صدیقی
میخانۂ ساغر	مرتبہ: شفیق مرزا
سفر دی رات	منیر نیازی

رابعہ بک ہاؤس

بخشی مارکیٹ، انارکلی، لاہور

طبّ و صحّت پر
بیمثال کتابیں

پانی سے علاج	سعید اے شیخ
پھلوں سے علاج	ڈاکٹر محمد سلیم
ہمیشہ جوان رہیے	آغا اشرف
غذا سب کے لیے	" "
ورزش اور آپ کی صحت	" "
دل کی حفاظت کیجیے	اقبال کاردار
صحت و زندگی	خوشتر گرامی
کیا سرطان کا علاج ممکن ہے؟	حکیم منیر احمد زبیری
اچھی نظر عینک کے بغیر	محمد شریف کیانی
شہد، دوا بھی غذا بھی	حکیم ظفر قریشی
اپنا وزن کم کیجیے	محمد تنویر اعظم
تیس دن میں پیٹ کم کیجیے	رائے متھیوز
سگریٹ نوشی یا جاں نوشی	سعید اے شیخ
بچے کی صحت	ادارہ تصنیف و تالیف
دانت اور صحت	الطاف حسین صدیقی
تندرست رہیے	تسنیم افضل
جڑی بوٹیوں سے جلد کی حفاظت	" "
ذیابیطس	حکیم راحت نسیم سوہدروی
پھل، دوا بھی غذا بھی	" " "
طبِ روحانی	مولانا محمد ابراہیم
طبِ نبویؐ	حافظ اکرام الدین واعظ
قدرتی علاج	سعید اے شیخ

رابعہ بک ہاؤس
بخشی مارکیٹ، انارکلی، لاہور

خوبصورت اور دلکش ناول

پیاس کا صحرا	
لیزا	پروین شریف
دل ربا	
خدا کرے کہ قیامت ہو اور تو آئے	قرۃ العین حیدر
تجھ بن تیری بینا روئے	ذکاء الرب بابر
شوگراں کی چاندنی	" "
ہاتھ جو تھامے میت وہی ہے	" "
جب جب تیری یاد آئے گی	" "
ٹوٹ گیا تاج محل (زیرِ طبع)	" "
میرے اپنے	" "
زہر کا دریا	زرینہ ضمیر
تن تارا را	رحیم گل
وادیٔ گماں میں	" "
میسنا	نیتو
مشینوں کا شہر	فریدہ حق تمنجو
گلبدن	کرشن چندر
گوشِ برآواز	خلیل جبران
سحر ہونے سے پہلے	" "
ٹوٹے ہوئے پر	" "
خواب و خیال	" "
ارضی دیوتا	" "
روح کے آئینے	" "
سرکش روحیں	" "
اس نے کہا	" "

رابعہ بک ہاؤس
بخشی مارکیٹ، انارکلی، لاہور پاکستان

خواتین کی پسندیدہ کتابیں

آرائشِ گیسو	ثریا ستارہ
آرائشِ جمال	بشریٰ عبدالرحمٰن
آرائشِ حُسن	رابعہ سعید
میک اَپ اور حُسن	یاسمین قریشی
حُسن و صحت	رابعہ سعید
گھریلو چٹکلے	" "
مفید گھریلو چٹکلے	اختر بیگم
پھلوں اور سبزیوں کو محفوظ رکھنے کے طریقے	رابعہ سعید
آسان اور سستے شربت	" "
لذیذ کھانے	" "

میٹھے کھانے	یاسمین اظہر
رابعہ کا دسترخوان	رابعہ سعید
چائنیز کھانے	آغا اشرف
ملک ملک کے کھانے	قمر تسکین
سستے اور مزیدار کھانے	رفعت یوسف
سبزیاں پکائیے	" "
رنگارنگ پکوان	" "
بیسٹ بیکرز	گوہر سعید
کھانوں کی برات	نجم السحر
سُوپ ہی سُوپ	رابعہ سعید

رابعہ بک ہاؤس، بخشی مارکیٹ، انارکلی، لاہور